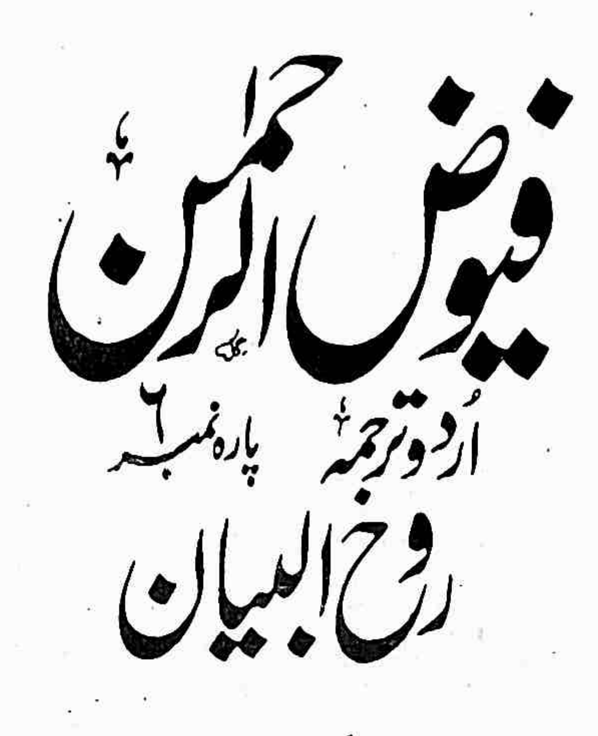


مصنف

حضرت علامہ سراج العلماء زبدۃ الفضلاء شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

نبی پاک کے دور میں پہلا جھوٹی قسم اٹھانے والے ۔ ۶۶/۷

نام کتاب ——— فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان پارہ نمبر ۷، ۸

مصنف ——— حضرت علامہ الشیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم ——— حضرت شیخ القرآن علامہ محمد فیض احمد اویسی مدظلہٗ

مصحح ——— حضرت الحاج چوہدری مشتاق محمد خان

سن طباعت ——— اپریل ۱۹۹۵ء

باہتمام ——— صاحبزادہ عطاالرسول اویسی

کتابت ——— حامد اقبال خان کلیمی

ناشر ——— مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

مینجر ——— صاحبزادہ ریاض احمد اویسی

قاضی ابو یوسف سے بڑے بوڑھے آدمی نے روزہ کے بارے میں پوچھا
کہ آدھی رات تک = ۵۵/۷

مضامین فہرست

Dabbas

قبروں سے قبر پرستی شکل میں ابھرنا = $\frac{333}{6}$

جب درود کسی ملائکہ پیش کرتے =
دشمن سے اللہ کرے = $\frac{194}{7}$

بکری قصاص لے گی = $\frac{165}{7}$

اچھا لباس پہننا = $\frac{170}{8}$

عورت اپنے بچے کو آگ میں
پھینکیں رب کی مثال = $\frac{129}{7}$

قرآن کے غلاف کو دھونا = $\frac{270}{7}$

حضرت ابراہیم خواص کے پاؤں میں
خوشبو = $\frac{6}{8}$

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا = 96

انما ولیکم اللہ ورسولہ = $\frac{266}{6}$

حضرت بلال [illegible] = $\frac{196}{8}$

[illegible] = $\frac{241}{8}$

گناہوں کی نحوست دور کرتی ہے = $\frac{293}{8}$

حضرت حافظ شیرازی قدس سرّہٗ نے فرمایا : ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
روزے کہ رخت جان بجہان دگر کشیم

ترجمہ : کوئی کام کر جائیں ورنہ شرمساری ہوگی جب اس جہان کا سامانِ سفر باندھیں گے۔

فہرست تفسیر فیوض الرحمن ترجمہ روح البیان پارہ نمبر ۶



پاره نمبر ٦

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ

اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ

وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ

سَبِيْلًا ۝ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ع

ترجمہ: اللہ پسند نہیں کرتا بُری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے، اور اللہ سُنتا جانتا ہے، اگر تم کوئی بھلائی اعلانیہ کرو یا چھپ کر یا کسی کی بُرائی سے درگزر کرو تو بیشک اللہ معاف کرنیوالا قدرت والا ہے، وُہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جُدا کر دیں اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں یہی ہیں ٹھیک کافر، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہ کیا انہیں عنقریب اللہ ان کے ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اللہ تعالیٰ بُری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتا۔

ف: محبت نہ کرنے سے رنج و غصہ مراد ہے۔ بالسّوء، بالجھر سے متعلق ہے اور من القول کا مِن محذوف سے متعلق ہے جو کہ بالسّوء سے حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ بُری بات زبان پر لانے والے سے محبت نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ بجز مظلوم کے یعنی مظلوم کے سوا باقی کسی سے ایسی بات پسند نہیں کرتا۔

مسئلہ: مظلوم کے لیے جائز ہے کہ ظالم کی داستان لوگوں کو سنائے یا اس پر بددُعا کرے جبکہ اس سے اس کی فریادرسی مطلوب ہو۔ مثلاً یُوں کہے کہ فلاں شخص نے میری چوری کر لی ہے یا میرا مال چھین لیا ہے۔

ف: بعض کہتے ہیں اِس سے یہ مراد ہے کہ اگر کوئی اسے گالی دے تو اسے اُس کی گالی کا جواب گالی سے دے۔

مسئلہ: جو شخص اسے گالی دے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے گالی دے لیکن اتنی کہ جتنی اس نے گالی دی ہے اس سے تجاوز نہ کرے۔

شانِ نزول: بعض کہتے ہیں اس سے وُہ شخص مراد ہے کہ جس کے ہاں ایک قوم مہمان ہُوئی اس نے انہیں کھانا نہ کھلایا تو انہوں نے اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا اور اللہ تعالیٰ سمیع ہے یعنی مظلوم کی بات سنتا ہے عَلِيْمًا اور ظالم کے

حال کو جانتا ہے اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا (اگر تم بھلائی ظاہر کرو) وہ بھلائی عام ہے کہ اقوال سے متعلق ہو یا افعال سے اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ یا اسے مخفی رکھو یا کسی برائی کو معاف کر دو، تمہارے لیے اس سے مواخذہ کا حق ہے اور یہی اصل مقصود ہے ظاہر کرنا یا چھپانا اس کی تمہید اور بمنزلہ مقدمہ کے ہے اس لیے اُس پر فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا کو مرتب فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے، اسے شرط کے جواب میں وارد کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عمدہ عمل یہی ہے کہ بندہ کو بدلہ لینے کی قدرت ہو تب بھی معاف کر دے۔ یعنی اللہ تعالیٰ باوجودیکہ بہت بڑی قدرت رکھتا ہے کہ بندوں سے ان کے گناہوں پر مواخذہ کر سکتا ہے تاہم انہیں معاف کر دیتا ہے پس تمہیں بھی چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے طریقے پر عمل کرو۔

مسئلہ: اس میں مظلوم کو ترغیب ہے کہ باوجودیکہ اسے ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن اسے معاف کر دینا بہت اچھا ہے۔ اس میں مکارمِ اخلاق کی عادت ڈالنے کی ترغیب و تحریص ہے۔

ف: سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ ظالم سے بدلہ لینے میں تنہائی نہ ہونی چاہیے بلکہ اسے معاف کر کے اللہ تعالیٰ کو اپنا حامی و مددگار بنا لینا چاہیے ؎

صولت انتقام از مردم دولت مہتری کند باطل
از رہِ انتقام یکسو شو تا نمانی بمہتری عاطل

ترجمہ: لوگوں سے انتقام کا غلبہ سرداری کی دولت کو بیکار کر دیتا ہے، انتقام کے پروگرام سے ہٹ جا تاکہ تُو سرداری سے معطل نہ ہو جائے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کسی کے قبائح و فضائح کا اظہار پسند نہیں فرماتا۔ ہاں اس ظالم کے قبائح و فضائح کا اظہار جائز ہے جس کا ضرر اور دجل اور مکر و فریب حد سے بڑھ جائے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اذکروا الفاسق بما فیہ کی یحذرہ الناس۔ فاسق کے فسق کو ظاہر کرو تاکہ دوسرے لوگ اس کے شر و فساد سے بچ جائیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

تین ایسے اشخاص ہیں کہ اُن کی غیبت[1] جائز ہے:

(۱) امام (یعنی حاکم ظالم)

---

[1] غیبت کی تحقیق و مسائل اور مذمت وغیرہ کے لیے فقیر کے رسالہ "صیانۃ اللسان" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

(۲) کُھلم کھلا فسق و فجور کا عادی

(۳) بدعت (سیئہ) کا مرتکب جو لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

ف: اکثر برائیاں زبان سے سرزد ہوتی ہیں اگرچہ زبان گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے لیکن اکثر و بیشتر گناہ و جرم اسی سے سرزد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

البلاء موکل بالمنطق۔ (بلاء کا نزول بولنے پر موقوف ہے)

حکایت ایک روز ابن السکیت متوکل (خلیفۂ وقت) کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو وہاں سے معتز باللہ و مؤید باللہ (متوکل کے دونوں بیٹوں) کا گزر ہوا تو ابن السکیت سے متوکل نے پوچھا بتائیے تمہیں میرے یہ دونوں لڑکے محبوب یا حضرت حسن و حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)؟ ابن السکیت نے برجستہ کہا: واللہ! میرے ہاں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا غلام قنبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیرے ان دونوں لڑکوں سے کہیں زیادہ محبوب ہے وہ ان دونوں سے بدرجہا افضل و اعلیٰ تھا، بلکہ تجھ سے بھی۔ متوکل نے حکم دیا کہ اس (ابن السکیت) کی زبان گدّی سے کھینچ لی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اسی وقت انتقال فرما گئے۔

اعجوبہ اس واقعہ سے چند لمحات پہلے ابن السکیت جو معتز و مؤید دونوں کا استاد تھا، نے پڑھاتے وقت دونوں کو یہ قطعہ سنایا: ؎

یصاب الفتی من عثرۃ بلسانہ	ولیس یصاب المرء من عثرۃ الرجل
فعثرتہ فی القول تذھب راسہ	فی عثرتہ فی الرجل تبرأ علی مھل

ترجمہ: انسان زبان کی لغزش میں گرفتار ہوتا ہے پاؤں کی لغزش سے اتنی مصیبت نہیں پاتا بلکہ زبان کی لغزش سے بسا اوقات سر کٹ جاتا ہے اور پاؤں کی لغزش پر چند ساعات کے بعد صحت مل جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱)	ایں زباں چوں سنگ و ہم آہن وشست	و آنچہ بجہد از زبان چوں آتشست
(۲)	سنگ و آہن را مزن برہم گزاف	گہ ز روئے نقل و گہ از روئے لاف
(۳)	زانکہ تاریکست و ہر سُو پنبہ زار	درمیاں پنبہ چوں باشد شرار
(۴)	عالمے را یک سخن ویراں کند	روبہانِ مردہ را شیراں کند

ترجمہ: (۱) یہ زبان پتھر اور لوہے کی طرح ہے وہ چیز زبان سے نکل جائے آگ کی طرح ہے۔

(۲) پتھر اور لوہے کو از روئے مذاق بھی نہ ٹکرا۔ نہ از روئے نقل صحیح ہے نہ از روئے مذاق۔

(۳) اس لیے کہ ہر سُو تاریکی اور رُوئی بکثرت ہے تیری یہ حرکت چنگاری کا کام کر جائیگی۔

(۴) تمام جہان کو صرف ایک بات ویران کر جاتی ہے، لومڑیوں کو شیر بنا دیتی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عوام سے زبان پر برائی لانے کو اور خواص سے نفس سے بات کرنے کو اور اخص الخواص کو دل پر خیال بھٹکنے کو پسند نہیں کرتا، ہاں وُہ مظلوم جو معاصی کے اسباب بشریہ کا بلا اختیار شکار یا اضطراراً کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ دوسری تقریر یُوں بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسرارِ ربُوبیت اور مواہب الوہیت کے بھید کو ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتا، ہاں کوئی غلبات احوال سے یا جلال وجمال کے پیالوں کے حملوں سے عاجز ہو کر مجبوراً کوئی راز ظاہر کر دے تو حرج نہیں کہ وہ بقاء والی زبان سے بول رہا ہے نہ کہ فانی زبان سے، جبکہ اس کے منہ سے نکلتا ہے انا الحق سبحانی۔ وکان اللہ اور اللہ تعالیٰ ازل سے اُن کے حال کے اظہار سے پہلے ہی اُن کی باتوں کو سُننا اور ان کے احوال کو پورے طور جانتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ان تبدوا یعنی وہ اسرار جو الطافِ حق سے ہیں اُن پر منکشف ہُوئے حق سے آگاہی اور اس سے افادہ کے طور اگر ظاہر کرو آفاتِ شوائب سے اپنے نفوس کو بچانے اور مشارب میں دُور ہٹ جانے کے خطرہ سے چھپاؤ یا جس طرف تمہیں تمہارے نفوسِ امارہ برائی کی طرف بلاتے ہیں ان برائیوں سے چشم بند کر لو، یا جن رازوں کو اللہ تعالیٰ نے چھپانے اور ظاہر کرنے کو برابر کہا ہے انہیں چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے تو تمہارا معاف کرنا بھی اس کے طریقہ پر چلنے کی وجہ سے ہوگا اور تم اس کے اوصاف سے موصوف ہو جاؤ گے یا یہ معنیٰ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کیا کہ تمہیں رسوائی والے گروہ سے بچا لیا یہاں تک کہ تم ماسوا سے دُور ہونے والے ہو گے حالانکہ وہ تمہارے رُسوا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے کہ تمہیں ذرہ برابر بھی معاف نہ کرے جبکہ تم اُس کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہو اس لیے کہ انسان فطرۃً ظلم کرنے والا اور ناشکرا ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں یعنی رسل کے کفر کرنے پر انہیں مذہب مجبور کرتا ہے اور اُن پر اُن کی یہی رائے پختہ ہو چکی ہے نہ یہ کہ وہ اُن سے اس کفر کی تصریح کرتے ہیں چنانچہ

اس طرف اشارہ ہے کہ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ اور ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے مابین فرق ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کو تو مانتے ہیں لیکن اُس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ایسا صراحۃً نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کو تو ظاہر کریں اور رسولوں سے کُھلّم کُھلّا انکار کریں بلکہ بطریق التزام کے اُن سے ایسے ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے اور بعض سے انکار کرتے ہیں جیسے یہودیوں نے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ اور عزیر علیہ السلام کو مانتے ہیں ان کے ماسوا کسی کو نہیں مانتے یہی کفر باللہ ورسلہ ہے اور اس کو تفریق باللہ والرسل کہا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا فرض فرمایا ہے کیونکہ ہر نبی اور پیغمبر علیہ السلام نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی اپنی اُمت کے حق ہونے کی خبر دی۔

مسئلہ: کسی ایک نبی (علیہ السلام) کو نہ ماننا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو نہ ماننے کے برابر ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے کے مترادف ہے اس لیے کہ ان سب کو فرداً فرداً ماننا فرض ہے۔

وَيُرِيدُونَ اور وہ اپنی اس بات سے ارادہ رکھتے ہیں کہ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا وہ اس کے مابین یعنی ایمان و کفر کے درمیان میں کوئی راستہ بنالیں۔ یاد رہے کہ سبیلا سے مراد سبب ہے نہ کہ حق و باطل کے درمیان کوئی واسطہ، اس لیے کہ حق ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس میں مختلف ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی تکمیل کا دارومدار رسل کرام علیہم السلام پر ایمان لانے اور اُن کی تصدیق کرنے پر ہے کہ انہوں نے احکامِ الٰہی مخلوقِ خدا کو پہنچا دیئے اجمالاً بھی تفصیلاً بھی۔

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام میں بعض سے کفر کرنا سب سے کفر کرنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فماذا بعد الحق الا الضلال۔

أُولَٰئِكَ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اوصاف مذکورہ قبیحہ ہیں هُمُ الْكَافِرُونَ یہی پورے کافر ہیں، اگرچہ وہ اپنے آپ کو اہلِ حق سمجھتے اور مومن ہونے کے مدعی ہیں یہ سب بیکار ہے حَقًّا یقیناً، یہ مصدر ہے اور سابقہ جملہ کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے یعنی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ یقیناً کفر میں یکتا ہیں یا یہ کافرین کے کفر کی صفت ہے یعنی جنہوں نے کفر کیا تو یقین مانو کہ واقعی انہوں نے کفر کیا اس میں کسی قسم کا شک نہیں وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا اور ہم نے کافرین کو رسوائی میں ڈالنے والا عذاب تیار کیا ہے جسے وہ عنقریب چکھیں گے جب اُن پر نازل ہوگا اس میں وہ دائمی طور پر ذلیل و خوار ہوں گے۔

ربط : کفار کی وعید بیان کرنے کے بعد اب مومنین سے وعدہ کا بیان فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اور وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، جیسے کافروں کا طریقہ ہے۔

سوال : بین کے لفظ کو احد پر کیوں داخل کیا گیا۔

جواب : احد کے عموم میں تاکید مطلوب ہے قاعدہ ہے کہ جب وہ نفی میں واقع ہو تو اس سے علی الاطلاق عموم مراد ہوتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ نہ دو کے درمیان فرق کرتے ہیں اور نہ بہت ہیں۔ یعنی وہ سب کو مانتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی بہت بڑی تعریفیں مذکور ہوئیں سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ عنقریب انھیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا اُجُوْرَهُمْ ان کے ثواب جو اُن سے وعدہ فرمایا۔

سوال : اُن کے ثواب کو اَجر سے کیوں تعبیر فرمایا ہے ؟

جواب : وہ لوگ جس ثواب کے مستحق ہوئے ہیں وہ بمنزلہ اجر کے ہے کہ انہیں اعمال کا بدلہ اور عوض نصیب ہوا ہے اور لفظ (سوف) اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے وعدہ کی تاکید ہے یعنی وہی وعدہ کہ جو عمل کیے ہیں ان کا اجر و ثواب عطا فرمائیگا نیز یہ بھی انہیں یقین ہو جائے کہ جو وعدہ کیا گیا وہ ہو کر رہے گا اگرچہ دیر سے ہی وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے اُن کی زیادتیوں کو جو اُن سے سرزد ہوئیں رَّحِيْمًا ان پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے کہ اُن کی نیکیوں پر انہیں کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ انسان اپنے خیال پر اپنے آپ کو مومن کہتا ہے ضروری نہیں کہ وہ اس اپنے خیال پر مومن بھی ہو بلکہ مومن بننے کے لیے چند شرائط ہیں۔ اگر وہ کسی کو حاصل ہوں پھر ان کا نتیجہ بھی اُسے نصیب ہو تو پھر سمجھ لو کہ وُہ مومن ہے۔ منجملہ ایمان کے نتائج سے ایک یہ ہے جو آیت ثانیہ میں مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہ کی جائے یعنی بعض کو مانے اور بعض کو نہ مانے، اور انہی نتائج سے قبولیت منجانب اللہ تعالیٰ ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے نیز یہ بھی ایمان کے نتائج میں شامل ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ جزا بھی عطا فرمائے۔

ف : جو ازلی نور کے چھینٹے سے محروم رہا وہی تا قیامت حقیقی کفر میں مبتلا رہے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر میں حقاً فرمایا ہے اور جسے اِس ازلی نور کے چھینٹے سے نصیب ہوا تو وہی حقیقی مومن ہے یہی وجہ ہے کہ کافر کو ایمانی باتیں بے سُود ہیں، نہ ہی وہ مومن کے ایمان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : سہ

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
دگر ناخدا جامہ بر تن زند

ترجمہ: قضائے الٰہی جہاں چاہتی ہے کشتی کو لے جاتی ہے اگرچہ اس کے خلاف کشتی بان کپڑے پھاڑ ڈالے۔

حکایت ایک نوجوان نہایت حسین وجمیل تھا اس کا حلقۂ احباب بھی وسیع تھا اور تمام کے تمام کھاتے پیتے اور لذت اور عیش وعشرت میں یکتا تھے درہم ودینار کی کچھ پروا نہ تھی۔ ایک دن سب نے یہ ٹھانی کہ کل کہیں ڈاکہ ڈالیں، ایک راستہ میں بیٹھ گئے۔ تین دن متواتر انتظار کرتے رہے نہ کوئی قافلہ آیا نہ وُہ ڈاکہ ڈال سکے۔ اس نوجوان سے ایک بوڑھا ملا اور اس نوجوان سے فرمایا: اے عزیز! ڈاکہ زنی تیرے شایانِ شان نہیں، اللہ تعالیٰ سے استغفار کر اور اس بُرے فعل سے توبہ کر کے میرے ہاں آجا، میں جامع سید بخاری شہر بروسہ میں رہتا ہُوں اگر مجھے ملنا چاہو تو میں وہاں جامع مسجد میں قرآن پڑھ رہا ہُوں گا۔ بوڑھے بابے کا کلام پُرتاثیر تھا اس لیے اس نوجوان پر اثر کر گیا۔ اس نوجوان نے اپنے احباب سے مشورہ کیا کہ شہر بروسہ میں چلیں وہاں بڑے تاجر رہتے ہیں ان میں سے کسی کو لُوٹ کر اپنا مقصد پُورا کریں گے۔ اس نوجوان کا مشورہ اس کے تمام ساتھیوں نے قبول کر لیا اور بروسہ کی طرف چل پڑے۔ جب وہاں پہنچے تو اس نوجوان نے کہا پہلے جامع مسجد بخاری میں چلیں وہاں نماز پڑھیں اور اپنی کامیابی کے لیے دُعا مانگیں۔ جب جامع مسجد پہنچے تو دیکھا وہی بوڑھا بابا قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ وہ نوجوان بوڑھے بابا کو دیکھتے ہی اس کے قدموں پر گر پڑا اور تائب ہو کر اس کے ہاں رہنے لگا۔ دو سال اس کے پاس رہا۔ اس کے بعد اس بوڑھے نے اس نوجوان کو شیخ شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھیج دیا۔ انہوں نے اس کی بہترین تربیت کر کے اسے کامل مومن بنا دیا جبکہ پہلے وہ فاسق وفاجر اور ڈاکو تھا۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے لیکن یہ سب کچھ اس کریم کی عنایت پر موقوف ہے جس کے لیے جیسے چاہے جس قدر چاہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت یافتہ لوگوں سے بنا آمین یا معین۔

تفسیر صُوفیانہ ایمان اور توحید ہی اصل الاصول ہیں وہ اگرچہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھٹتا بڑھتا نہیں۔ لیکن اس کا نور طاعت سے بڑھتا اور گناہوں سے گھٹتا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ احکامِ شریعت اور آدابِ طریقت کی نگہداشت کرے تاکہ اس کی روحانیت کو تروتازگی نصیب ہو۔ انوار طاعات روحانیت کی غذا ہیں جیسے جسم کو غذا کی ضرورت پڑتی ہے ایسے ہی روحانیت کو بھی نورِ توحید اور ذکرِ الٰہی کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑا ہے اور یہی عمدہ ترین عمل ہے اور باطن کی طہارت اور صفائی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت جنید سیدالطائفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہر ایک شے کے علیحدہ علیحدہ آداب ہیں اور نورِ الٰہیہ کا ادب طہارۃ القلب میں ہے۔ اور ظاہر کے آداب اعضاء کو گناہوں سے پاک کرنا ضروری ہے۔ سالک کے لیے لازم و لابد ہے کہ وہ شرور سے دور رہے اور اللہ تعالیٰ مالک و غفور پر ایمان لائے تاکہ دارِ حضور میں دائمی سرور اور کامل اجر نصیب ہوگا۔
صائب۔ نے فرمایا: ؎

از زاہداں خشک رسائی طمع مدار
سیل ضعیف واصل دریا نمی شود

سبق: طریقِ حق میں عشق کا ہونا ضروری ہے تاکہ طالبِ حق کو رازِ مطلق تک رسائی نصیب ہو اور خیالی باتیں بیکار ہیں کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی ایسے ہی عشق[1] کے بغیر رازِ مطلق کا حصول مشکل ہے ایسے ہی حضرت بی بی رابعہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

---

[1] عشق کیا ہے ذرا غور سے سُنیے۔ عشق کی ۲ دو قسمیں ہیں: ایک ازلی ایک عطائی۔ پھر ہر دو کی دو دو قسمیں، ایک محمود ایک مذموم۔ ازلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مولوی غلام رسول صاحب کوٹلہ عالم پوری نے فرمایا: ؎

عشق کرم دا قطرہ ازلی تیں مَیں دے دُس ناہیں
اِکناں لبھدیاں عُمر گوائی اِکناں دی وِچ راہیں

اور مرزا غالب نے بھی یہی کہا: ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

اور عطائی عشق کے متعلق حضرت ڈاکٹر اقبال نے فرمایا: ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ شیخ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

یہ عشق بزرگوں کی نظرِ کرم سے ملتا ہے اور نظرِ قہر سے عشق مذموم، جیسا کہ شیخ صنعان کو جس نے چرائے پر سرکار غوثِ الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے ادبی سے پیدا ہوا پھر انہی کی نظرِ کرم سے دفع ہوگیا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ

سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا

مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ

اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ

طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ

وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ

عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ

لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ

بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○
لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ
الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ ع

ترجمہ: اے محبوب اہلِ کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دو تو وہ تو موسٰی سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو اعلانیہ دکھا دو تو انہیں کڑک نے آلیا ان کے گناہوں پر پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آیتیں آچکیں تو ہم نے یہ معاف فرما دیا اور ہم نے موسٰی کو روشن غلبہ دیا پھر ہم نے ان پر طُور کو اونچا کیا ان سے عہد لینے کو اور اُن سے فرمایا کہ دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو اور اُن سے فرمایا کہ ہفتہ میں حد سے نہ بڑھو اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا تو ان کی کیسی بد عہدیوں کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور اس لیے کہ وہ آیاتِ الٰہی کے منکر ہوئے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے اور ان کے اس کہنے پر کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے اور اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بڑا بہتان اٹھایا اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسٰی بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا اور ہے یہ کہ انہوں نے نہ اُسے قتل کیا اور نہ اُسے سُولی دی بلکہ ان کیلئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا اور وہ جو اس کے بارہ میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شُبہ میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی، اور بیشک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے، کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا تو یہودیوں کے بڑے ظلم کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں کہ ان کے لیے حلال تھیں ان پر حرام فرما دیں اور اس لیے کہ انہوں نے بہتوں کو اللہ کی راہ سے روکا اور اس لیے کہ

وُہ سُود لیتے حالانکہ وُہ اس سے منع کیے گئے تھے اور لوگوں کا مال ناحق کھاجاتے اور ان میں جو کافر ہوئے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ہاں جو ان میں علم میں پکّے ایمان والے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اترا اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے، ایسوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے۔

تفسیر عالمانہ يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

آپ سے اہلِ کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کتاب لائیں۔

شانِ نزول یہ آیت یہودیوں کے علماء کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ ہمارے لیے آسمان سے کتاب لائیں جیسے موسٰے علیہ السلام آسمان سے کتاب لائے تھے۔ بعض نے کہا کہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ جو تختیوں پر آسمانی خط سے لکھا ہوا ہو جیسے توراۃ تھی ایسے ہی آپ کتاب لائیے اس پر یہ آیت اُتری فَقَدْ سَأَلُوْا مُوْسٰى أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ پس بیشک انہوں نے موسٰی علیہ السلام سے اس سے بھی بھاری سوال کیا تھا۔ یہ شرط مقدر کا جواب ہے یعنی اگر آپ اُن کے سوال کو بُرا سمجھ رہے ہیں حالانکہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے اُن کی اُمّت نے بہت بڑا سوال کیا تھا۔

سوال: یہ سوال تو موجودہ یہودیوں کے اسلاف نے کیا تھا تو پھر موجودہ یہودیوں کو زجر و توبیخ کیوں؟

جواب: چونکہ یہ اپنے اس کارنامے پر راضی تھے اور ان کی اقتداء میں کوشاں رہتے۔ جو کچھ انہوں نے عمل کیے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے اور جو کام انہوں نے نہ کیے ان سے دُور رہتے اس لیے اس سوال کا اسناد اُن کی طرف کیا۔

اب معنی یہ ہوا کہ انہیں ایسے سوالات میں خصوصی شغف ہے اور ان کا یہ پہلا سوال نہیں بلکہ اس بُری عادت کے پُرانے عادی ہیں۔

فَقَالُوْٓا پس انہوں نے کہا۔ یہ فاء تفسیریہ ہے **أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً** ہمیں اپنا خدا اکھلّم کھلّا دکھا۔ جہر دراصل حاسّۂ سمع کے لیے آواز کے ظہور کو کہتے ہیں پھر بطور استعارہ حاسّۂ بصر کے لیے ظہور مرئی کو کہا جاتا ہے اور اس کا منصوب ہونا علی المصدریہ (مفعول مطلق کے طور) ہے اس لیے معائنہ بھی رؤیت کی ایک قسم ہے۔

ف: یہ سائلین وہ ستّر نقباء تھے جو حضرت موسٰی علیہ السلام کے ساتھ تھے انہوں نے پہاڑ پر یہ سوال

کیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے تو انہوں نے سوال کردیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایسے کھلم کھلا دیکھنا چاہتے ہیں جیسا کہ دنیا میں دیگر اشیاء کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ پس انہیں صاعقہ نے گھیر لیا۔ صاعقہ وہ آگ ہے جو آسمان سے اُتر کر ان کو جلا گئی بِظُلْمِهِمْ اُن کے ظلم کی وجہ سے، یعنی بسبب اُن کے ظلم کے۔ وہ یہ کہ سرکشی کرکے ایسا سوال کردیا جو اُن کے حال کی مناسبت سے قطعاً محال تھا۔

مسئلہ: اس سے مطلقاً رؤیت باری تعالیٰ کا امتناع ثابت نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ارنا اللہ جھرۃ الخ سے ان کا یہ مطالبہ نہ تو بطریق تعظیم کے تھا اور نہ ہی بوجہ تصدیق کے اور نہ ہی اشتیاق کے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی جُدائی کے درد سے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجر و فراق کی وجہ سے عرض کیا تھا:

رب ارنی انظر الیک۔

لن ترانی کا جواب سُن کر موسیٰ علیہ السلام کا بیہوش ہو جانا اسی قبیل سے تھا اور وہ بھی قوم کی نحوست کی وجہ سے اُن کی گستاخی اور بے ادبی کا ایک نشان یہی سوال تھا کہ جب وہ اپنے نبی علیہ السلام کی کیفیت دیکھ چکے تھے کہ دیدارِ الٰہی کی تاب نہ لاکر بیہوش ہو گئے تھے تو پھر دیدارِ الٰہی کا سوال کردیا ورنہ اس سے ان کے لیے نصیحت تھی کہ سوال ان کے لیے بے سُود ہے۔ نیک بخت وہ ہوتا ہے جو دوسرے کی کیفیت سے نصیحت پکڑے۔ انہوں نے ہٹ دھرمی کی اور سوال کر ہی دیا کہ جس سے انہیں ازلی بدبختی نے آگھیرا اور ان کے اس ظلم سے انہیں صاعقہ نے آدبوچا جبکہ وہ اس عہدہ کے اہل نہ تھے لیکن طمع کر بیٹھے کہ ہمیں دیدار کی باریابی سے عزت وعظمت نصیب ہو، اور جو طبعی طور پر کفر میں گھرا ہُوا ہو اُسے اگرچہ کھلم کھلا زیارتِ الٰہی نصیب ہو جائے تب بھی وہ کافر ہی رہے گا اور جو طبعی طور پر مومن ہو اور اُسے نورِ الٰہی کے چھینٹے نصیب ہوئے ہوں تو وُہ اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ اگرچہ اُن کی زیارت سے مشرف نہ ہو اور نہ ہی کتابِ الٰہی پڑھ سکا ہو اور معجزہ تو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جیسے سیّدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا تامل کہہ دیا:

اٰمنت وصدقت۔

اسی طرح ہمارے شیخ الشیوخ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال ہے کہ انہوں نے حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کبھی نہ کی اور نہ ہی کوئی معجزہ دیکھا لیکن ایمان لائے اور عاشق ایسے کہ جن کی نظیر مل

---

[۱] خر عیسےٰ اگر بمکہ رود چوں باز آید ہنوز خر باشد کی مثال ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ہی نہیں سکتی۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ پھر انہوں نے بچھڑے کو بنا یا خدا، یعنی اس کی پرستش کی اور اسے معبود بنالیا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بعد اُس کے کہ اُن کے پاس معجزات آئے یعنی وہ معجزات جو فرعون کے لیے ظاہر کیے گئے جیسے عصائے موسیٰ اور ید بیضا اور دریا کا پھٹ جانا وغیرہ وغیرہ نہ کہ توراۃ اس لیے کہ وہ اس وقت ابھی نازل نہیں ہوئی تھی یہ ان کی دوسری غلطی ہے جو ان کے آبائے سرزد ہوئی فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ پس ہم نے اس سے معاف کر دیا۔ یعنی ہم نے ان کی توبہ کے بعد انہیں معاف کر دیا اگرچہ ان کا گناہ اور جرم بہت بڑا تھا باوجودیکہ وہ اس لائق تھے کہ ہم ان کی جڑیں کاٹ دیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں انہیں توبہ کرنے کا موقعہ دیا گیا ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے بہت بڑا جرم کرکے توبہ کر لی پھر ہم نے انہیں معاف کر دیا تم بھی توبہ کرو تاکہ ہم تمہیں معاف کر دیں۔

مسئلہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی مغفرت کا کوئی کنارہ نہیں اور اس کی نعمتوں اور احسانات کا کوئی شمار نہیں۔ کسی کا کوئی گناہ اس کی مغفرت کو روک نہیں سکتا۔

مسئلہ: اس میں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی سے روکا گیا ہے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بیّن دلیل عطا فرمائی یعنی انہیں کفار پر تسلط اور بہت بڑا اور کھلم کھلا غلبہ عنایت فرمایا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کی خاطر انھیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا اس کے بعد وہ اپنے گھروں کے صحنوں میں چھپ رہے تھے اور اس پر تلواریں برس رہی تھیں۔ اُس سے اور بہت بڑا غلبہ اور کیا ہوگا وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ اور ہم نے ان کے اوپر ان کے وعدہ پر (طور) پہاڑ اٹھا لیا یہ بائے سببیہ ہے اور رَفَعْنَا کے متعلق ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ چونکہ انہوں نے دین قبول کرکے اس پر پختہ رہنے کا وعدہ کر لیا اس لیے ہم نے پہاڑ اٹھا لیا۔

رفعِ طور کا واقعہ مروی ہے کہ حب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس تورات لائے تو انہوں نے اس میں بہت مشکل سے مشکل مسائل دیکھے تو انہیں ناگوار گزرا تو توراۃ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر کھڑا کر دیں۔ اس پر انہوں نے کہا ہم موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کرتے ہیں۔ ان کے اس وعدہ پر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اب یہ پہاڑ اُن سے ہٹا لو۔ اس کے بعد وہ پہاڑ اُن سے ہٹ گیا۔

وَقُلْنَا لَهُمُ اور ہم نے انہیں کہا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا جبکہ ابھی پہاڑ ان کے سروں پر تھا اُدْخُلُوا الْبَابَ دروازہ میں داخل ہو جاؤ یعنی بستی کے دروازہ میں۔ اس سے اریحا کی بستی مراد ہے۔

بستی میں داخلہ کا قصہ مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اریحا میں یا اس قبہ میں داخل ہوئے جس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے، یعنی مطمئن ہو کر اور سر جھکا کر اس شکر گزاری میں کہ انھیں جنگل میں بھٹکنے سے بچا لیا۔ پھر داخل تو ہوئے لیکن چوتڑوں پر گھسیٹ مار کر اور جس کا انہیں حکم ہوا تھا اس کے برعکس کہتے **وَقُلْنَا لَهُمْ** اور ہم نے انہیں داؤد علیہ السلام کی زبان سے فرمایا **لَا تَعْدُوْا** کہ مچھلی کا شکار کرکے حد سے نہ بڑھو۔ لا تعدوا کی گردان یوں ہوگی عدا یعدو عدوا وعدا وعدوانا بمعنیٰ ظَلَمَ وجاوز الحدّ بمعنیٰ ظلم کیا اور حد سے تجاوز کیا۔ لا تعدوا در اصل لا تعدووا (دو واؤ کے ساتھ) پہلی واؤ لام کلمہ کی ہے اور دوسری واؤ فاعل کی ضمیر ہے۔ قانون صرفی جاری کرنے کے بعد بروزن یَعفُوا بنا **فِي السَّبْتِ** ہفتہ کے دن میں اس لیے کہ ہفتہ کا دن عبادت کے لیے مخصوص تھا لیکن بعض بدبخت عبادت ترک کرکے مچھلی کے شکار میں مصروف ہو گئے **وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ** اور ہم نے ان سے لیا یعنی جس پر انہیں مکلف بنایا گیا تو ان سے فرمانبرداری کا **مِيْثَاقًا غَلِيْظًا** مضبوط اور سخت وعدہ لیا، اُن کا وعدہ یہ تھا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن سے یُوں وعدہ لیا گیا کہ اگر انہوں نے دین سے روگردانی کی تو انہیں اللہ تعالیٰ جیسے چاہے گا عذاب میں مبتلا کرے گا **فَبِمَا** اس میں لفظ ما تاکید کے لیے زائدہ ہے **نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ** پس ان کے وعدہ توڑنے کی وجہ سے ہم نے بھی ان سے کیا جو کرنا تھا یعنی لعنت اور مسخ اور دیگر وہ سزائیں جن میں انھیں مبتلا کیا گیا۔ اسی طرح ان کے پسماندگان کی سزائیں۔ فبما کی باء فعل محذوف سے متعلق ہے **وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** اور ان کے آیات اللہ سے کفر کی وجہ سے۔

ف : آیات اللہ سے قرآن مجید مراد ہے جو کچھ ان کی کتابوں کے احکام تھے اور وہ کتابیں جو ان کے ہاں موجود تھیں۔

وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور اُن کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کرنے کی وجہ سے جیسے انہوں نے حضرت ذکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو شہید کر ڈالا **وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** اور ان کا کہنا کہ ہمارے قلوب پردوں میں ہیں غُلف اغلف کی جمع ہے یعنی وہ دل جبلی طور پر پردوں سے ڈھانپے گئے ہیں۔ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنے احکام لائے ہیں اُن پر اثر انداز نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ ان کے ارشادات کو سمجھتے ہیں۔ یا وہ غُلُف بضم الغین سے مخفف ہے اور غلاف کی جمع ہے یعنی ہمارے قلوب علوم کے وسیع برتن ہیں اُن کے اندر علوم کی اتنی فراوانی ہے کہ انہیں غیر کے

علم کی حاجت نہیں **بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ** بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، یہ کلام معطوف و معطوف علیہ کے درمیان بطور جملہ معترضہ کے ہے علی وجہ الاستطراد، یعنی ان کے ظن فاسد کی تردید کے لیے لایا گیا ہے کہ اُن کا کفر اور ان کے دلوں پر حق کا نہ پہنچنا اس لیے نہیں کہ اُن کے دل محفوظ ہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مُہر لگائی ہے **فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا** پس ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے، جیسے عبداللہ بن سلام اور ان جیسے اور، یا اُن کا ایمان لانا تھوڑی باتوں پر ہے اس لیے ان کا ایمان لانا غیر معتبر ہے کیونکہ ان کا ایمان ناقص ہے جبکہ وہ بعض رسولوں اور بعض کتابوں پر ایمان لائے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں یا یہ کہ ان کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ انہیں مومن کہا جائے بلکہ وُہ تو یقیناً کافر ہیں۔

مسئلہ: عہد توڑنا خالق کی ناراضگی کا سبب ہے۔

سبق: مومن کے لیے ضروری ہے کہ عہد و میثاق کے احکام کی پابندی کرے تاکہ بلاؤں سے بچ جائے۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے مہاجرین حضرات! پانچ عادتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم انہیں نہ پا سکو:

(۱) فاحشہ (زنا) جس قوم میں عام ہو کر کھلم کھلا ہو جائے تو وہ طاعون اور ایسے مصائب میں مبتلا ہو جائینگے کہ اُن کے اسلاف نے نہ سُنے ہوں گے اور نہ دیکھے ہوں گے۔

(۲) کم تولنا اور کم بھرنا جس قوم کی عادت ہو جائے وہ تنگ دستی اور پریشان حالی میں مبتلا ہو جائے گی اور اس پر حاکم ظالم مسلّط ہو جائیں گے۔

(۳) زکوٰۃ نہ دینا جس قوم کی عادت ہو تو آسمان سے بارش بند ہو جاتی ہے۔ اگر جانور نہ ہوں تو ایک بوند بھی نہ برسے۔

(۴) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی سے غیر قوم کے دشمن مسلّط ہو جاتے ہیں اور اُن سے اُن کے مقبوضہ مال و دولت اور ملک چھین لیں گے۔

(۵) جس ملک کے حکّام اللہ تعالیٰ کے احکام کا اجراء نہ کریں اور ان سے رُوگردانی کریں تو وہ آپس میں لڑ مریں گے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) سوئے لطف بے وفایان ہین مرو   کان پل ویران بود نیکو شنو

(۲) نقضِ میثاق و عہود از بندگیست حفظِ ایمان و وفا کا تقیست
(۳) جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت کے تواند صید دولت زد گریخت

ترجمہ : (۱) بے وفاؤں کے لطف وکرم کی طرف نہ جا کیونکہ یہ پُل ویران ہے اچھی طرح سُن لے۔

(۲) نقضِ میثاق و عہد نااہل بندوں کا کام ہے ایمان و وفا کی حفاظت پرہیزگاروں کا کام ہے۔

(۳) خاک وفا پر پانی کا گھونٹ جس نے ڈالا تو پھر اس سے دولت کا شکار ترہا گے گا۔

وَبِكُفْرِهِمْ اور ان کے کفر کی وجہ سے، اس کا عطف قولهم پر ہے یعنی ہم نے یہودیوں کو مختلف سزائیں بسبب فلاں فلاں عمل اور بسبب ان کے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے کفر کرنے کے بھی،
وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا اور ان کا حضرت بی بی مریم علی نبینا وعلیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے کہ اُن پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی۔ بهتانا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے قال شعرا، یا یہ مفعول مطلق نوعی جلست جلسۃ کی طرح ہے اس لیے کہ قول کبھی بہتان ہوتا ہے اور کبھی غیر بہتان وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ اور ان کے کہنے کی وجہ سے جبکہ کہا کہ ہم نے حضرت عیسٰی ابن مریم اللہ تعالیٰ کے رسول کو قتل کر دیا

سوال : یہود تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رسالت کے قائل نہیں تھے یہاں پر ان کے مقولے میں عیسٰی علیہ السلام کو رسول اللہ کیسے کہا گیا؟

جواب : اُن کا عیسٰی علیہ السلام کو قتل کر کے رسول اللہ کہنا استہزاءً تھا۔ جیسا قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ہے:

یاایہا الذی نزل علیہ الذکر۔

یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار نے کیا۔ اس خطاب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الذی نزل علیہ الذکر سے موصوف کرنا استہزاءً ہے، ورنہ جب وہ عیسٰی علیہ السلام سے سخت بغض وعداوت رکھتے تھے اور انہیں قتل کر دینے کے مدعی تھے تو پھر انہیں رسول اللہ کہنے کا کیا معنٰی!

سوال : جب ان کا عیسٰی علیہ السلام کے لیے قتل کا دعویٰ ہی کفر تھا تو پھر قولهم کے اضافہ سے کیا فائدہ۔
جواب : چونکہ وہ اس قول سے بہت مسرور و مفروح تھے اس بناء پر ان کا یہ قول بھی ایک علیحدہ کفر ہوا علاوہ اُن کے دعویٰ قتل اور عیسٰی علیہ السلام سے استہزاء کے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور نہ ہی انہیں قتل کیا اور نہ ہی انہیں سُولی پہ چڑھایا لیکن انہیں تشابہ ہُوا کہ نہ معلوم قتل ہونے والے عیسٰی علیہ السلام تھے یا ان کا اپنا آدمی ۔ شُبِّهَ کا اسناد لَهُمْ کی طرف ہے ۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے ، خیل الیہ اور لبس علیہ ۔

واقعہ قتلِ عیسٰی اور یہودیوں کا التباس

مروی ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو غلیظ گالیاں دیں ۔ مثلاً کہا کہ وہ ساحر اور ابن الساحرہ ہیں (یعنی جادوگر اور جادوگرنی کے بیٹے) اور کہا کہ وہ زانی اور زانیہ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس میں گویا حضرت عیسٰی علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ پر سخت بہتان باندھا ۔ جب عیسٰی علیہ السلام نے سُنا تو آپ نے ان پر بددعا فرمائی :

"اے اللہ تعالیٰ ! تُو میرا رب ہے اور میں تیری رُوح ، اور تُو نے مجھے اپنا کلمہ کہہ کر پیدا فرمایا اور میں ان کے پاس از خود نہیں بلکہ تیرے حکم سے آیا ہُوں ۔ اے اللہ ! اس پر لعنت فرما جو مجھے اور میری ماں کو گالی دیتا ہے ۔"

اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی کہ جن لوگوں نے عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ کو گالی دی ان کی شکلیں تبدیل کر دیں کہ بندر اور خنزیر بن بیٹھے ۔ جب ان کے سردار یہودا نے یہ کیفیت دیکھی تو اسے اپنے متعلق بھی خطرہ ہوا کہ کہیں اس کی شکل بھی تبدیل نہ ہو جائے ۔ تو سب نے اتفاق کیا کہ اب جس طرح بن پڑے ان کا (عیسٰی علیہ السلام کا) خاتمہ کر دیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیج کر تمام ماجرا سنایا اور فرمایا کہ عنقریب ہم آپ کو آسمان پر اٹھالیں گے ۔ آپ نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ تم میں کون میرا قائم مقام بننا چاہتا ہے تاکہ وہ میرا ہم شکل ہو کر قتل کیا جائے یا سُولی چڑھایا جائے پھر بہشت میں داخل ہو ۔ ان میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی یہ قربانی مَیں دیتا ہُوں ۔ چنانچہ وہ شخص عیسٰی علیہ السلام کا ہم شکل ہو گیا ۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور اس شخص یعنی عیسٰی علیہ السلام کے ہم شکل کو سُولی چڑھا کر اُسے شہید کر دیا ۔ **بعض** نے کہا ایک شخص حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ منافقت کرتا تھا اُس نے یہودیوں سے کہا کہ اگر تم عیسٰی علیہ السلام کو شہید کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں ان کی بیٹھک دکھاؤں ۔ جب وہ لوگ عیسٰی علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور وہ منافق عیسٰی علیہ السلام کا ہمشکل ہو گیا ۔ جب یہودی عیسٰی علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے ان کے گھر کے اندر داخل ہوئے تو عیسٰی علیہ السلام تو آسمان پر اُٹھا لیے گئے اور اسی شخص کو جو کہ عیسٰی علیہ السلام کا ہمشکل ہو گیا تھا انہوں نے اُسے قتل کر دیا اس گمان پر کہ شاید یہی عیسٰی علیہ السلام ہیں ۔

بعض نے کہا کہ ططیانوس یہودی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے گھر داخل ہُوا تاکہ انہیں شہید کرے ۔ لیکن جب وُہ اندر داخل ہُوا تو عیسٰی علیہ السلام موجود نہ تھے اللہ تعالیٰ نے اُسے عیسٰی علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا ۔ جب وُہ عیسٰی علیہ السلام کے گھر سے باہر نکلا تو دوسرے یہودیوں نے سمجھا کہ یہی عیسٰی علیہ السلام ہیں ۔ انہوں نے اسے پکڑ کر سُولی پر چڑھا دیا ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے خوارق عادات کا دورِ نبوت میں ظاہر ہونا کوئی بڑی بات نہیں ۔

ف : بہت سے متکلمین یُوں کہتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا ۔ پھر یہودیوں کے سرداروں کو خیال ہُوا کہ اس طرح سے تو عیسٰی علیہ السلام کے ماننے والے فتنہ برپا کر دینگے کہ وہ کہاں ہیں، اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے سُولی پر چڑھا کر اعلان کر دیا کہ ہم نے عیسٰی علیہ السلام کو شہید کر دیا، اور لوگوں نے محض عیسٰی علیہ السلام کا نام سُنا ہوا تھا اس مقتول کی پہچان نہ رکھتے تھے اور وہ خود بھی تنہائی میں رہتے تھے عوام سے روشناس نہیں تھے اس لیے شور برپا ہوا ۔ بعض کہتے کہ یہ وہی ہیں بعض کہتے نہیں یہ کوئی اور ہے وغیرہ وغیرہ ۔ اس سے وہ سوال اُٹھ گیا جو کہ کہا جاتا ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اور کوئی ان کا ہمشکل قتل کیا گیا تو اس طرح سفسطہ (بیوقوفی) کا دروازہ کھل جائیگا کہ ہر شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ جب مثلاً زید کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ زید حقیقی (اصلی) نہیں بلکہ اس کا ہم شکل ہے اس طرح سے نہ کسی کا نکاح ثابت ہوسکتا ہے نہ طلاق، اور نہ ہی دوسرے کاروبار پر اعتبار رہے گا۔

سوال : نصاریٰ اپنے اسلاف سے متواتراً نقل کر کے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو شہید شدہ دیکھا تو پھر اہلِ اسلام کو اُن کے شہید ہونے سے انکار کیوں ؟

جواب : ہر دَور کے آخری دَور کی روایت پر دار و مدار ہوتا ہے ۔ اگر آخری دور بھی تواتر کے نصاب پر پہنچے تو قابلِ اعتماد ہے ورنہ اسے تواتر کہنا بیکار ہے ۔ یہاں بھی یہی بات ہے کہ اہلِ کتاب کے آخری دور کے نقل کرنے والے نہایت قلیل ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے عیسٰی علیہ السلام کو شہید شدہ دیکھا ۔ اور قاعدہ ہے کہ قلیل افراد کی روایت متواتر نہیں بن سکتی اس لیے کہ ان میں کذب کا احتمال ہے[1] (اور قاعدہ ہے کہ اذا جاء

---

[1] یہ تمام مذاہب صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں ہمارے دَور میں مرزائی گروہ کا کہنا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں ان کی قبر کشمیر میں ہے ۔ فقیر نے ان کے رد میں "القول الفصیح" لکھی ہے ۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ جن روایات میں عیسٰی علیہ السلام کی قربِ قیامت میں واپسی کا آیا ہے اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

الاحتمال بطل الاستدلال) کذا فی تفسیر الامام الرازی ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے مراد یہ ہے کہ اُن کی سیرت پر ایک آدمی پیدا ہوگا وُہ عیسےٰ علیہ السلام کے اقوال وافعال کے مشابہ ہوگا اور وہ غلام احمد قادیانی ہی ہے (معاذ اللہ)

اس کے برعکس اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسےٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور زندہ ہی آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں ۔ یہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے ۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الاعلام" میں رقمطراز ہیں :

انہ یحکم بشرع نبینا و وردت بہ الاحادیث وانعقد علیہ الاجماع و قد تواتر الاحادیث بنزول عیسیٰ جسماً الخ

بے شک عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی علیہ السلام کی شریعت پاک کے احکام صادر فرمائیں گے اسی کے مطابق احادیث مبارکہ وارد ہیں اور اس پر اجماع منعقد ہو گیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر جسم کے ساتھ نزول کے عقیدہ کی احادیث متواترہ ہیں ۔

اسی طرح تفسیر فتح البیان جلد دوم ص ۳۴۴ ، تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۸۳ ، تفسیر زاہدی ص ۳ ، تفسیر حسینی ، تفسیر رؤفی ، معالم التنزیل ، خلاصۃ التفاسیر اور جلالین وغیرہم میں ہے ۔ ان کے علاوہ تمام علمائے دین وفقہائے شرع حنفیہ ، شافعیہ ، مالکیہ ، حنبلیہ کے بعد حق کو واضح کیا کہ :

بل دفعہ اللہ الیہ (بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا)

بلکہ ان (رحمہم اللہ) کا اتفاق ہے ، یہی تمام محدثین نے لکھا ۔ چنانچہ امام بخاری و مسلم و نسائی و ترمذی و طبرانی وغیرہ سب اس امر پر متفق ہیں ۔ حضرت ابن العربی ، جن کے مرزا قادیانی نے متعدد مقامات پر حوالے دیئے ہیں فتوحاتِ مکیہ جلد دوم ، باب ۷۳ ، ص ۴ میں لکھتے ہیں :

ان عیسیٰ علیہ السلام نبی و رسول انہ لاخلاف انہ ینزل فی اٰخر الزمان حکماً مقسطاً عدلاً الخ

بے شک عیسیٰ علیہ السلام نبی و رسول ہیں اور اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ وہ آخری زمانہ میں حاکم انصاف کنندہ اور عادل ہوں گے ، (امتی بن کر)

اسی طرح تمام صوفیائے کرام ، امام شعرانی ، سیدنا محی الدین الشیخ عبدالقادر ، داتا گنج بخش اور سیدنا معین الدین اجمیری رحمہم اللہ وغیرہم نے اپنی تصانیف و ملفوظات میں بیان فرمایا ۔ لیکن بخلاف مرزا قادیانی

(باقی برصفحہ ۲۳)

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اور وہ لوگ جو اس میں یعنی عیسٰے علیہ السلام کے متعلق اختلاف۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) کہ وہ کہتا ہے کہ "عیسٰی علیہ السلام اپنی طبعی موت مر کر سرینگر (کشمیر) میں مدفون ہیں"۔ فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس کے رد میں "القول الفصیح فی قبر المسیح" تحقیقاً لکھی ہے۔

اہلسنت کی دلیل از قرآن

اہلسنت نے اپنی دلیل وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ آیت قرآنی کے اس جملہ سے پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہودیوں کے رد میں فرمایا کہ عیسٰے علیہ السلام کو قتل نہیں کیا گیا۔ جبکہ وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم نے عیسٰے علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام کو سُولی پر نہیں چڑھایا گیا، جبکہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسٰے علیہ السلام کو ان کے گناہ بخشوانے کے لیے تین دن تک سُولی پر لٹکا یا گیا۔ اس سے مرزائیوں کا بھی ردّ ہو گیا کہ قتل اور صَلب (سُولی پہ لٹکانا) جسم عنصری پر ہُوا کرتا ہے نہ کہ رُوح پر۔ اس کے بعد عقیدہ تو واضح کیا کہ "بل رفعہ اللّٰہ الیہ" (بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا) اس میں واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ قتل وصَلب کی نفی ہے اس کا استدراک 'بل' کے لفظ سے ہے کیونکہ نحوی قاعدہ ہے کہ جس مفہوم کا استدراک لفظ بل سے ہوگا اس کا اثبات لفظ بل کے مابعد کا ہوگا۔ اب معنے یہ ہُوئے کہ عیسٰی علیہ السلام جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیے گئے۔

مزید برآں جو رفعہ اللہ الیہ واقع ہوا ہے یہ رفع سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے اُونچا کرنا، اوپر کو اٹھانا۔ چنانچہ سورۃ یوسف میں ہے:

ورفع ابویہ علی العرش۔ یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے ابوین کو تخت پر اونچا بٹھایا۔

اور سورۃ بقر میں ہے:

ورفعنا فوقکم الطور (اور ہم نے تمہارے اوپر (اے بنی اسرائیل) پہاڑ کو اونچا کیا)

اور حدیث شریف میں ہے:

رفع حجراً عن الطریق کتب لہ حسنۃ۔ — جو شخص لوگوں کی تکلیف دُور کرنے کے لیے راستے سے پتھر کو اٹھائے تو اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

رفع یدیہ فی الرکوع فلاصلوٰۃ لہ۔ — جو شخص اپنا ہاتھ رکوع میں اٹھائے اس کی نماز نہیں۔

(باقی بر صفحہ ۲۴)

کرتے ہیں اس لیے کہ اس واقعہ کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض کہتے کہ اگر یہ مقتول عیسےٰ علیہ السلام ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

اسی طرح فقہ کی کتابوں میں ہے:

واذا اراد الدخول فی الصلوٰۃ کبّر رفع یدیہ حذو اذنیہ۔	جب نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اللہ اکبر کہتا ہوا اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے۔

ان قرآنی واحادیثی وفقہی استعمالات سے ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

سوال: مرزائی کہتے ہیں کہ رفعہ اللہ کے معنیٰ ہیں کہ اُن کی رُوح کو آسمان پر اٹھایا گیا، جیسا کہ احادیث میں ہے کہ مرنے کے بعد نیک ارواح کو آسمان پر اٹھایا جاتا ہے، فلہٰذا اس قاعدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کی بھی روح ہی آسمان پر اٹھائی گئی۔

جواب ۱: پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ وما قتلوہ وما صلبوہ سے بل رفعہ اللہ کا استدراک ہوا اور بل کے مابعد میں استدراک کے وقت وہی مفہوم ضروری ہے جو لفظ بل کے لیے ماقبل میں ہے۔ چونکہ بل کے ماقبل میں قتل وصلب جسم کے متعلق نفی ہے اس لیے لازم ہے کہ بل کے بعد میں بھی جسم کے رفع کا اثبات ہو ورنہ قرآنی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے کہ ماقبل میں جسم کی نفی ہے لیکن مابعد میں رُوح کا رفع ہے یہ عرفِ عرب اور قواعدِ نحویہ کے صریحاً خلاف ہے۔

جواب ۲: قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں مدح وثنا ہو وہاں اس کا تحقیقی پہلو ضروری ہے۔ اگر یہاں رفع روحانی مراد ہو تو پھر عیسےٰ علیہ السلام کی تخصیص کیوں؟ روحانی رفع تو ہر انسان کے لیے ثابت ہے کافر ہو یا مومن، نیک ہو یا بد۔ فرق صرف یہ ہے کہ کافر کی روح رفع کے بعد سجّین میں دھکیلی جاتی ہے اور مومن کی علیّین میں۔ لہٰذا یقیناً کہنا پڑے گا کہ یہاں چونکہ عیسےٰ علیہ السلام کی مدح کا پہلو ہے اسی لیے خصوصیت سے ماننا لازمی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت آسمان پر اٹھایا گیا۔

سوال: تمہارا دعویٰ ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور دعویٰ میں کہتے ہیں کہ بل رفعہ اللہ الیہ۔ اس میں دعویٰ دلیل کے ساتھ نہیں، دعویٰ رفع الی السماء کا ہے اور دلیل میں رفع اللہ ہے، اور علم مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ دعویٰ دلیل کے مطابق ہو۔

(باقی بر صفحہ ۲۵)

تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہی ہمارا آدمی ہے تو عیسےٰ علیہ السلام کہاں گئے۔ بعض نے کہا کہ اس مقتول کا چہرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴)

جواب ۱: مرزائیوں کی جہالت پر ہنسی آتی ہے کہ جب جواب نہ بن آئے تو لایعنی باتیں کہنے لگ جاتے ہیں کہ اسلام کا یہ مسلّم قاعدہ انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی اہم امر کو اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرماتا ہے تو اس سے مراد آسمان ہوتا ہے کہ اس کی رحمت اور فضل و کرم کا مرکز آسمان ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمل صالح اور کلمات طیبات کا اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرمایا ہے۔ اس میں تمام اہلِ اسلام اور خود مرزائیوں کا عقیدہ ہے کہ سب کے اعمال صالحہ اور کلمہ طیّبہ آسمان پر اٹھائے جاتے ہیں تو جس طرح کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ اور کلمہ طیبہ کو اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرما کر آسمان کا حکم دیا ہے، ایسے ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معاملہ ہے۔

جواب ۲: علاوہ ازیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے زمین کا معبود ہونا بتایا ہے اسی طرح آسمان کا بھی، کما قال ھوالذی فی السماء الہ و فی الارض لہ۔ اور احادیث میں بھی اہم معاملات میں اللہ تعالےٰ کے لیے آسمان کی طرف منسوب کرنے کے استعمالات وارد ہیں۔

اہلسنت کی دُوسری دلیل

جیسے مذکورہ بالا بیان میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کی صریح نص موجود ہے ایسے ہی اسے چھٹے پارہ میں اس آیت کے بعد عیسٰی علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و ان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔	اور اہل کتاب کا ہر فرد عیسٰی علیہ السلام کی موت سے پہلے ایمان لائے گا۔

اس آیت میں صراحتہً بیان کیا گیا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام جب آسمان پر تشریف لے گئے اس وقت تمام اہل کتاب یہودی و نصرانی سب کے سب ایمان نہیں لائے تھے، لیکن جب آسمان سے واپس تشریف لائیں گے تو تمام اہل کتاب یہودی و نصرانی دینِ محمدی قبول کریں گے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

احادیث

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی نفسی	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت

(باقی بر صفحہ ۲۶)

تو عیسٰی علیہ السلام کا ہے لیکن اس کا جسم ہمارے آدمی کا ہے اس لیے کہ جب عیسٰی علیہ السلام کی شکل اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵)

بیدہ لیوشکنی ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فسیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ولیضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون سجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابو ھریرۃ فاقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ۔ (مشکوٰۃ شریف)

میں میری جان ہے کہ ابن مریم تمہارے ہاں زمین پر اُتریں گے وہ صاحب عدل ہونگے نصرانیوں کی صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کرینگے اور جزیہ رکھ دیں گے، اُس وقت مال بہت ہوگا اسے کوئی قبول نہ کریگا اس وقت کا ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ پھر ابو ہریرہ فرماتے چاہیے پڑھو وان من اھل الکتٰب الخ جو عیسٰی علیہ السلام کے وصال سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے ۔

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیسٰی ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولا لہ و یمسک خمسا و اربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسٰی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر ۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام زمین پر اتریں گے پھر نکاح کریں گے اور اُن سے اولاد پیدا ہوگی اور زمین پر پینتالیس ۴۵ سال قیام فرما کر پھر (طبعی موت) مریں گے اور میرے ساتھ مدفون ہوں گے قیامت میں مَیں اور عیسٰی (علیہم السلام) ایک قبر میں سے ابوبکر اور عمر کے مابین اٹھیں گے ۔

(۳) عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینزل عیسٰی عند

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان

(باقی بر صفحہ ۲۷)

شخص کو دی گئی، تو صرف چہرہ عیسٰی علیہ السلام کی طرح ہوا لیکن باقی بدن دلیسے کا ویسا رہا۔ اور جن لوگوں نے حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

صلوٰۃ الفجر انہ اخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد وطبرانی والحاکم وغیرھم۔

سے زمین پر فجر کی نماز کے وقت اتریں گے اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد وطبرانی والحاکم وغیرہم۔

(۴) قال علیہ السلام کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم امامکم منکم۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! کیا حال ہوگا اس وقت جب تمہارے اندر عیسٰی علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس وقت تم میں سے تمہارے امام ہونگے۔

(رواہ البخاری ومسلم)

ان تمام تصریحات کے باوجود اگر کسی کا عقیدہ بگڑا ہے تو اس کا کیا علاج۔ یاد رہے کہ یہ قادیانی لعین نہ صرف مثل عیسٰی ہونے کا مدعی تھا بلکہ بعد کو اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ اس کے رد میں مختصر طور پر قرآن حکیم اور حدیث شریف کی روشنی میں چند باتیں عرض کر دی جاتی ہیں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔

نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ اور لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اس آیۃ مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ اعزاز عطا فرمایا گیا ہے جو کسی نبی اور رسول کو نہیں ملا تھا اور یہ اعزاز ختم نبوت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر کمال کو اس وصف ختم نبوت کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہر وصف اپنے کمال پر نظر آئیگا اور معاذ اللہ اگر اسی وصف کو الگ کر دیا جائے تو آپ کے اوصاف کے کمال کی حیثیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ لفظ خاتم دو طرح سے پڑھا جاتا ہے یعنی تا کو فتح کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ۔ معنیٰ دونوں کا ایک ہی ہے یعنی آخری نبی۔ قرآن حکیم میں ایسی متعدد آیات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے خاتمے کا اعلان کرتی ہیں۔ آیاتِ قرآنیہ کے

(باقی بر صفحہ ۲۸)

عیسٰی علیہ السلام سے سُنا تھا کہ وہ آسمان پر اٹھائے جائیں گے وہ تو یقین رکھتے تھے کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷)

علاوہ سیّد دو عالم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع ہے اور اس سلسلے میں بے شمار حدیثیں ہیں جو اس امر کی صراحت کرتی ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی تھے اور ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ چند احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثِ شفاعت میں منقول ہے کہ جب لوگ ہر طرف سے ٹھوکریں کھاتے پریشان حال آپ کے پاس آئیں گے تو کہیں گے:

انت رسول اللہ و خاتم الانبیاء و	آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں
قد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک	اور اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام ذنوب
وما تأخر۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۸۵	کو معاف کر دیا ہے۔
ترمذی شریف ص ۳۵۱)	

یعنی ہم سب انبیاء کے پاس سے ہو کر آ گئے کہیں ہماری شنوائی نہیں ہوئی اور آپ آخری نبی ہیں، یہاں بھی دستگیری نہ ہوئی تو پھر کہاں ہوگی!

ابوحازم کہتے ہیں کہ میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سال رہا، میں نے آپ سے سنا، فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی سیاست کا کام انبیاء کرتے، جب کوئی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا۔ انہ لا نبیّ بعدی اور خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے ختم نبوت کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ لوگ میرے بعد دعویٰ نبوت و رسالت کریں گے لیکن وہ سب جھوٹے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تقوم الساعة حتی یبعث دجّالون	قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک دجّال کذاب پیدا
کذّابون قریباً من ثلاثین کلھم	ہوں گے وہ تقریباً تیس ہوں گے سب کا گمان
یزعم انہ رسول اللہ۔	ہوگا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں (معاذ اللہ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ثلاثین (تیس) کے الفاظ کی بھی قید نہیں۔

(باقی بر صفحہ ۲۹)

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف کرنے والے نصاریٰ تھے انہیں سے بعض نے کہا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام شہید ہوئے لیکن سُولی نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کر ڈالا۔ لیکن فرقہ نسطوریہ کا خیال ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کے صرف جسم کو سُولی چڑھایا گیا اور آپ کی ظاہری صورت سے یہ ہوا لیکن بوجہ لاہوت کے یعنی آپ اپنی ذات اور جوہر اور روح کے اعتبار سے شہید نہیں ہوئے اور اکثر حکما۔ کچھ اور کہتے ہیں لیکن اُن کا خیال اس مذکورہ قول کے قریب ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان صرف اس صورت ظاہری کو نہیں کہا جاتا بلکہ وہ ایک جسم لطیف کا نام ہے جو اسی بدن کے اندر ہے یا وُہ ایک جوہر روحانی ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مجرد ہے یعنی کسی شے سے وہ مرکب نہیں ہے اور وہی اس بدن کے کارخانہ کو چلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ قتل اسی ظاہری بدن کا ہوا۔ باقی رہا عیسٰی علیہ السلام کا اصلی اور حقیقی جسم، اس پر قتل وارد نہیں ہوا۔

سوال: اس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے اس طرح سے تو ہر انسان کے لیے تقریر کی جا سکتی ہے۔

جواب: حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نفس قدسی علوی سماوی نور الٰہی سے منور تھا اور انہیں ارواحِ ملائکہ سے بے حد قرب حاصل تھا۔ جو ایسے نفوس قدسیہ ہوتے ہیں انہیں قتل کا درد و الم محسوس تک نہیں ہوتا اور نہ ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان بین یدی الساعۃ کذابین فاحذروھم۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۱۳ و ۳۱۶)

قیامت سے پہلے بہت سے جھُوٹے نبی پیدا ہوں گے ان سے بچنا۔

سوال: بنی اسرائیل پر تو اللہ کی رحمت (نبوت) مسلسل برستی ہے اور ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور اسی طرح پے در پے نبی آتے رہے لیکن مسلمان اپنے آپ کو ختمِ نبوت کے عقیدہ کی وجہ سے خدا کی نعمت سے محروم کر رہے ہیں۔

جواب: بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کو مکمل نہیں فرمایا تھا یا قساط نازل ہوتی رہی مگر ہم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کو مکمل فرما دیا اور اپنی نعمتِ کاملہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو عطا فرما دی۔ اب اگر اس کے بعد بھی ہم اپنی طرف سے نبی بنانے لگے تو یہ قہرِ خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے تو گویا ہم نعمتِ خداوندی سے محرومی کا شکار نہیں بلکہ نعمتِ کاملہ سے مستفید ہونے کے باعث مسرور و شاداں ہیں۔

مسئلہ ختمِ نبوت اور مرزائیت و قادیانیت کی تفصیلی تردید فقیر نے اپنی تفسیر اویسی میں لکھ دی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ان لوگوں کا جسم خراب ہوتا ہے وہ ظلمتِ بدن سے جُدا ہو کر آسمانوں کی فسعت کی طرف جولانیاں رکھتے ہیں اور عالم جلال کے انوار میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اُس کی رونق بڑھ جاتی ہے اور سعادت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے صفات عام انسانوں کو نصیب نہیں بلکہ ایسے صفات کے حامل بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیامت چند گنتی کے انسان پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے۔ نصاریٰ کا ایک ملکانیہ فرقہ ہے، وُہ کہتے ہیں کہ قتل اور سُولی پر چڑھانے سے احساس وشعور کے لحاظ سے بھی ان کے لاہوت کو حاصل ہُوا، نہ کہ مباشرہ کے اعتبار سے۔ اور یعقوبیہ فرقہ کہتا ہے کہ قتل اور سُولی پر چڑھانا حضرت مسیح علیہ السلام کے اس جوہر پر واقع ہُوئے جو دو جوہروں سے متولد ہوئے ہیں۔

لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ البتہ ان سے تردّد میں تھے۔

ف : شک ایسے امر پر بولا جاتا ہے کہ جس میں دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف کو ترجیح نہ ہو۔ اسی طرح مطلق تردّد کو بھی کہا جاتا ہے اور شک علم کے بالمقابل ہو کر بھی آتا ہے اس لیے اسے اس جملہ سے مؤکد کیا گیا ہے۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ اُنھیں اس کا کوئی علم نہیں تھا وہ صرف گمان کی اتباع کرتے تھے۔ یہ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ اتباعِ ظن جنسِ علم سے نہیں۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ لوگ صرف ظن کی اتباع کرتے تھے **وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا** اور انھوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا جیسا کہ ان کا گمان ہے۔ چنانچہ انھوں نے کہا: انا قتلنا المسیح الخ۔ یہاں قتلاً مصدر محذوف ہے یہ یقیناً اس کی صفت ہے اور فعیل بمعنے مفعول ہے یعنی یقین بمعنے متیقن ہے **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** بلکہ انہیں خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ ان کے قول انا قتلنا المسیح الخ کا رد اور ان کے عقیدے سے انکار ہے بلکہ انہیں آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے اثبات کی دلیل ہے۔

سوال : عیسٰی علیہ السلام آسمان کی طرف اٹھائے گئے لیکن آسمان کی بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام کیوں لیا ہے؟

جواب : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہاں رفع الی اللہ سے رفع الی السماء مراد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا مرکز آسمان ہے اور ملائکہ کرام کے ٹھہرنے کا یہی مقام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا جو وہاں پہنچ گیا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گیا۔ اس کی نظیر اللہ تعالےٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے: ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی اللہ۔ اس میں ہجرت کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ مسلمانوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اسی طرح باری تعالیٰ نے حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے متعلق فرمایا انی ذاہبٌ الیٰ ربی ۔ ان کا رب تعالیٰ کی طرف جانے کا مطلب یہ تھا کہ میں ایسے مقام پہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جاؤں گا جہاں مجھے اس کی عبادت سے اور کوئی روک نہیں سکے گا۔

نکتہ: عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے میں ایک حکمت یہ تھی کہ ان کے تشریف لے جانے سے ملائکہ کرام کو برکات و فیوضات نصیب ہوں اس لیے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح تھے[1] جیسے آدم علیہ السلام سے انہیں برکات نصیب ہوئے جبکہ انہیں آدم علیہ السلام نے تعلیم الاسماء سے مشرف فرمایا اور قرآن میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آدم علیہ السلام کے مثل ہیں۔ بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پہ تشریف لے جانے میں یہ حکمت تھی اُن کا دنیا میں تشریف نہ لانا از بابِ شہوت نہ تھا اور نہ ہی اس سے واپس جانا از بابِ موت ہوگا تاکہ اس طرف اشارہ ہوجائے کہ وہ دنیا میں تشریف لائے تو قدرت کا کرشمہ بن کر اور دنیا سے کوچ کریں گے تو بہت بڑی عزت وعظمت کا منظر لے کر وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا اور ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑی عزت والا کہ وہ جو ارادہ کرتا ہے تو کسی سے مغلوب نہیں ہوتا اور یہاں پر عزۃ اللہ سے اس کی کمال و قدرت مراد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر تشریف لے جانا اگرچہ بشری طاقت کے لیے ناممکن ہے۔ لیکن قدرتِ ایزدی کے آگے معمولی سی بات ہے کہ اس قادر کو ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا حَكِيْمًا اس کے تمام امور میں بہت بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔

مسئلہ: یہی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جملہ امور و تدابیر اس حکمت کے دائرہ میں بدیہی طور شامل ہیں۔

اعجوبہ: جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا تو انہیں نورانی لباس پہنایا اور نورانی پَر عطا فرمائے۔ اُن سے کھانے پینے کے تمام خواہشات منقطع کر لیے اور وہ اس وقت ملائکہ کرام کے ساتھ اُڑتے ہوئے عرشِ معلیٰ پہنچے۔ اس اعتبار سے وہ انسان بھی تھے فرشتے بھی تھے ارضی بھی اور فلکی بھی۔

ف: حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تیس سال کے تھے کہ نبوت ملی اور تینتیس سال کے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا اس اعتبار سے اس وقت صرف تین سال نبی رہے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے پھر زمین پر کیوں لوٹایا جائیگا۔

جواب: تاکہ آپ کا نزول قیامت کی علامت بنے اور آپ ولایتِ عامہ کے خاتم ہوں اس لیے کہ آپ کے بعد پھر کوئی ولی نہ ہوگا۔ آپ پر دورہ محمدیہ کی ولایت ختم ہوگی۔ یہ آپ کی بزرگی اور شرافت کی بنا پر ہوگا' جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا گیا تو آپ کو خاتم الاولیاء۔

---

[1] اسی طرح حضور علیہ السلام کے شبِ معراج لامکان سے ماوراء تشریف لے جانے میں ایک حکمت یہ تھی کہ وہاں کے ساکنین آپ کے فیوض و برکات سے سرشار ہوں کیونکہ آپ حبیب اللہ تھے۔ اویسی غفرلہ

مسئلہ : آپ حضور نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے ان سب سے تجدید عہد فرمائیں گے۔ حضرت امام مہدی اور اصحاب کہف رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے خدّام سے ہوں گے اور آپ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح کرینگے، آپ کے بچّے بھی پیدا ہوں گے۔ حضور نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی اور آپ کی اُمت کے اولیاء اور وارثین ولایت کے از جہت ولایت خاتم ہونگے۔

ف : حضرت امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر دُرِ منثور میں سورۂ کہف میں ابن شاہین سے روایت فرمایا کہ چار پیغمبر علیہم السلام زندہ ہیں، دو آسمان میں :

(۱) حضرت عیسٰے علیہ السلام

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام

اور دو زمین پر :

(۱) حضرت خضر علیہ السلام

(۲) حضرت الیاس علیہ السلام

خضر علیہ السلام دد دریاؤں میں رہتے ہیں اور الیاس علیہ السلام جنگلوں میں۔

حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا :

حدیث شریف : میرے بھائی خضر اگر زندہ ہوتے تو میری زیارت کے لیے ضرور تشریف لاتے۔

(یہ حدیث نہیں ہے) یہ ان لوگوں کے اسلاف کا قول ہے جو خضر علیہ السلام کی حیات کے منکر ہیں۔

ف : یہ ارواح جو عقل اوّل سے ہیں سبھی ایک صف میں تھے سب کو اللہ تعالیٰ سے فیض ملا۔ لیکن کسی کے واسطے سے بہت سی ارواح کی صفیں عقل کے واسطہ سے فیض پا رہی تھیں اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

انا ابو الارواح و انا من نور اللہ والمؤمنون فیض نوری۔	میں ابوالارواح ہوں، میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور کے فیض سے ہیں۔

صف اول میں رُوحِ اول یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ بلکہ عقلِ اوّل سے حضرت عیسٰے علیہ السلام ہی مراد ہیں اس لیے عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف معراجِ جسمانی میں دونوں شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانۂ اقدس سے انہیں قرب حاصل ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام اسمِ اعظم کے مظہر اور مقام جمع میں بلا واسطہ حضرت الٰہیہ سے

فیض پانے والے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم اور اس کے ارواح سے ایک ہیں اور جامع اسم الٰہی کے مظہر ہیں ۔ آپ کو وراثت اولیٰ نصیب ہوئی اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ تمام مراتب بالاصالۃ حاصل ہیں (کذا فی شرح الفصوص)

بنی اسرائیل کے فرقوں اور ان کے عقائد کا بیان

(۱) عیسائیوں میں بعض وہ ہیں جو بی بی مریم علیہا السلام پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں ۔

(۲) بعض وہ ہیں جو اُن کی تعظیم میں حد سے متجاوز ہو کر انہیں اور ان کے بیٹے کو معبود مانتے ہیں ۔

ز دونوں فرقے گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں ۔

اہلِ اسلام کا عقیدہ

اہلِ اسلام بی بی مریم کو ایک ولیہ کاملہ مانتے ہیں اور وہ بنی اسرائیل جو ان کی شان گھٹاتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں اور جو ان کی شان حد سے بڑھاتے ہیں وہ بھی ۔

قاعدہ کُلیہ

اسی طرح ہر ولی کامل کے لیے یہی قاعدہ کلیہ ہے کہ ان کی شان کا منکر بدبخت ہے اور اُن کو حد سے بڑھانے والا بھی گمراہ ہے ۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے لیے ایسے واقع ہوا ہے ۔

(التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) نازنینی تو ولی در حد خویش — اللہ اللہ پا منہ در حد بیش
(۲) جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
(۳) دیر باید تا کہ سر آدمی — آشکارا گردد از بیش و کمی
(۴) زیر دیوار بدن گنجست یا — خانۂ مارست و مور و اژدہا

ترجمہ : (۱) ولی بیشک نازنین ہے لیکن تُو اس کی حد سے آگے نہ بڑھ ۔
(۲) جملہ جہان اسی لیے گمراہ ہوا ابدال کے سوا بہت کم لوگ حق سے آگاہ ہو سکے ۔
(۳) بہت بڑی مدت پر آدمی کا راز ظاہر ہوتا ہے کمی و بیشی کے لحاظ سے ۔
(۴) بدن کی دیوار کے نیچے بہت بڑے خزانے ہیں یا ہمارا جسم سانپوں ، موروں اور اژدہاؤں کا گھر ہے

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ اور کوئی اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ میں سے نہ ہوگا إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ مگر ان پر یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے قَبْلَ مَوْتِهٖ اپنی وفات سے پہلے ، یعنی

ہر اہلِ کتاب مرنے سے پہلے حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے ۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب کسی یہودی پر نزع طاری ہوتی ہے تو امورِ آخرت اس کے سامنے ہوتے ہیں تو ملائکہ اس کے منہ اور اس کی پیٹھ پر طمانچہ مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرے پاس حضرت عیسےٰ علیہ السلام نبی بن کر تشریف لائے لیکن تُو نے اُنھیں جھٹلایا ۔ یا پھر وہ اس وقت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائیگا لیکن اُس وقت کا ایمان لانا اُسے کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ اب ایمان لانے اور نہ لانے کا وقت ختم ہو گیا ۔ اور نصرانی کو کہا جائے گا کہ عیسےٰ علیہ السلام تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول بن کر تشریف لائے لیکن تم نے انہیں الٰہ اور ابن اللہ مانا ۔ اس وقت نصرانی کہے گا کہ اَب میں انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول مانتا ہُوں ۔ لیکن اسے بھی یہ ایمان فائدہ نہ دے گا ۔

اعجوبہ منقول ہے کہ ہر یہودی اور اسی طرح ہر صاحب کتاب مرتے وقت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے خواہ آگ میں جل کر مرے یا پانی میں ڈُوب کر یا دیوار سے گر کر یا دیوار کے نیچے دب کر یا اسے کوئی درندہ یا کوئی مُوذی جانور کھا جائے ۔

ف : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی گئی کہ یہ تجربۃً بھی ثابت ہے ۔ آپ نے فرمایا: جب اس کی گردن اُڑا دی جائے تو اس عقیدہ کے لیے اس کی زبان خود بخود چلنے لگ جاتی ہے ۔

مسئلہ : اس آیت میں جہاں اہلِ کتاب کو وعید سُنائی گئی وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ ہر شخص کو موت سے پہلے ایمان لانا ضروری اور اس پر ثابت قدم رہنا لازمی ورنہ نزع طاری ہو جائے تو پھر ایمان لانا بیکار ہے ۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قبل موتہٖ کی ضمیر عیسٰی علیہ السلام کی طرف راجع ہوتی ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ عیسٰی علیہ السلام کے نزول کے وقت جتنے اہلِ کتاب موجود ہوں گے وہ سب کے سب عیسےٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ایمان لائیں گے ۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری کا بیان

حضور علیہ السلام نے فرمایا میں عیسےٰ علیہ السلام سے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے قریب تر ہوں، اس لیے کہ ان کے اور میرے مابین کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا ، اور وہ تم میں عادل اور اچھا فیصلہ کرنے والے ہو کر نازل ہوں گے ، جب تم انہیں دیکھو تو ابھی سے پہچان لو کہ وہ معتدل قامت اور سپیدی و سُرخی کے درمیان میں ہوں گے اور ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرات گریں گے اگرچہ ان پر پانی بھی نہ ڈالا جائے ، اور وہ خنزیر کو قتل کرینگے اور شراب خانے برباد کریں گے اور صلیب توڑیں گے بیت المقدس میں جا کر اسلام کی خاطر غیر مسلموں سے جہاد کرینگے اُن کے زمانہ میں تمام مذاہب مٹ جائینگے سوائے اسلام کے ، اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے گا انھیں کے زمانہ میں مسیح الضلالۃ

کذاب مسیح الدجال مارا جائیگا یہاں تک کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی تشریف آوری پر تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے، اور امن وسلامتی ہوگی یہاں تک کہ اُونٹ سانپوں کے ساتھ اور گائیں شیروں کے ساتھ اور بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ چرتے اور چھوٹے بچے سانپوں کے ساتھ کھیلتے نظر آئیں گے۔ کوئی بھی کسی کو ایذا نہیں پہنچا سکے گا۔ اس تشریف آوری کے بعد چالیس سال کی عمر پُوری کریں گے۔ اس کے بعد اُن کا وصال ہوگا۔ اہلِ اسلام آپ کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے اور اہلِ اسلام ہی آپ کو دفنائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان المسیح جائی فمن لقیہ فلیقرئہ منی السلام۔ — مسیح علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے جب وہ تشریف لائیں تو انہیں میرا سلام پہنچا دینا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ اور عیسٰے علیہ السلام قیامت میں ہوں گے **عَلَيْهِمْ** اُن پر یعنی اہلِ کتاب پر **شَهِيْدًا** یہود پر یہ گواہی دیں گے کہ انھوں نے انہیں خدا کا بیٹا کہا **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا** پس یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے یعنی بہت بڑا سخت ظلم جو خارج میں عن الحدود اور اس کی نظیر کا سامنا مشکل ہے۔ ایسا ظلم یہودیوں سے صادر ہوا **حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ** ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو اُن پر اور اُن کے آباؤ اجداد پر حلال تھیں نہ کوئی اور چیزیں جیسا کہ ان کا خیال۔ یعنی جو ان سے گناہ سرزد ہوئے تو ان کی نحوست سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو ان پر اور ان کے اسلاف پر حلال تھیں لیکن سزا کے طور پر ہم نے ان پر حرام کردیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دُودھ و چربی وغیرہ۔

نکتہ صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں یہاں پر ایک نکتہ تحریر فرماتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا:

حرمنا علیھم الطیبٰت (ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کردیں)

اور ہمارے لیے فرمایا: و یحل لھم الطیبات۔

اور پھر ہمیں فرمایا: کلوا مما رزقکم اللہ حلال طیبات۔

بفضلہ الکریم گناہوں کی شامت سے ہمارے اوپر کوئی شے حرام نہیں فرمائی۔ ایسے ہی امید رکھتے ہیں کہ وُہ کریم ہمیں آخرت میں دردناک عذاب سے محفوظ فرمائیگا اس لیے کہ اس آیت میں دنیا و آخرت دونوں کے ذکر کو اکھٹا بیان کیا ہے۔

نکتہ از صاحبِ تاویلات النجمیہ فرمایا کہ مباحات کا اسراف مناجات ربانی سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ : ؎

مرو در پے ہر چہ دل خواہدت
کہ تمکین تن نور جاں کاہدت

ترجمہ : انسان دل کی ہر خواہش کے در پے ہو تو جسم کی طاقت بڑھے گی لیکن نورِ جاں کم ہو جائے گا۔

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اور اُن کا اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا۔ اس سے دینِ اسلام مراد ہے **كَثِيرًا** یعنی ان کا بہت سا روکنا **وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا** اور اُن کا سود لینا، حالانکہ **وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ** وہ اس سے روکے گئے، یعنی ان پر سود لینا حرام تھا جیسے ہم پر حرام ہے۔

مسئلہ : یہ نہی دلالت کرتی ہے کہ واقعی منہی عنہ حرام ہے۔

وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ اور ان پر لوگوں کا مال کھانا حرام تھا، جیسے رشوت اور دوسرے محرمات، یا دوسرے طریقے سے مال جمع کرتے ہیں **وَأَعْتَدْنَا** اور ہم نے ان کے لیے پیدا فرمایا اور تیار کیا **لِلْكٰفِرِينَ مِنْهُمْ** ان کافروں کے لیے جو اُن سے ہیں یعنی کفر پر اصرار کرتے ہیں، یہ وعید اس لیے نہیں جو کہ کفر وغیرہ سے تائب نہ ہو اور ایمان کی دولت سے نوازا جائے **عَذَابًا أَلِيمًا** دردناک عذاب، یعنی ایسا سخت درد جو اُن کے دلوں کو گھیر لے جیسے وہ آخرت میں چکھیں گے، جیسے حرمتِ اشیاء کے باوجود انہیں کھاتے رہے تو اس کا مزہ انہوں نے چکھ لیا **لٰكِنِ الرّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ** ہاں وُہ حضرات جو ان میں سے علم کے ماہر ہیں یعنی اہلِ کتاب میں سے جو اہلِ علم ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی۔

ف : اور اللہ تعالیٰ نے انہیں راسخ فی العلم اس لیے فرمایا کہ علم میں پختہ کار اور نہایت ہی تجربہ کار ہیں یہاں تک کہ انہیں کسی وقت اضطراب ہی نہیں اور نہ ہی شک و شبہ میں پڑتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے درخت اپنی جڑوں سے زمین کے اندر مضبوط ہو۔

وَالْمُؤْمِنُونَ اس سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جو مذکورہ اہلِ کتاب یعنی عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ماسوا ہیں جیسے مہاجرین اور انصار وغیرہ **يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ قَبْلِكَ** وہ آپ پر

نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئیں ۔ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا الراسخون فی العلم ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام توراۃ کے عالم تھے توراۃ میں انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پڑھے تھے چونکہ وہ راسخ فی العلم تھے اس لیے ان کا تورات کا ظاہری علم معرفت سے متصل ہوا ۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے یقین کر لیا کہ ایسے نورانی چہرے والا کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا اس لیے میں ان پر ایمان لایا ۔ اور دوسرے یہودی علماء چونکہ راسخ فی العلم نہیں تھے اس لئے وہ تورات میں حضور علیہ السلام کے اوصاف کو دیکھ کر نہ پہچان سکے ۔ بنا بریں کافر ہوئے ۔ کسی نے شرفاء کے حق میں کیا خوب فرمایا :

جعلوا الابناء الرسول علامة ان العلامة شان من لم یشهر

نور النبوة فی کریم وجوههم یغنی الشریف عن الطراز الاخضر

ترجمہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کریمہ کی علامت مشہور ہے اس لئے کہ جو غیر معروف ہوتا ہے اسے کسی علامت سے پہچانا جاتا ہے سادات کے چہروں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نبوت چمکتا ہے یعنی اصلی سید کسی بناوٹ کا محتاج نہیں ہوتا ۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ یہاں پر اعنی فعل محذوف ہے نماز کی فضیلت کی وجہ سے ۔ المقیمین بہ بنائے مدح منصوب ہے ، یعنی نماز قائم کرنیوالے وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ۔ اس کا مرفوع ہونا بھی بہ بنائے مدح مرفوع ہے یعنی بہ بنائے مدح ہے ، اسی طرح وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یہ بھی بہ بنائے مدح مرفوع یعنی اور اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے والے ۔

سوال : اللہ تعالیٰ و یوم آخرت سے ایمان بالرسل والکتب کو یہاں پر کیوں مقدم کیا گیا ہے ؟

جواب : یہاں پر مقصود ایمان بالرسل والکتب ہے کہ اہل کتاب انہی کے منکر تھے اسی طرح ان انبیاء کی شریعتوں کا بھی انکار کرتے تھے اس لیے انہیں کی تقدیم ہوئی ۔

اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا بہشت میں ہم انہیں بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے اس لیے کہ انہوں نے ایمان کی دولت کے ساتھ نیک اعمال میں بھی جد و جہد کی ۔ عمل صالح وہ ہے جس سے

صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو۔ ان سب کی سرتاج پانچ نمازیں ہیں کہ جنہیں صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے۔

نماز کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے:

من حافظ منکم علی الصلوات الخمس حیث کان واین ما کان جاز الصراط یوم القیامۃ کالبرق اللامع فی اول زمرۃ السابقین وجاء یوم القیامۃ ووجھہ کالقمر لیلۃ البدر وکان لہ کل یوم ولیلۃ حافظ علیھن اجر شھید۔

جس نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی جہاں پر بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو تو قیامت میں پہلے زُمرہ میں بجلی کی طرح پلصراط سے گزریگا اور قیامت میں جب حاضر ہوگا تو اُس کا چہرہ چودھویں شب کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور اپنی پانچوں کی حفاظت کرنے والے کو روزانہ شہید کا ثواب ملتا رہے گا۔

نماز کے متعلق ایک بہترین صوفیانہ نکتہ

عربی میں نماز کو اس لیے صلوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ صَلّیٰ سے مشتق ہے اور صَلّیٰ بمعنے آگ اور وہ ٹیڑھی لکڑی جسے آگ پر رکھ کر سیدھا کیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان میں نفسِ امارہ ٹیڑھاپن پیدا کر دیتا ہے علاوہ ازیں اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات کی گرمی بھی ہوتی ہے اور وہ گرمی ایسی تیز ہوتی ہے کہ اگر اس کے حجابات ہٹ جائیں تو کائنات کو جلا کر راکھ بنادیں۔

حدیث شریف

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

جب نمازی نماز شروع کرتاہے تو اس کے بالمقابل وہی تجلیات سامنے ہوتی ہیں تو سطوۃ الٰہیہ وعظمتِ ربانیہ سے بندے کا ٹیڑھاپن ہٹ جاتا ہے اس لیے پھر اسے جہنم کی آگ سے سیدھا نہیں کیا جائیگا۔ اگر کسی غلطی کی وجہ سے ضروری جانا بھی ہوا تو معمولی طور پر، اس طرح سے اس کا ٹیڑھاپن ختم ہوجاتا ہے اور پھر اسے جہنم میں کافی دیر بھی ٹھہرنا نہیں پڑے گا اور پل صراط سے بھی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔

حجۃ الوداع میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تقریر کا اقتباس

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا:

خبردار! اللہ تعالیٰ کے دوست وہ ہیں جو پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں، رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور اس سے ان کی صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر بطیبِ خاطر زکوٰۃ

ادا کرتے ہیں اور اُن کبائر سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کبائر کی تعداد بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وُہ نو ہیں:

(۱) شرک
(۲) مومن کو ناحق قتل کرنا۔
(۳) جنگ سے بھاگنا۔
(۴) پاک دامن عورت پر بہتان باندھنا
(۵) جادو
(۶) سُود کھانا
(۷) یتیم کا حق کھانا
(۸) مسلمان ماں باپ کی نافرمانی۔
(۹) جو تمہارے زندوں اور مُردوں کا قبلہ ہے اس کی حرمات کو حلال کرنا۔

جو شخص ان کبائر سے بچتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو مرنے کے بعد بہشت کے درمیانی حصہ میں سونے کے محلات میں حضور علیہ السلام کی رفاقت میں ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ راسخ فی العلم درحقیقت وُہ ہیں جنہیں علم و عمل میں وافر حصہ نصیب ہوا ہے یہاں تک کہ وہ علوم کے خزانوں تک پہنچ جاتا ہے اور اُن علوم کی برکت سے علوم عطائیہ کو حاصل کر لیتا ہے یہی علوم لدنیہ کہلاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

طلعت لیلۃ المعراج علی النار فرأیت اکثر اھلھا الفقراء۔	میں نے شبِ معراج جہنم کو دُور سے جھانک کر دیکھا اس میں اکثر فقراء تھے۔

آپ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ من المال (یا رسول اللہ! فقراء سے مالی فقیر مراد ہیں؟) آپ نے فرمایا لا من العلم (نہیں بلکہ وُہ لوگ جو علم دینی سے محروم ہیں)

حدیث شریف میں ہے:

العلم امام العمل والعمل تابعہ۔	علم عمل کا امام ہے اور عمل اس کا تابع۔

ف: حضرت امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہٗ منہاج العابدین میں لکھتے ہیں کہ اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حقیقی عالم وُہ ہے جو اپنے پڑھے پر عمل کرتا ہو اور اسے آخرت کی فکر ہو اسے عالم باعمل کہتے ہیں

(باقی بر صفحہ ۴۲)

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهٖ ج
وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَ
يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ
وَسُلَيْمٰنَ ج وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا ○ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط وَكَلَّمَ اللّٰهُ
مُوسٰى تَكْلِيمًا ○ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا
يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ
اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهٗ
بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ○ط إِنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًا
بَعِيدًا ○ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ
قَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًاۢ بَعِيدًا ○ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ
ظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ○لا إِلَّا
طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيرًا ○ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوا
خَيْرًا لَّكُمْ ط وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا
حَكِيمًا ○ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ط

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ ۚ أَلْقَاهَا إِلَىٰ
مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا
خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ
لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ
بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝

ترجمہ: بیشک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں
کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسٰی اور ایوب اور
یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی، اور رسولوں کو جن کا ذکر
آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان رسولوں کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا اور اللہ نے موسٰی سے حقیقۃً کلام
فرمایا رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر
نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ لیکن اے محبوب اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے
تمہاری طرف اپنے حکم سے اتارا ہے اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ کی گواہی کافی، وہ جنہوں نے کفر کیا
اور اللہ کی راہ سے روکا بیشک وہ دُور کی گمراہی میں پڑے، بیشک جنہوں نے کفر کیا اور حد سے بڑھے
اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے مگر جہنم کا راستہ کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ
رہیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے، اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب
کی طرف سے تشریف لائے تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کو، اور اگر تم کفر کرو تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ
آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے، اے کتاب والو اپنے دین میں زیادتی
نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ، مسیح عیسٰی مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی
طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک رُوح تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو
باز رہو اپنے بھلے کو اللہ تو ایک ہی خدا ہے پاکی اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو اسی کا مال
ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، اور اللہ کافی کارساز۔

(بقیہ صفحہ ۳۹)
وہ صاحبِ بصیرت ہوتا ہے اور جہالت سے کوسوں دور، نہ وہ کورا مقلد ہے نہ غافل۔ ایسے عالم کو بہت بڑی بزرگی اور قیمتی جوہر نصیب ہوگا اور پھر ثواب کا کیا کہنا۔ خلاصہ یہ کہ عمل کا دارومدار علم پر ہے بالخصوص علم توحید پر اور اسرار و رموز تو علم سے ہی کھلتے ہیں۔

داؤد علیہ السلام کی وحی کا بیان

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے داؤد علیہ السلام! تم وہ علم حاصل کرو جو نافع ہو۔

عرض کی: یا اللہ! علم نافع سے کیا مراد ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: علم نافع یہ ہے کہ تم میرے جلال و عظمت و کبریائی کو پہچانو۔ اسی طرح میری کمال قدرت کو مانو کہ میں ہر شے پہ قادر ہوں۔ یہی عقیدہ رکھو گے تو میرا قرب حاصل کر لو گے۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں خوش قسمت ہوں مَیں بچپن میں فوت نہ ہوا اگرچہ بچپن میں فوت ہونے سے بہشت نصیب ہوتی لیکن وہ دولت کب نصیب ہوتی جبکہ اس سن میں مجھے عرفانِ الٰہی نصیب ہوا۔

ف: یہ قاعدہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا ہے اسے عرفان بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے وہ عبادت میں بہت زیادتی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا بھی بہت زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡكَ (بے شک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی)

شانِ نزول: یہ آیت اہلِ کتاب کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اُن پر بھی آسمان سے ایک کتاب نازل ہو، اور ساتھ ہی ان پر حجت قائم کرنا مطلوب ہے کہ حضور علیہ السلام نئے رسول نہیں بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول علیہم السلام تشریف لائے۔ آپ شانِ رسالت اور وحی لانے میں دوسرے مشاہیر رسولوں علیہم السلام کی طرح ہیں اور اُن کی نبوت و رسالت میں ایک بھی شک وشبہ نہیں۔

ف: وحی اور ایحاء بمعنے کسی کو پوشیدہ طور جلدی سے کوئی بات بتلانا۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے ہاں جبریل علیہ السلام کو قرآن دے کر بھیجا۔

كَمَآ اَوۡحَیۡنَآ جیسے ہم نے پہلے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی تھی اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد۔ حضرت نوح علیہ السلام سے ابتدا اس لیے فرمائی کہ وہ ابوالبشر اور سب سے پہلے نبی ہیں جن کی اُمت عذاب میں مبتلا ہوئی جبکہ انہوں نے نوح علیہ السلام

کی دعوت کو رد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا سے ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا۔

ف : حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ہزار سال تھی اس عمر میں نہ آپ کے دانتوں میں نقص ہوا اور نہ ہی قوت میں فرق آیا۔ آپ کے بال بھی سفید نہ ہوئے۔ جتنی آپ نے دینی دعوت میں بہ نسبت دوسرے انبیاء کے زیادہ جدوجہد فرمائی اتنی ہی زیادہ آپ نے اذیتیں اور تکلیفیں اٹھائیں اور اس پر بڑا صبر کیا۔ شب و روز قوم کو ہدایت دینے میں لگے رہتے۔ ہر طرح سے تبلیغ کا حق ادا کیا، بدبخت قوم آپ کو مارتی آپ بیہوش ہو جاتے جب ہوش آتا پھر تبلیغ میں لگ جاتے۔

ف : مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد قیامت میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام مزار مبارک سے اٹھیں گے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ اس کا عطف الیٰ نوح پر ہے اور یہ بھی اس تشبیہ میں داخل ہے کہ جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی ایسے ہی آپ پر بھی **وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ**

اسباط سے یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے اور وہ بارہ تھے۔ عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کے اسماء گرامی کا ذکر ان کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے ہے حالانکہ لفظ نبیین میں بھی وہ شامل تھے اس لیے کہ حضرت ابراہیم کو اولوالعزم پیغمبروں میں اولیت ہے اور اُن میں سے آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرے حضرات بھی برگزیدہ اور مشاہیر ہیں۔

سوال : عیسیٰ علیہ السلام تو سب سے آخر میں تشریف لائے پھر ان کا ذکر پہلے کیوں ہُوا؟

جواب : (۱) یہ واؤ جمع مطلق کے لیے ہے نہ کہ ترتیب کے لیے۔ آیت میں ان کے ذکر کی تقدیم اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ تخلیقاً و ارسالاً بھی مقدم تھے۔

(۲) اس سے یہودیوں کی تردید بھی مطلوب ہے کہ وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع میں غلو کرتے اور ان کے نسب پر غلط طریق سے اعتراض کرتے تھے۔

(۳) یہود کی کتابوں میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی براۃ میں بہت کچھ بتایا گیا۔ یہاں بھی ان کے ذکر میں تقدیم کر کے گویا ان کی یاد دہانی کرائی گئی۔

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا اور داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ اس جملہ کا عطف اوحینا پر اور اسی کے حکم میں ہے اس لیے کہ زبور کا عطیہ بھی باب وحی سے ہے۔

زبور کا تعارف زبور ایک کتاب کا نام ہے زبر سے ماخوذ ہے یعنے الکتابۃ۔ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زبور کی ایک سو پچاس سورتیں ہیں۔ اس میں شرعی احکام کا بیان نہیں بلکہ اس میں حکمتوں اور مواعظ و تحمید و تمجید اور ثنائے الٰہی کا ذکر ہے۔
حضرت داؤد علیہ السلام جنگل میں تشریف لے جاکر زبور کو پڑھتے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر بنی اسرائیل کے علماء زبور کو سنتے تھے۔ علماء کے پیچھے عوام اہل ایمان کی صف ہوتی، ان کے پیچھے جنات ہوتے۔ جب آپ زبور پڑھتے تو پہاڑوں سے جانور نکل آتے آپ کی پیاری آواز کو سن کر مست ہو جاتے اور وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑے رہتے۔ اڑتے ہوئے پرندے آپ پر سایہ کرتے اور وہ بھی آپ کی آواز میں محو ہو کر آپ کے سر مبارک پر گھومتے رہتے۔ اسی طرح درندے اور وحشی جانور، چرندے (ہرن وغیرہ) جمع ہو جاتے۔ جب آپ نے اُوریا کی عورت سے نکاح کیا اور چونکہ وحی کا انتظار کیے بغیر آپ نے یہ نکاح کیا تھا اور وہ ان کی شریعت میں جائز بھی تھا، اس لیے ان سے کہا گیا کہ ان کو انس آپ کی طاعت کی وجہ سے اور وحشت آپ کے اس نکاح کی وجہ سے ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گزشتہ رات تیری قرأت سے محظوظ ہوا اس لیے کہ تم لحنِ داؤدی دئے گئے ہو۔ فرمایا، میں نے عرض کی: حضور! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اس سے زیادہ بہتر لہجے میں پڑھتا۔

حدیث شریف: حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سارنگی یا کوئی اور سرود اور بانسری کی آواز کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سے بہترین نہیں سنا جبکہ وہ ہمیں صبح کی نماز پڑھاتے تو ہمارا جی چاہتا کہ آپ اس نماز میں سورۂ بقرہ ہی پڑھیں اس لیے کہ وہ خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) به از روئے زیباست آواز خوش — کہ آں حظ نفس است و ایں قوت روح
(۲) و عند هبوب الناشرات على الحمى — تميل غصون البان لا الحجر الصلد

ترجمہ: (۱) حسین چہرے سے آوازِ خوش بہتر ہے کیونکہ وہ حظ نفس ہے اور یہ روح کی غذا۔
(۲) گرمیوں میں ہوا کے سخت جھونکوں سے بان کی ٹہنیاں ہی متحرک ہوتی ہیں نہ کہ سخت پتھر۔

وَرُسُلاً اس کا منصوب ہونا اَرسلنا فعل محذوف سے ہے جیساکہ اس پر اَوحینا دلالت کرتا ہے اور اس کا عطف بھی اسی پر ہے اور اسی کے حکم کی تشبیہ میں داخل ہے گویا کہا گیا ہے کہ ہم نے رسولوں کو بھیجا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ ہم نے آپ کو اُن کے قصّے یعنی اُن کے نام گن کر سنائے مِنْ قَبْلُ اس کا تعلق قصصنٰهم سے ہے یعنی اس سورہ کے نزول سے پہلے یا آج سے پہلے ہم نے آپ کو ان کے قصے سنائے اور آپ نے معلوم کر لیا وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ اور کتنے رسول ہیں کہ ہم نے آپ کو اُن کے قصّے نہیں سنائے یعنی نام گن کر نہیں سنائے۔ رُسل وہ ہیں جن کے ہاں جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے، اور انبیاء وہ ہیں جن کے ہاں جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر نہیں ہوئے، بلکہ ان کے ہاں وحی ربانی دوسرے فرشتوں کے ذریعہ پہنچائی گئی یا بذریعہ خواب کے یا کسی دوسرے طریقے سے، مثلاً الہام سے انہیں پیغاماتِ الٰہی پہنچے۔

انبیاء و رسل کی تعداد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی گئی: رُسل کتنے ہیں؟ اور انبیاء کتنے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں اور تین سو تیرہ رُسل کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ سے انبیاء کی تعداد کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: دو لاکھ چوبیس ہزار۔

مسئلہ: افضل یہی ہے کہ اس آیت کی رُو سے کسی شمار پر عقیدہ نہ رکھا جائے اگرچہ حدیث شریف میں اُن کی گنتی بتائی گئی ہے۔ لیکن وہ خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے اور ظنیات کو اعتقادیات میں دخل نہیں۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْماً اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے حقیقۃً ہم کلام ہوئے۔ اس کا عطف بھی انّا اوحینا الخ پر ہے اور اسے عطف القصہ علی القصہ کہتے ہیں۔

ف: تکلیماً سے فعل کو مؤکد کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام سُنا۔ اس سے قدریہ کا رَد ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محل میں متعلق فرمایا۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام نے سُنا۔ یہ غلط اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہ کہلائے گا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے متعلق تو نہ رہا۔ دوسرا یہ کہ مجازات میں فعل کو مؤکد نہیں کیا جاتا اور تکلیما سے کلام مؤکد ہے۔ مثلاً یوں نہیں کہا جاتا ارادالحائط ان یسقط ارادۃً۔

علاوہ ازیں فراء صاحب فرماتے ہیں کہ اہلِ عرب اسے کلام کہتے ہیں جو انسان کو کسی طریق سے پہنچے جبکہ اسے مصدر سے مؤکد نہ کیا جائے۔ جب اسے مصدر سے مؤکد کیا جائے تو وہ حقیقی کلام ہوتا ہے۔

ف : اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ کسی سے کلام کرنا وحی کے انتہائی مرتبہ کا نام ہے۔
سوال : اگر یہی خصوصیت موسیٰ علیہ السلام کی ہے تو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی کا درجہ کم ہو گیا حالانکہ ایسا نہیں۔
جواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یکبارگی تورات کا نزول ہوا اور پھر اُن کے احکام مفصل طور مذکور ہوئے، اس لیے کہ بنی اسرائیل پرلے درجے کے ضدی اور ہٹ دھرم تھے کہ ان پر تدریجاً احکام نازل ہوتے تو وہ کہتے ایسے کیوں ہوا تو یوں کیوں۔ لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر فضیلت بخشی اور تمام انبیاء علیہم السلام کو وُہ کچھ عطا نہ ہوا جو کچھ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا۔ اس کے باوجود آپ پر کتاب کا نزول تدریجاً ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خصوصیت کسی حکمت پر مبنی تھی اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اپنے مقام پر مسلّم ہے۔ حضرت شیخ عطار (رحمہ اللہ) نے فرمایا : ؎

(۱) کرد در شب سوئے معراجش رواں ۔۔۔ سرِ گل با او نہادہ درمیاں
(۲) رفت موسیٰ بر بساط آں جناب ۔۔۔ خلع نعلین آمدش از حق خطاب
(۳) چوں بنزدیکے شد از نعلین دور ۔۔۔ گشت در وادی المقدس غرق نور
(۴) باز در معراج شمع ذوالجلال ۔۔۔ می شنود آواز نعلینِ بلال
(۵) موسئ عمراں اگرچہ بود شاہ ۔۔۔ ہم نبود آنجاش با نعلینِ راہ
(۶) ایں عنایت بیں کہ بہر جاہ او ۔۔۔ کرد حق با چاکر درگاہِ او
(۷) چاکرش را کرد مرد کوئے خویش ۔۔۔ دار با نعلین راہش سوئے خویش
(۸) موسئ عمراں چوں مرتبت بدید ۔۔۔ چاکر او را چناں قربت بدید
(۹) گفت یا رب امت او کُن مرا ۔۔۔ در طفیل ہمت او کن مرا
(۱۰) اوست سلطان و طفیل او ہمہ ۔۔۔ اوست دائم شاہ و خیل او ہمہ

ترجمہ : (۱) شب کو اس کی معراج کے لیے روانگی فرمائی، گُل کا سر اس کے درمیان رکھا۔
(۲) موسیٰ علیہ السلام اس بارگاہ میں پہنچے تو حق تعالیٰ سے نعلین اتارنے کا حکم ہوا۔
(۳) جب نعلین اتار کر بارگاہِ حق کے قریب ہوئے تو وادیِ مقدس میں جا کر نورِ حق میں مستغرق ہو گئے۔
(۴) لیکن شمعِ ذوالجلال صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ ان کے بلال کے نعلین کی آواز بہشت میں سنائی دیتی تھی۔

(۵) موسیٰ بن عمران اگرچہ بڑی شان والے تھے لیکن وہ بھی نعلین کے ساتھ نہ جا سکے۔
(۶) لیکن محبوب پر عنایت کہ صرف ان کے جاہ و مرتبہ کی وجہ سے ان کے ایک نوکر کو درگاہ میں بڑا اعزاز ملا۔
(۷) ان کے نوکر کو بھی اپنی طرف بُلا لیا بلکہ جُوتے سمیت اپنی طرف راہ دی۔
(۸) موسیٰ بن عمران نے جب یہ مرتبہ دیکھا کہ ان کے ایک نوکر کی یہ شان، اللہ اللہ!
(۹) عرض کی یا اللہ! مجھے بھی ان کا امتی بنا، ان کی ہمت کے طفیل مجھے ایسا ہی کر دے۔
(۱۰) وہی سلطان باقی اس کے طفیل ہو وہی دائمی بادشاہ ہیں باقی نوکر۔

موسیٰ علیہ السلام کی شان وشوکت

مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اکیس[۲۱] میل تاریکی طور کے اردگرد پھیلا دی۔ اس مسافت تک شیطان کو دُور رکھا، اور تمام کیڑوں مکوڑوں کو وہاں سے آگے آنے کا حکم نہ تھا اور اس مقام تک ملائکہ کا پہرہ لگا دیا۔ اس کے بعد آسمانوں کے پردے ہٹا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملائکہ کو آسمان کے خلا پر مجالت قیام دیکھا اور وہاں سے عرشِ معلّٰی کا نظارہ ملاحظہ فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہُوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام بلاواسطہ اور بلا کیفِ صوت وحروف کے سنا۔

رُسُلاً اس کا منصوب ہونا مدح کے طور ہے یہاں پر اعنی محذوف ہے یعنی رسل کرام کو بھیجا مُّبَشِّرِيْنَ اہلِ طاعت کو بہشت کی خوشخبری کے وَمُنْذِرِيْنَ اور اہلِ معصیت کو دوزخ کا ڈرسنائیں لِئَلَّا يَكُوْنَ یہ ارسلنا کے متعلق ہے لِلنَّاسِ یہ یکون کی خبر ہے عَلَى اللّٰهِ یہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے حُجَّةٌ یہ کان کا اسم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تاکہ قیامت میں کافروں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں عُذر کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ عذر کرتے ہوئے کہیں گے کہ یا اللہ! تُو نے ہمارے ہاں کوئی رسول کیوں نہ بھیجا اور نہ ہمیں کوئی علم تھا۔ اگر رسول تشریف لا کر ہمیں تیرے احکام سکھاتا اور ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کرتا اس لیے کہ ہمیں اتنی طاقت کہاں کہ تیرے احکام کو از خود سمجھیں یا ان کی مصلحت کی جزئیات کو معلوم کر سکیں، بلکہ ہمارے ہاں تو کلیات کے ادراک کی بھی اہلیت نہیں چہ جائیکہ جزئیات کا ادراک کر سکیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہمارے لیے ضروری ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے حُجَّةٌ کہا اور تم نے اسے معذرت سے کیوں تعبیر کیا، اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کو کیا جرأت کہ اس پر حُجّۃ قائم کر سکے، اس کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں، وہ

جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔
جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں معذرت کی جائے تو اس کے دریائے رحمت اور فضل و کرم کو جوش آجاتا ہے اسے پھر حُجّۃ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ عذر بمنزلہ حجۃ قاطعہ کے ہے کہ جسے ردّ نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وماکنّا معذّبین حتّٰی نبعث رسولاً۔ اور ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک کہ ان میں رسول نہ بھیجیں۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اللہ تعالیٰ سے زیادہ اور کوئی غیوّر نہیں کہ اس نے ہر طرح کے ظاہری و باطنی فواحش اپنے بندوں پر حرام فرمائے۔ اور اپنی مدح سُننے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اور پسند نہیں کرتا اس لیے اس نے بار بار اپنی تعریف فرمائی۔ اور اس سے زیادہ عذر قبول کرنے والا اور کوئی نہیں۔ اس لیے انبیاء و رسل اور کتابیں بھیجیں۔"

بَعْدَ الرُّسُلِ اُس کا متعلق حجّۃ ہے یعنی رسل کرام بھیجنے اور اُمتوں کو اُن کو اپنی زبانوں سے احکام پہنچانا **وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا** اور اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ سرکشوں کے سوال کرنے پر جواب دینے میں اسے کوئی نہیں روک سکتا اور نہ ہی وہ کسی معاملہ میں کسی سے مغلوب ہو سکتا ہے **حَكِيْمًا** اُس کے تمام افعال میں ہزاروں حکمتیں ہیں منجملہ ان کے ارسال الرسل و انزال الکتب بھی ہے **لٰكِنِ اللّٰهُ** ماقبل کے مفہوم سے استدراک ہے جو کہ انہوں نے سرکشی سے سوال کیا کہ اُن پر آسمان سے کتاب نازل ہو، گویا اُن کے رسول کا اصل منشا یہ تھا کہ ہم اس کی گواہی بالکل نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہاں اس وقت آپ کو رسول مانیں گے جبکہ ہمارے کہنے کے مطابق آسمان سے کتاب نازل ہو پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو وہ آپ کے دعوئ رسالت کی گواہی نہیں دیں گے **يَشْهَدُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ** اس کی گواہی دیتا ہے جو آپ پر نازل ہُوا، اس سے قرآن مجید مراد ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے جبکہ لوگ آپ کی نبوت پر انکار اور آپ کی تکذیب کرینگے اس لیے کہ یہ قرآن فصاحت و بلاغت کی انتہاء کو پہنچا ہُوا ہے کہ جس کی فصاحت و بلاغت پر اولین و آخرین حیران ہیں، اور اس کے معارضہ کی تو بات ہی کیا، اور نہ ہی اُس کی مثل لانے کی کسی کو جرأت ہوئی، نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہو گی۔ اس قرآن نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوئ رسالت پر آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی۔

ف : اللہ تعالیٰ کا بما انزل الخ کی شہادت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کریم معجزات کے اظہار سے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اثبات فرماتا ہے جیسے اور دعاوی دلائل سے ثابت کئے جاتے ہیں۔

اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ اسے اپنے علم سے نازل کیا۔ بعلمہ انزلہ کے فاعل سے حال ہے یعنی اُسے اپنے علم خاص سے ملتبس کر کے نازل فرمایا ہے کہ اُسے صرف وہی جانتا ہے اور ایسے ایسے عجیب غریب طریق سے مرتّب کر کے نازل فرمایا ہے کہ جس کے مقابلہ سے ہر فصیح و بلیغ عاجز ہے یا اس کا مطلب یوں ہے کہ جن پر یہ قرآن پاک نازل فرمایا ہے انھیں وُہ خود جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان میں انوارِ قدسیہ کے اقتباس کی کتنی استعداد ہے **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ** اور فرشتے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں۔

سوال : تمہیں کیسے معلوم ہُوا کہ فرشتے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی گواہی دیتے ہیں ؟

جواب : اُن کی شہادت اللہ تعالیٰ کی شہادت کے تابع ہے جب اللہ تعالیٰ کی شہادت کی تصریح ہے تو ان کی شہادت کا ذکر بھی ضمناً آگیا۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی کافی ہے کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں آپ کی نبوت کی اس صداقت پر ایسے واضح معجزات اور کُھلے دلائل قائم فرمائے کہ آپ کی نبوت کے لیے کسی دوسرے کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! اگر یہود آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ ان کی پروا نہ کیجئے اس لیے کہ جب میں خود الٰہ العٰلمین آپ کی صداقت پر گواہی دیتا ہوں اور عرش و کرسی اور ساتوں آسمانوں کے ملائکہ بھی آپ کی نبوت کے شاہد ہیں تو پھر چند نکمّے لفنگے یہودی آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کیا ہُوا ، ان کی آپ کو ضرورت ہی کیا ہے **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بیشک وہ لوگ جو آپ کی نازل کردہ کتاب کو نہیں مانتے باوجودیکہ اللہ تعالےٰ نے بھی اس کی گواہی دی ہے ، اس سے مراد یہودی ہیں **وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اور اللہ تعالےٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ سبیل اللہ سے دینِ اسلام مراد ہے اور جن کو وُہ روکتے ہیں وُہ اہلِ اسلام ہیں جو حضور علیہ السلام سے استفاضہ کرتے ہیں۔ اور انکار ان کا یہ تھا کہ ہم تو اپنی کتابوں میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کچھ جانتے بھی نہیں **قَدْ ضَلُّوْا** راہِ حق سے روک کر اور کفر کر کے گمراہ ہُوئے **ضَلٰلًا بَعِيْدًا** بہت سخت گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اس لیے کہ گمراہ کن گمراہی میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ اس کا اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بیشک وہ کافر کہ جن کا ذکر ابھی گزرا ہے **وَظَلَمُوْا** اور جنہوں نے حضور نبی علیہ السلام کی نبوت کا انکار

کر کے اور آپ کے اوصاف کریمہ کو چھپا کر ان کے بجائے اور غلط باتیں گھڑیں، اور بہت ظلم کیا۔ یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن میں دنیا و آخرت کی سعادت کے حصول کی صلاحیت تھی لیکن انہوں نے ضائع کر دی لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں لِیَغْفِرَ لَھُمْ کہ انہیں بخش دے اس لیے کہ کافر کی بخشش محال ہے وَ لَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ۙ اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی نہیں کہ ان کی کسی صحیح راستہ کی طرف رہبری کرے سوائے جہنم کی راہ کے، اس لیے کہ ان میں اب راہِ حق اور اعمالِ صالحہ کی استعداد بھی مفقود ہو چکی ہے یعنی بہشت میں پہنچنے کے تمام راستے اب ان کے لیے بند ہو چکے ہیں اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ سے جس ہدایت کا استثناء ہوا ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایسے اعمال سیئہ پیدا فرمائے جو انہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال اس وقت پیدا فرمائے جب انہوں نے اپنی قدرت و طاقت اور اختیار کا رُخ برائیوں کی طرف پھیر دیا یا اس سے قیامت کے دن کا معاملہ مراد ہے کہ ملائکہ کرام انھیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔

ف: طریق میں عموم ہے اور یہ استثناء متصل ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس طریق سے ایک خاص طریق مراد ہے یعنی طریقِ حق، اب یہ استثناء منفصل ہوگا۔

خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ یہ ضمیر منصوب سے حال مقدرہ ہے اس کا عامل وہ ہے جس پر استثناء دلالت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں داخل کرے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اَبَدًا ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اس احتمال کو اٹھانے کے لیے واقع ہوا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہیں فقط چند روز جہنم میں ٹھہرایا جائے گا۔ اس لئے کہ خلود کبھی عرصہ دراز تک ٹھہرنے کے معنے میں آتا ہے وَکَانَ ذٰلِکَ ان کو دائمی طور جہنم میں ٹھہرانا عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے اس لیے کہ یہ محال ہے کہ اس پر متعذر ہو کہ وہ اپنے ارادوں کو پورا نہ کر سکے۔

مسئلہ: جن کو ازل میں نور کے قطرات سے کچھ نصیب ہوا ہوگا تو اسے سزا دینے کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یخرج من النار من کان فی قلبہ ذرۃ من الایمان۔	جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اسے جہنم سے نکال لیا جائیگا۔

تفسیر صوفیانہ جسے اس نورِ ازلی سے کچھ نصیب نہ ہُوا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس لیے کہ وہ ایک عظیم تاریکی میں ہے کہ جس سے اس کا نکلنا اُس کے لیے مشکل ہے

اور وہ بہت سخت گمراہی میں پھنس گیا یعنی اس ازلی نور سے دُور رہا۔ اس سے یہ دنیوی گمراہی مراد نہیں اس لئے کہ یہی گمراہی اس ازلی گمراہی سے ہے۔ ایسے لوگ طریقِ حق سے بھی محروم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قربت سے بھی پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ ہجر و فراق کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ انہیں کبھی بھی ہجر و فرقت کی آگ سے نکالا نہیں جائیگا۔

سبق سالک کو لازم ہے کہ اس شہادت سے پس و پیش نہ کرے، جس کی خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے اور اس کے اور اس کے رسول علیہ السلام کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے بلکہ رسول علیہ السلام کے وارثین (اولیاء و باعمل علماء) کے جملہ ارشادات کے سامنے سر جھکائے اس لیے کہ وہ جو کہتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کا حکم ہوتا ہے۔

حضرت شقیق رحمہ اللہ کے روحانی ملفوظات

حضرت شقیق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری مجلس میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:

(۱) خالص کافر
(۲) خالص منافق
(۳) خالص مومن

اس لیے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ہوتے ہیں:

(۱) جو اُن سے رُوگردانی کرتا ہے وہ خالص کافر ہوتا ہے۔
(۲) جو انھیں سُن کر دل تنگ ہوجاتا ہے وہ خالص منافق ہوتا ہے۔
(۳) جو سُن کر اپنے کئے پر شرمسار ہو کر آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے تو وہ خالص مومن ہوتا ہے۔

روحانی چٹکلہ سالک کو سب سے پہلے اعتقادِ صحیحہ کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ اس کے بعد اسے علم کا حاصل کرنا، پھر اعمال صالحہ، علم کا ثمر عمل صالحہ ہے۔

سالک راہ کے لیے نبوی ارشادات کی ایک فہرست

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم عمل کا راہبر ہے۔

عرض کی گئی: عقل کیا ہے؟
آپ نے فرمایا: ہر بھلائی کا قائد ہے۔

پھر پوچھا گیا: خواہشاتِ نفسانی کیا ہیں؟
آپ نے فرمایا: معاصی - جرائم کی سواری یہی نفسانی خواہشات ہیں۔
آپ سے پُوچھا گیا: مال کیا شئے ہے؟
فرمایا: متکبرین اور سرکش لوگوں کی اوڑھنی۔
پھر سوال ہُوا کہ دنیا کیا ہے؟
آپ نے فرمایا: آخرت کی طرف ہانک کر لے جانے والی یہی دنیا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ یہ خطاب عام مخلوق کو ہے قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بیشک تمہارے ہاں میرے پیارے رسول محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) تشریف لائے بِالْحَقِّ حق لے کر۔ اس سے قرآن مراد ہے کہ جس کے اعجاز نے حضور علیہ السلام کے حق ہونے کو ثابت کیا ہے، یا الحق سے دعوت الی عبادۃ اللہ اور اعراض ما سوی اللہ مراد ہے۔ اس کے لیے عقل سلیم بھی گواہی دیتی ہے کہ یہی بات حق ہے مِنْ رَّبِّكُمْ یہ جاء کے متعلق ہے یعنی حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے اور اسی کے ہی بھیجے ہوئے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے فَآمِنُوا پس اُن پر اور جو احکام وہ ساتھ لائے ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ فاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس کا ماقبل مابعد کے ایجاب کے لیے ہے خَيْرًا لَّكُمْ واجب الحذف فعل کا مفعول بہ ہے۔ دراصل عبارت یُوں ہے اقصد و (یا) أتوا امرا خیرا لکم مما انتم فیه، جس حال میں تم گزار رہے ہو اس سے ہٹ کر اپنے لیے بھلائی کا ارادہ کرو، یا خیراً مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یُوں ہے آمنوا ایمانا خیراً لکم ایمان لاؤ اس میں تمہاری بھلائی ہے یعنی تمہارے ایمان کا تعلق ہے جیسے زبان سے ہو ایسے ہی دل سے ہو وَإِنْ تَكْفُرُوا اور اگر تم کفر پر مداومت کرو گے اور اسی پر اصرار کرتے رہو گے۔ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ تو جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی اُن کے اندر جتنے موجودات ہیں سب اسی کے ہیں، اور خود آسمان اور زمین بھی، اس لیے کہ جب اُن کی اندر والی اشیاء اسی کی ملک ہیں تو وہ خود بھی بطریق اولیٰ اس کے ملک ہوں۔

ف: اُن کے اندر والی اشیاء کا حال تو معلوم ہوگا۔ باقی رہیں وہ اشیاء جو اُن سے خارج ہیں۔ وہ بھی اس کی ملک ہیں اس لیے کہ اگرچہ ان سے وہ خارج بھی ہیں لیکن اُن کا استقرار تو بھی انہی پر ہے اس لیے اس سے صراحۃً ثابت ہُوا کہ جمیع ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب اُسی کی مِلک ہیں، اور اس خطاب میں تمام مخاطب مراد ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ تمام اشیاء تخلیقاً وملکاً وتصرفاً اسی کی مِلک ہیں۔

لایا گیا تو پھر اسے اسفل السافلین کی طرف دھکیلا گیا اور کہا گیا اب اتنی ہمت کیجئے کہ اس پستی سے نکل کر اعلیٰ علیین تک رسائی حاصل کرو، پھر جتنی کسی کی قابلیت ہوتی ہے اُتنی محنت کر کے اس کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اس کے حصول کے دو طریقے ہیں:

(۱) عشقِ مصطفےٰ[1] صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم، اور وہ اتنا ہو کہ جان و مال اور خویش و اقارب، آل و اولاد سب اُن کے نام پر فدا ہو۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع[2] جمیع اوامر و نواہی میں سر تسلیم خم کرے، اس لیے کہ انسان کو اتباعِ نبوی سے ہی روحانی عروج اور ترقی نصیب ہوتی ہے اور اس ذریعہ سے ہی انسان کو کمال نصیب ہوتا ہے۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اُس مرد کی سی ہے جو اپنی قوم کے ہاں آ کر کہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا،

اس میں اشارہ ہے کہ یہ مثال صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے اس لیے کہ آپ نے جن باتوں سے اُمت کو ڈرایا ہے انہیں اپنی آنکھوں سے شبِ معراج معائنہ فرمایا بخلاف دوسرے انبیاء عظام علیہم السلام کے کہ انہیں ایسی معراج نہیں ہوئی یہاں تک وہ بھی انہی باتوں کا معائنہ فرمایا ہو۔ پھر فرمایا میں ہوں نذیر یعنی ڈرانے والا۔ نذیر ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کو ڈراؤنی خبر سنائے۔ العریان (کھلم کھلا ڈر سنانے والا)۔ در اصل العریان اس شخص کو کہتے ہیں جو دشمن سے ملاقات کرے اور وہ اس کے تمام کپڑے اتار لے اور وہ اپنی قوم سے آکر دشمنوں کے تمام حالات بتائے، پھر جو اس کے لیے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ جس میں سختی ہو اور اس کا خطرہ قریب ہو اور اس کا بیان کرنے والا تہمت سے بھی مبرّا ہو اور یہ تمام باتیں حضور علیہ السلام میں پائی گئیں فالنجا اس کا منصوب علی سبیل الاغراء ہے، یعنی لے قوم! نجات طلب کرو، یعنی اپنی نجات حاصل کرنے میں جلدی کرو۔ پھر بعض لوگ اس ڈرانے والے کی بات کو سُن کر اس کی بات مان لیتے ہیں تورات کے پہلے حصے میں نکل کر نہایت ہی آرام سے چل جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں علی مھلھم واقع ہوا ہے بفتح المیم والھاء بمعنے ضد العجلہ یعنی آرام سے نکل جانا

---

[1] جو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو شرک و بدعت سے تعبیر کرے تو پھر کیوں نہ بقول اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کہا جائے: "اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے"

[2] بعض بدبخت ایسے بھی ہیں جو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں سمجھتے ۱۲

اس کی ملکیت اور تصرف سے کوئی شے باہر نہیں، جس کی یہ شان ہو تو اس کے متعلق عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ کافر کے کفر پر عذاب دینے پر قادر ہے، اور جس کا یہ مرتبہ ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں اسے نہ کسی کا کفر ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی مومن کا ایمان نفع پہنچا سکتا ہے، اور جس کا یہ درجہ ہو کہ ساری خدائی اسی کی ہے تو پھر سب اسی کی عبادت کریں اور اس کے حکم کے آگے سر جھکائیں **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے وہ سب کے حالات سے بے خبر ہے۔ تمہارا کفر کرنا بھی اس کے علم میں ہے **حَكِيْمًا** اُس کے اپنے جملہ امور میں سو سو حکمتیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ تمہیں تمہارے کفر پر عذاب دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا بہترین نکتہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک غیبی نور ہیں جو ہمارے اجساد کی طرف نبوت کا پیغام لے کر تشریف لائے ہیں، جو ان کی نورانیت سے فیض یاب ہونے کی استعداد رکھتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے، جو آپ کی نورانیت سے محروم ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تمام مشائخ کا اتفاق ہے کہ جو شخص مثلاً کتے کی رسّی کتے کے ہاتھ میں دے دے تو کتا اپنے طبعی مزاج کی وجہ سے کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اسی طرح نفس کی حالت ہے کہ اسے ریاضاتِ شاقہ کی مضبوط رسّی سے جکڑے رکھو تو تابع ہے اگر اسے خود مختار چھوڑ دو، تو پھر وہ جانوروں کی طرح بے قابو ہو کر جو چاہتا ہے کرتا ہے لہٰذا سالک پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھے، اسے آوارہ نہ چھوڑ دے، اور اس برگزیدہ نبی علیہ السلام کی تابعداری کو سعادت سمجھے کہ قیامت میں تمام انبیاء از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام اور تمام اولیاء انہی کے جھنڈے تلے ہوں گے، بلکہ اپنے اوپر واجب جانے۔

علمِ غیبِ نبی کے منکر کی گت اس بدبخت کو دیکھو کہ نجومیوں، جوگیوں، مجوسیوں کی فالوں اور حسابوں وغیرہ کے سامنے سر جھکاتا اور اس میں اپنی بھلائی سمجھتا ہے جو کہ وہ نرے ڈھکوسلے اور خیالی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن جب پیغمبر علیہ السلام کی غیبی باتیں سنائی جاتی ہیں تو انکار کرتا ہے۔ غور کیجئے اگر ابن البیطار (طبیب) کہہ دے کہ عقاقیر واحجار میں یہ فوائد ہیں اور اتنا نقصان ہے تو فوراً عملی کارروائی شروع ہو جاتی ہے لیکن جن امور کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے یا رد کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان میں اتنے فوائد ہیں اور اتنے نقصانات ہیں لیکن اُن کی بجا آوری میں پس و پیش ہوتی ہے اور سستی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا یہ امور ہمارے لیے نہیں بلکہ کسی دوسری قوم کے لیے ہیں۔

ف : انسان کو جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے الست بربکم کے مقام پر

اور دوسرے لوگ اُس کی بات نہ مان کر وہیں پر ٹھہر جاتے ہیں تو دشمن کا لشکر ان پر صبح کو ہلہ بول دیتا ہے جیسا کہ عام طور پر دشمن کی عادت ہے کہ پہلی صبح میں اپنے مخالف پر حملہ کرتا ہے پھر وہ انہیں ہلاک اور تباہ و برباد یعنی ان کی پُورے طور بیخ کنی کر دیتا ہے۔ اب وجہ تشبیہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جس نے میری اطاعت کی اور جن احکام کو میں لایا ہوں ان کی تابعداری کی۔ اس میں اشارہ ہے کہ مطلق گناہ مہلک نہیں بلکہ تباہی و بربادی اس وقت ہے جبکہ اس کے ساتھ حق کی تکذیب بھی ہو (کذا فی مشارق الانوار لابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ) حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محالست سعدی کہ راہ خدا | تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: جس نے پیغمبر کا خلاف اختیار کیا وہ ہرگز منزل پر نہ پہنچے گا۔ اے سعدی! یہ بالکل محال ہے کہ راہِ خدا پر نقش قدم مصطفیٰ کے بغیر پہنچا جا سکے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ یہ کتاب صرف نصاریٰ کو ہے لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی شان حد سے نہ بڑھاؤ اور ان کے لیے الوہیت کا دعویٰ مت کرو۔ الغلو بمعنے تجاوز عن الحد۔

مسئلہ: دین اور مذہب میں غلو اور مبالغہ کہ اس کی حد سے تجاوز کیا جائے نہایت ہی قبیح امر ہے۔

شیعہ اور روافض کی تردید جیسا کہ ہمارے دور میں بہت سے لوگ اپنے مذہب و مسلک میں غلو کرتے ہیں، ان میں ایک غالی فرقہ شیعہ بھی ہے جو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات میں غلو کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ آپ کے لیے اُلوہیت کے مدعی ہیں۔

معتزلہ کی تردید ان میں معتزلہ بھی ہیں کہ وہ تنزیہ باری تعالیٰ میں غلو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کر دیا۔

مشبہیہ فرقہ کا رَد ان میں مشبہیہ فرقہ بھی ہے جو اثباتِ باری تعالیٰ میں غلو کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانیت کے قائل ہیں حالانکہ وہ کریم ایسی باتوں سے بلند و بالا ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں[1]۔

---

[1] ہمارے دور میں غیر مقلد وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مودودی بھی ہیں جو توحید کے غلو میں انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کی تعظیم و تکریم کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور پرویزی و چکڑالوی بھی ہیں جو قرآن مجید کے عشق میں احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ اور مرزائی بھی ہیں کہ قادیانی کی محبت میں ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں وغیرہ۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ۔

حدیث شریف : اس غلو کو مٹاتے ہُوئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسے نصرانیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی شان میں غلو کیا۔"

یعنی حد سے متجاوز ہو کر میری مدح و ثنا میں عیسائیوں کی طرح مبالغہ نہ کرو[1] کہ وہ بھی ان کی مدح و ثنا میں حد سے بڑھے اور گمراہ ہُوئے ۔ یعنی کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) خدا کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) اور کہو وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں ۔ یعنی میرے متعلق اتنا مانو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

نکتہ : عبدیت کو رسالت کی تقدیم جیسے التحیات میں بھی ہے اس لیے کہ یہود و نصارٰی کا رد ہو جائے ۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور ہم اہلِ اسلام اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول ہیں، اور معصیت میں غلو سے نفس کے صفات مذمومہ مراد ہیں اور نفس سے نفس امارہ مراد ہے کہ وہ ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور وہ سراپا برائی ہی برائی ہے ؎

مبر طاعتِ نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگرست

ترجمہ : نفس شہوت پرست کی اطاعت مت کر کیونکہ ہر آن اس کا نیا قبلہ ہے ۔

وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اور اللہ تعالیٰ کے لیے وہ بات کہو جو حق ہو ۔ یعنی اُسے ایسی صفات سے موصوف نہ کرو کہ جن سے اسے موصوف کرنا محال لازم آتا ہو ۔ جیسے حلول، اتحاد، زوجہ اور ولد ثابت کرنا وغیرہ بلکہ اُس کی اِن تمام امور سے تنزیہ و تقدیس بیان کرو الا الحق یہ استثنا مفرغ ہے اس کا منصوب ہونا مفعول ہونے کے ہے، جیسے کہا جاتا ہے : قلت خطبةً یا مصدر محذوف کی صفت ہے کہ در اصل الا القول الحق تھا ۔ یہی معنٰی کے لحاظ سے مناسب ہے **اِنَّمَا الْمَسِيْحُ** یہ مبتدا اور یہ بہترین القاب میں سے ایک لقب ہے جیسے صدیق، فاروق بہترین القاب ہیں ۔ عبرانی لغت میں یہ در اصل المشیح تھا بمعنے مبارک **عِيْسَى** المسیح سے بدل ہے ایشوع کا معرّب ہے، **ابْنُ مَرْيَمَ** یہ صفت ہے ۔ اس سے ان کے اِس باطل عقیدہ کا رد مطلوب ہے جو کہا کرتے کہ

---

[1] مبالغہ کا مطلب خود حضور علیہ السلام نے خود متعین فرما دیا کہ میرے لیے الوہیت کا دعویٰ نہ کرنا، ورنہ حضور علیہ السلام کی مدح و ثناء میں مبالغہ کیسا جبکہ آپ کی شانِ اقدس کا کیا کہنا ۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے ۱۲
اویسی غفرلہٗ

(معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور مریم بمعنے عابدہ۔ بی بی صاحبہ کا یہ نام اس لئے تھا کہ وہ بہت عبادت گزار تھیں، دوسرا اس وجہ سے بھی ابن مریم کی تصریح کی گئی ہے کہ قیامت میں ہر ایک کو اس کی ماں سے منسوب کرکے پکارا جائے گا۔ جیسے حدیث تلقین سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن کے بعد کہا جاتا ہے یا فلان بن فلانۃ اور قیامت میں اس طرح سے پکارنا اللہ تعالیٰ کی ستار العیوبی ہے۔ رَسُوْلُ اللّٰہِ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ یعنی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سے آگے کے رتبہ کے لائق نہیں، یعنی نہ خدا ہیں اور نہ اس کے بیٹے اور یہی قول حق ہے وَکَلِمَتُہٗ ج اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ ہیں اس کا عطف رسول اللہ پر ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ اور امر کُن سے بلا واسطہ رب و نطفہ پیدا ہوئے۔

سوال: دوسری مخلوق بھی تو امر کُن سے پیدا ہوئی پھر عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیوں؟

جواب: دوسروں سے کُن کا تعلق وسائط سے ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے اُس کا تعلق آباء سے ہُوا، پھر ابناء سے، اور عیسیٰ علیہ السلام سے لفظ کُن کا تعلق اُن کی والدہ ماجدہ کے شکم شریف میں ہُوا۔ وہاں درمیان میں رب کا واسطہ نہیں ہے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ فرمایا۔ اور کُن بھی اللہ تعالےٰ کا کلمہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی ہے کہ اُن کا جسم اطہر بھی مٹی سے تیار ہوا تو اُن کے اندر پھونکنے کے وقت فرمایا کن۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام باپ کے واسطہ کے بغیر پیدا ہوئے فلہذا ان کو بھی کن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ اس کلمہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ڈالا۔ یعنی جبریل علیہ السلام کے نفخ سے انہیں بی بی مریم کی طرف پہنچایا وَرُوْحٌ مِّنْہُ اس کا عطف کلمتہٗ پر ہے اور منہ روحٌ کی صفت ہے۔

عیسائیوں کا رَد

مِن مجازاً ابتدائے غایت کے لیے ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ جیساکہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا ایک جزء ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اجزاء کا ہونا محال ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جُزء کیسے ہُوئے۔

مناظرہ مابین علامہ خراسانی و نصرانی

منقول ہے کہ ہارون الرشید کا ایک نصرانی طبیب تھا جو نوجوان اور حسین و جمیل اور ادیب تھا۔ اس میں وہ تمام اچھی خصلتیں موجود تھیں جو بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہونے والوں کے اندر ہونی چاہئیں۔ ہارون الرشید کو بیحد شوق تھا کہ کسی طرح یہ نصرانی اسلام قبول کرلے چنانچہ اسے طرح طرح کے لالچ دیئے گئے لیکن وہ ایک نہ مانا، بلکہ اُس نے ایک دفعہ ہارون الرشید پر

ایک ایسا اعتراض کر دیا کہ جس سے اچھا دماغ چکرا دیا۔ وہ اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے و روح منہ فرمایا اور یہ جزئیت پر دلالت کرتا۔ یہ سُن کر ہارون الرشید متحیر ہوگیا، اس سے جواب نہ بن پڑا تو اس نے اپنے علاقہ کے علماءِ کرام کو بلایا، کسی سے اس کا حل نہ ہوسکا۔ یہاں تک کہ حج کے موقعہ پر اطراف و اکناف کے لوگ جمع ہوئے تو کسی نے ہارون الرشید سے کہا کہ خراسان سے ایک عالم دین تشریف لائے ہیں اس سوال کا ازالہ وہی فرما سکتے ہیں اور ان کا اسم گرامی علی بن الحسین بن واقد ہے اور وہ مروہ کے رہنے والے ہیں اور قرآنی علوم کے امام مانے ہوئے ہیں۔ ہارون الرشید نے اس عالم دین سے عرض کیا کہ اس طبیب نصرانی سے گفتگو کریں۔ چنانچہ ایک جگہ مقرر ہوئی، طبیب نصرانی کو لایا گیا اس نے یہی اعتراض کیا تو اس سے وہ عالم دین بھی متحیر ہوگیا اور ہارون الرشید سے کہا کہ اس خبیث کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی الہام فرمایا کہ یہ تیرے سامنے مجھ پر اعتراض کرے گا لیکن مجھے اعتراض اور اس کے جواب سے آگاہی نہیں فرمائی اور نہ ہی مجھے اب اس کا جواب مستحضر ہے مجھے تین دن مہلت دیجئے، اس اثناء میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ امید ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق آگاہی بخشے گا۔ چنانچہ یہ کہہ کر ایک تاریک مکان میں بیٹھ گئے اور باہر سے تالے کھلوا دئے اور قرآن مجید کو تدبر و تفکر سے پڑھنے لگے۔ جب سورہ جاثیہ کے اس مقام پر پہنچے وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ تو اندر سے چیخ مار کر پکارے اور فرمایا: دروازہ جلد کھولو اور اُس نصرانی طبیب کو بھی بلاؤ، اس لیے کہ مجھے اُس کے سوال کا جواب منکشف ہوگیا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور اس نوجوان طبیب کو بھی بلایا گیا تو اس عالم دین نے ہارون الرشید کے سامنے طبیب کو یہی آیت سنائی اور فرمایا کہ اگر روح منہ سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا جزء ہونا ثابت ہوتا ہے تو جمیعاً منہ سے تمام آسمان اور زمین کے اندر کی جملہ اشیاء اللہ تعالیٰ کے اجزاء ماننے چاہئیں۔ اس سے نصرانی طبیب لاجواب ہوکر مسلمان ہوگیا۔ اس سے ہارون الرشید بہت خوش ہوئے اور حضرت علی بن الحسین الواقدی المروزی کو بہترین اور نفیس اشیاء انعام کے طور پر پیش کیں۔ علامہ موصوف واپس گھر تشریف لائے تو ایک کتاب مسمّٰی بہ 'النظائر فی القرآن' تصنیف فرمائی۔ بفضلہ تعالیٰ بے نظیر تصنیف ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ روح سے پہلے ذُو محذوف ہے یعنی حضرت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاحبِ رُوح تشریف لائے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی شرافت سے انہیں اپنی طرف منسوب فرمایا بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس روح سے وہی روح مراد ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کی چھاتی میں پھونکا اور وہ بی بی کے منہ سے شکمِ اطہر کے اندر چلا گیا، اس سے وہ حاملہ ہوئیں۔ اس نفخ کو

روح سے تعبیر فرمایا اس لیے کہ روح ایک ہوا ہوتی ہے اور پھر چونکہ وہ نفخ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، بنا بریں اسے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

اعجوبہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تاکہ ان سے عہد و پیمان لے۔ بعد فراغت ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں ودیعت رکھا اور عیسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک کو اپنے ہاں روک لیا۔ جب اُن کے پیدا کرنے کا ارادہ ہوا تو اس رُوح کو بی بی مریم کے شکمِ اطہر کے اندر داخل ہونے کا حکم فرمایا تو عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ کے اندر داخل ہوئے، بنا بریں انہیں اپنی طرف منسوب فرمایا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف نفخ جبریل علیہ السلام سے نہیں بلکہ اس میں بی بی مریم کا پانی بھی ملا، تب ان کی تخلیق ہُوئی۔ یہی قول محققین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جُونہی جبریل علیہ السلام نے پھُونک ماری تو ماں کے پیٹ میں داخل ہوئے تو فوراً انسانی شکل میں ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نفخ کے بعد آٹھ ماہ تک ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرے رہے۔ ان دونوں میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے یعنی ابھی گئے ابھی آئے۔

تفسیر صُوفیانہ رُوح کی شرافت بعض اشیاء پر اس لیے بھی ہے کہ روح کو اللہ تعالیٰ کے کسی واسطہ کے بغیر امر کُن سے پیدا فرمایا ودوح منه کہا ایسے ہی روح کے لیے فرمایا قل الروح من امر ربی۔ پھر جیسے رُوح کی شان ہے کہ مُردہ اجسام میں جاتے ہی زندگی پیدا فرما دے۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاصہ تھا کہ مُردوں کو زندہ اور مادر زاد اندھوں اور برص والوں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے تندرستی و شفا بخشتے، اسی طرح مٹی سے بنائے ہوئے پرندے کو پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑنے لگتا۔

ف: یہ استعداد روحانی بھی کلمۃ اللہ ہے جس کا مرکز انسانی جبلت ہے اور اسے امرِ ربّی سے پیدا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام میں بلا تکلف پیدا فرمایا کہ اس جوہر کو معدن سے نکالنے میں اتنی سعی نہیں کی گئی جتنی دوسرے کے متعلق، اس لیے کہ ان کی رُوح دوسرے ارواح کی طرح اصلابِ آباء و ارحامِ امہات میں نہیں رہی، اس لیے کہ ان کی روح اُن کے جسم میں ظاہر و باہر تھی اور ان پر باپ کے جسم کے اثرات نہیں تھے اور ہمارے جوہر چونکہ ہمارے جسم میں پوشیدہ اور اس پر ہمارے آباء کی بشریت کے آثار بھی اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے وہ جوہر مخفی ہوتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام میں اس روح اور جوہر کی غیر پوشیدگی کی

وجہ تھی کہ آپ سے زمانۂ طفولیت ہی میں کئی معجزات کا ظہور ہوا اور چونکہ ہمیں اس جوہر کو اپنے جسم کی ظلمات سے باہر نکالنے کی بہت بڑی جد و جہد کرنی پڑی کہ وہ صفاتِ بشریہ جو ہمیں آبا و اجداد کی بشریت سے ورثہ میں ملے، انہیں دور کرنا پڑتا ہے، ان صفاتِ بشریہ کو دور کرنے کے لیے ایک رہبر ضروری ہے کہ جس کے اوامر و نواہی سے ہم اس بہت بڑے سخت کام کو سرانجام دے سکیں اور وہ رہبرِ کامل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

جس نے اپنے جوہرِ روحانی کو بشریت و انسانیت کی گرد و غبار سے صاف رکھا تو وہ اپنے وقت کا مسیح ہوگا اُس کے نفوس کی برکات سے کئی مُردہ دل زندہ ہونگے اور کئی بہرے کان سماعتِ حق سے بہرہ ور اور کئی آنکھیں دیدہ ور ہوں گی، اور وہ اپنے دَور میں وقت کے نبی کی طرح ہوگا۔ ہماری اس تقریر پر سالک کو غور کرنا لازمی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) عیسیٰ اندر مہد دارد صد نفیر — کہ جوان ناگشتہ ما شیخیم و پیر
(۲) پیر پیرِ عقل باید اے پسر — نے سفیدی موئے اندر ریش و سر
(۳) چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو — ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر شو
(۴) دست را مسپار جز در دست پیر — حق شدست آں دست را دستگیر
(۵) چوں بداری دستِ خود در دستِ پیر — پیر حکمت کو علیم است و خبیر

ترجمہ: (۱) عیسیٰ (علیہ السلام) گہوارے میں بار بار فرما رہے ہیں کہ ہم جوان نہیں بلکہ شیخ اور پیر ہیں۔

---

(۲) پیر عقلاً پیر ہونا چاہیئے نہ کہ سر اور داڑھی کے بالوں کی سفیدی کی وجہ سے۔
(۳) جب تُو نے تسلیم کا لباس پہن لیا تو پھر تجھے موسیٰ علیہ السلام کی طرح خضر کے تابع ہونا ضروری ہے۔

---

(۴) ہاتھ کو سوائے شیخ (مرشد) کے کسی دوسرے ہاتھ میں نہ دے، حق یہی ہے کہ اسی ہاتھ کو پکڑ۔
(۵) جب تُو پیر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ چکا تو اب اسی کا ہو جا کیونکہ پیر (مرشد) ہی

حکمت کو بخوبی جانتا ہے اور اس سے خوب آگاہ ہے۔

سوال: چونکہ نفخ روح حضرت جبریل علیہ السلام سے ہوئی اور قاعدہ ہے الولد سر لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے) بنا بریں لازم تھا کہ عیسٰی علیہ السلام بھی روحانیین کی صورت میں ظاہر ہوتے۔

جواب: حضرت جبریل علیہ السلام بشری لباس میں تشریف لائے، روحانیین کی صورت میں نہ تھے اور ان کی والدہ میں نطفہ بھی تمثل بشری کی حالت میں ٹھہرا اور نفخ صورت کے وقت بھی بشری لباس میں تھے اس لیے اکمل و اتم صورت بشری ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام کے حضور میں تجلیاتِ ربانیہ نوجوان گھنگھریالے بالوں میں بشری صورت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اکثر دحیہ کلبی (صحابی) کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ ماں کو بوقتِ استقرارِ نطفہ جیسی صورت متصور ہوتی ہے ویسی شکل میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔

حکایت ۱ منقول ہے کہ ایک عورت کو ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی شکل تو انسانی تھی مگر جسم سانپ جیسا تھا، اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: بحالتِ استقرار میرا خیال سانپ کی صورت کی طرف لگ گیا تھا۔

حکایت ۲ منقول ہے کہ ایک عورت کو ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی چار آنکھیں تھیں اور اس کے دونوں پاؤں ریچھ کی طرح تھے۔ وہ عورت قبطیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ کہتی ہے کہ جب اس کے شوہر نے اس سے جماع کیا اس وقت اس کے سامنے دو ریچھ کھڑے تھے۔ اسی تصور میں نطفہ ٹھہرا تو اسی طرح کا بچہ پیدا ہوا۔

سبق امورِ تخلیقیہ میں اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز اور بہت بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔ وہ جیسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے (کذا فی حل الرموز)

تفسیر عالمانہ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ صرف اسی کو الٰہ مانو وَرُسُلِهٖ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ، یعنی انہیں وصفِ رسالت کی حیثیت سے مانو، انہیں وصفِ رسالت سے نکال کر الوہیت کے درجے میں نہ لے جاؤ۔ اور عیسٰی علیہ السلام منجملہ رسل کے ایک رسول ہیں فلہذا انہیں بھی صرف رسول ہی مانو نہ کہ انہیں الوہیت کے درجہ میں لے جاؤ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اور تین خدا نہ مانو، جیسے نصارٰی کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں:

(۱) اللہ

(۲) عیسٰی علیہ السلام

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بی بی مریم علیہا السلام ۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ءَ أنت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین من دون اللہ ۔ (اے عیسیٰ علیہ السلام) کیا تم نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود مانو ۔

اگر نصاریٰ کا مذہب صحیح ہو کہ اللہ کے تین اقنوم ہیں:

(۱) اقنوم الاب
(۲) اقنوم الابن
(۳) اقنوم روح القدس

اقنوم اول سے ذات بعض کے نزدیک وجود اور اقنوم ثانی سے علم اور اقنوم ثالث سے حیات مراد لیتے ہیں ۔

اِنْتَهُوْا تین معبود ماننے سے باز آجاؤ خَيْرًا لَّكُمْ یعنی معبود ماننے سے باز رہنا تمہارے لیے بہتر ہے، یا بھلائی کی طرف آؤ۔ تین خدا ماننا چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانو اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بیشک تمہارا معبود صرف ایک ہے، یعنی وہ واحد بالذات اور تعدد سے منزّہ ہے۔ کوئی صورت اس کے لئے تعدد کی نہیں ہے۔ اللہ مبتدا، اور الٰہ اس کی خبر اور واحد اس کی صفت ہے یعنی وہ الوہیت میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ میں اس کی تقدیس و تسبیح کرتا ہوں کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اس لیے کہ جس کی اولاد ہو وہ فانی ہوتا ہے دوسرا اولاد صرف اس لیے ہوتی ہے کہ وہ نسل ختم نہ ہو، جیسے ملائکہ کی اولاد نہیں اور اہل بہشت کی اولاد نہیں اور ذاتِ حق کو دائمی بقا ہے اور اولاد حادث اور فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو جبکہ وہ ازلی و ابدی اور طرح کی مثال سے منزّہ اور تمام اشیاء سے مقدس ہے۔ مثنوی میں ہے:

لَمْ يَلِدْ لَمْ يُوْلَدْ است او از قدم
نہ پدر دارد نہ فرزند و نہ عم

ترجمہ: وہ قدیم سے لم یلد و لم یولد ہے اس کا نہ باپ نہ اولاد نہ چچا وغیرہ ۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے تنزیہ کی تعلیل و تقریر کے لیے لایا گیا ہے یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اسی کی مِلک ہے خلقاً و مِلکاً و تصرفاً اس کی ملکیت سے کوئی شے بھی خارج نہیں ہو سکتی۔ ان اشیاء میں سے عیسٰی علیہ السلام بھی ہیں، جب اس کی یہ شان ہے تو پھر اس کی اولاد کیسی!

ف: ابن الشیخ اپنے حواشی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جابجا تنزیہ فرمائی ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر کی تمام اشیاء اس کی ملکیت ہیں خلقاً و مِلکاً و تصرفاً اس سے ان جاہل لوگوں کا رَد ہے جو کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مِلک اور مخلوق بھی ہے اور بیٹا بھی۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خالق و مخلوق میں کسی قسم کی جنسیت کا تصور نہیں ہو سکتا بلکہ مالک و مملوک بھی جنسیت سے پاک ہیں پھر بھی وہ اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کے لیے ولد اور زوجہ ثابت کرتے ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ ہی سب کا وکیل ہے۔ یعنی تمام مخلوق اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتے ہیں اور جمیع عالم سے مستغنی ہے پھر اس کے لیے اولاد کا تصور کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اولاد کا ہونا عجز اور محتاجی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اولاد کے لیے یہی تصور ہوتا ہے کہ وہ اپنے آباء کے قائم مقام ہو کر اُن کے جملہ امور کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے یا کم از کم اُن کی معاونت کریں گے۔ توحید پر مندرجہ ذیل شعر دلالت کرتا ہے: ؎

کل شئ ذاته لی شاهد
انما الله اله واحد

ترجمہ: ہر شئے شہادت دیتی ہے کہ بے شک الٰہ صرف ایک ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اہلِ توحید کا مطمحِ نظر جنّات (بہشت) نہیں، اور ان کے ذوق کے لیے بہشت کی نعمتیں کچھ نہیں۔

حکایت

ایک ولی کامل جنہیں سکری بابا کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ کئی کئی روز تک استغراق میں رہتے یہاں تک کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ یہ مُردہ ہیں اُن کے منہ میں کوئی دوائی رکھتے تو وہ صرف ایک روز افاقہ پا کر پھر مستغرق ہو جاتے۔ ایک دفعہ انہیں خیال گزرا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دیں اور اولاد کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے ہی لَو لگائیں، وہ فرماتے ہیں اس اثناء میں مجھے ملکوت میں دیگر ارواح کے ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، وہ والٰہُ واحد کی تفسیر فرما رہے تھے۔ لیکن جب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہُوا تو آپ کو ایک

نورانی کرسی پر بیٹھا دیکھا اُس کُرسی کے چار نورانی پائے تھے :
(۱) نورِ اسود مرتبۂ طبیعت ۔
(۲) نورِ احمر مرتبۂ نفس ۔
(۳) نورِ اخضر مرتبۂ نور ۔
(۴) نورِ ابیض مرتبۂ سر ۔

میرے متعلق عرش سے آواز آئی کہ سکری بابا کو چھوڑ دو اور اسے کہو کہ گھر چلا جائے اس کے بچے رو رہے ہیں ، وہ اس لیے فرمایا گیا کہ میں نے ارادہ کر رکھا تھا کہ بال بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر یکسوئی اختیار کر دوں۔ پھر بچوں نے آہ و بکا شروع کر دی اور قسم کھائی کہ ہم یہ ہرگز نہیں کرنے دیں گے ۔ اس سے سکری بابا بہت گھبرایا ۔

ف : انہیں سکری اس لیے بھی کہتے تھے کہ جب بھی اُن سے شکر مانگی جاتی فوراً جیب سے نکال کر دے دیتے تھے ۔ یہاں تک کہ حمام میں کھڑے ہوئے دیکھ کر کسی نے اُن سے کہا : بابا شکّر دیجئے ۔ آپ نے وہاں سے مٹّی اٹھا کر دے دی اور فرمایا : یہ لو شکّر ۔ جب دیکھا گیا تو وہ واقعی شکّر تھی ۔ اس کے بعد لوگوں کے ان کے متعلق شکوک و شبہات دُور ہو گئے ، اور آپ کو سکّری بابا کے نام سے مشہور کر دیا ۔

فائدہ صوفیانہ حضرت الشیخ الشہیر با قتادہ آفندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، ملکوت کسی علوی مالک کا نام نہیں بلکہ ملک و ملکوت سب انسان کے پاس ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان سے منزّہ ہے اور ذہاب و ایاب (آمدورفت) سے پاک ۔ وہ تو ہر وقت انسان کے پاس ہے کما قال وھو معکم اینما کنتم ۔

سبق سالک کا ایک ایسا مقام بھی ہے کہ جس میں اس کی توجہ ذاتِ الٰہی کے جلوؤں پر ہوتی ہے اسے مقامِ معیت کہا جاتا ہے ، اس کے بعد مقامِ فنا میں پہنچتا ہے جو بالکل مٹ کر من تُو شُدم تُو من شُدی کا مرتبہ پا لیتا ہے اسے مقامِ جمع کہا جاتا ہے ۔ اس مقام میں اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو چارسُو نور محیط ہو جائے تو اسے تاریکی نظر نہیں آتی بلکہ وہ نور ہی نور دیکھتا ہے ۔ مثلاً سورج کو غور سے دیکھئے کہ اس میں نور ہی نظر آتا ہے ۔ لیکن یاد رکھئے سالک کو جب یہ مقام نصیب ہوتا ہے تو ذاتِ حق کے جلوؤں کو اس ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھتا اور نہ ہی ایسے دیکھتا ہے جیسے اور اشیاء ذی اجسام کو دیکھا جاتا ہے بلکہ وہ دیکھنا اور نظر آنے والے کی کیفیت کچھ اور طریق سے ہے جسے اولیاءِ کاملین اور علماءِ عاملین نے بیان فرمایا یعنی بے صورت کو چشمِ بصیرت سے

(باقی بر صفحہ)

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ
الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ
اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ج
وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا
نَصِيْرًا ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ
فَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ ط يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ
اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ
وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا
وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ
وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ع

ترجمہ: مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب فرشتے، اور جو اللہ کی بندگی

سے نفرت اور تکبر کرے تو کوئی دم جاتا ہے کہ وہ ان سب کو اپنی طرف ہانکے گا تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی مزدوری انھیں بھرپور دے کر اپنے فضل سے انھیں اور زیادہ دے گا اور وہ جنہوں نے نفرت اور تکبر کیا تھا انہیں دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار، اے لوگو! بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا، تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی مضبوط تھامی تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا اے محبوب تم سے فتوٰی پوچھتے ہیں تو تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتوٰی دیتا ہے اگر کسی فرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو، پھر اگر دو بہنیں ہوں ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر، اللہ تمہارے لیے صاف بیان فرماتا ہے کہ کہیں بہک نہ جاؤ، اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ مسیح علیہ السلام اپنی کسر شان نہیں سمجھتے۔ اساس البلاغۃ میں ہے استنکف منہ و نکف ای امتنع (رک گیا) والقبض انفا و حمیۃ یعنی عار سمجھ کر کسی شئے سے متنفر ہوا اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا تو بہت بڑی بزرگی ہے، یہ جسے حاصل ہو جاتی ہے وہ فخر و ناز کرتا ہے۔ ہاں ذلت و خواری اس میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبودیت اختیار کی جائے۔

شانِ نزول نصارٰی کا وفد نجرانی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمارے بزرگ کو کیوں گھٹاتے ہیں؟ آپ نے پوچھا: تمہارے بزرگ کون سے ہیں؟ انہوں نے عرض کی، حضرت عیسٰی علیہ السلام۔ آپ نے فرمایا، میں انہیں کیا کہتا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ کوئی عیب نہیں۔ انہوں نے عرض کی: ہاں یہ ان کی تنقیص ہے۔ اُن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ اس کا عطف المسیح پر ہے یعنی ملک مقرب بھی عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں۔

ف : ان ملائکہ سے کروبیین مراد ہیں اور یہ وہ ہیں جو عرش کے قریب رہتے ہیں جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، اور وہ جو ان کے ہم مرتبہ ہیں۔

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ اور جو بھی عار کرتا ہے عَنْ عِبَادَتِهٖ اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت سے۔ یہ تمام کفار کو شامل ہے اس لیے کہ وہی اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے محروم ہیں وَيَسْتَكْبِرْ اور تکبر کرے۔ استکبار استنکاف میں کم ہے، اس کا استنکف پر عطف ہے۔ یہ اس لیے لایا گیا کہ استنکاف سرے سے استحقاق کے انکار کو کہا جاتا ہے اور استکبار استحقاق مان کر انکار کیا جاتا ہے فَسَيَحْشُرُهُمْ عنقریب ان سب کو قیامت میں جمع فرمائے گا جَمِيْعًا کوئی بھی نہ رہے گا مستنکف ہو یا متکبر، مقر ہو یا مطیع پھر سب کو جزا و سزا دے گا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ پس جو مومن اور نیک عمل کرنے والے ہوں گے انہیں پوری پوری جزا دے گا یعنی ان کے اعمال کی انہیں پوری پوری جزا ملے گی، کسی قسم کی کمی نہ کی جائے گی وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور اپنے فضل سے اُن کے لیے اُن کے اجر و ثواب میں اضافہ فرمائیگا، یعنی ان کے اعمال سے کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا اور انہیں ایسے انعامات نصیب ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ کسی کان نے سُنے، اور نہ ہی کسی کے دل میں ان کا تصور آسکتا ہے وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار کیا ہوگا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ اور تکبر کیا ہوگا تو ان کے استنکاف واستکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا فرمائے گا عَذَابًا اَلِيْمًا وہ ایسے دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اُس وقت نہیں پائیں گے وَلِيًّا کوئی مددگار جو اُن کے معاملات کو سلجھائے وَلَا نَصِيْرًا اور نہ کوئی حمایتی جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور خوف سے بچا کر ان کی مدد کر سکے۔

ایک گمراہ فرقے کا عقیدہ اور ان کا رد

اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ ملائکہ کرام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رد کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان فرمائی ملائکہ پر عطف ڈال کر، اور یہ قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ سے معطوف افضل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام معطوف علیہ اور ملائکہ معطوف ہیں اس سے لازماً ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے استنکاف نہیں۔ اس لیے کہ ملائکہ کرام کو استنکاف نہیں۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ملائکہ کرام انبیاء عظام علیہم السلام سے افضل ہیں اُن کے اس باطل عقیدہ اور غلط دلیل کا رد یوں ہے کہ یہ تمام باتیں سب کو مسلّم ہیں کہ یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذکر کرنے کی تخصیص صرف اس لیے کہ اس سے عیسائیوں کا رد کرنا مطلوب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وہ شان رکھتے ہیں کہ باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور انہیں مغیبات (غیب)

کا علم تھا اور وہ آسمان پر اٹھائے گئے وغیرہ وغیرہ ، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار نہیں ، یعنی ملائکہ کرام کہ وہ ماں باپ کے بغیر پیدا کئے گئے اور وہ غیب کی بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جنہیں عام بشر نہیں جانتے اور وہ بہت بڑے بلند مقامات یعنی آسمانوں میں رہتے ہیں ۔ واقعی یہ باتیں قابل تسلیم ہیں ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ افضلیت کی علت تو یہ نہیں جو مذکور ہوئی ، بلکہ افضلیت کی علت کثرتِ ثواب ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام میں ہے اور ملائکہ کرام میں سرے سے ثواب کا مسئلہ ہی نہیں (ولہم مقام معلوم) وہ تو ایک خاص عہدہ پر فائز ہوتے ہیں اور بس ۔ کذا فی الارشاد ۔

تاویلات نجمیہ کی ایک بہترین تقریر

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولا الملٰئکۃ المقربون میں اظہارِ فضیلت مطلوب نہیں بلکہ اُن کافروں کا رد مطلوب ہے جو کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ، جیسے نصاریٰ کہتے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے رد میں فرمایا :

الکم الذکر ولہ الانثیٰ تلک اذن قسمۃ ضیزی ۔ کیا تمہارے لیے اولاد نرینہ اور اللہ تعالےٰ کے لیے لڑکیاں ، تمہاری عجیب تقسیم ہے ۔

اب تو اُلٹا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ آیت میں پہلے عیسٰی علیہ السلام کا ذکر ہے پھر ملائکہ کا ۔ اور افضلیت اسے حاصل ہوتی ہے جس کا عطف میں ذکر پہلے ہے دوسرا عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور ملائکہ کو بیٹیاں کہا گیا ہے اور لڑکوں کو لڑکیوں پر تقدم بھی اور فضیلت بھی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لذکر مثل حظ الانثیین ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لڑکوں کو مقدم بھی فرمایا ہے اور حصہ بھی ان کا دوہرا بتایا پھر جیسا کہ لڑکوں کو عموماً لڑکیوں سے فضیلت ہے ایسے ہی حقیقت میں عیسٰی علیہ السلام کو ملائکہ کرام پر فضیلت حاصل ہے ۔

حدیث شریف سے استدلال

حدیث شریف سے بھی حضرات ملائکہ پر انبیاء کرام علیہم السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے ۔ چنانچہ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو ملائکہ نے عرض کی یا اللہ ! تو نے انہیں پیدا فرمایا وہ کھاتے پیتے اور نکاح کرتے اور سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اُن کے لیے صرف دنیا اور ہمارے لیے آخرت ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنہیں مَیں نے اپنے

ہاتھ سے بنا کر پھر ان میں رُوح پھونکی ان کے برابر نہیں کروں گا جنہیں کُن کہا تو پیدا ہو گئے۔

صاحبِ تاویلات نجمیہ کا ایک عجیب وغریب استدلال

صاحبِ تاویلاتِ نجمیہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ آدم علیہما السلام کی اولاد سے ہیں یعنی ماں کی جانب سے ان کی ذریت میں داخل ہیں تو پھر جو شرف آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر ملاوہ ان کو بھی نصیب ہُوا اور کُن کہہ کر جیسے فرشتوں کو پیدا کیا گیا یہ اگر فضیلت کا سبب ہے تو یہی شرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہُوا تو انھیں بھی کُن کہہ کر پیدا کیا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جو فضیلت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے وہ ملائکہ کرام کو حاصل نہیں۔ یہاں پر صاحبِ تاویلات کا بیان ختم ہوا۔

ف: عبادتِ الٰہی سے سب سے بڑا استنکاف شرک فی العبادۃ اور توحید سے اعراض ہے جیسا کہ اعمال کی جز توحید و ایمان، اس لیے کہ کبر برائیوں کا سرتاج ہے اس لیے بعض حدیثوں میں کبر ایمان کے بالمقابل وارد ہوا ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یدخل الجنۃ من کان مثقال حبۃ من خردل من کبر ولا یدخل النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان۔	بہشت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس میں ذرہ بھر بھی کبر ہے اور دوزخ میں وہ شخص نہ جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) ترا شہوت و کبر و حرص و حسد ... چو خون در رگ اند و چو جان در جسد

(۲) گر ایں دشمناں تقویت یافتند ... سر از حکم و رآی تو بر تافتند

ترجمہ: (۱) تیری شہوت و تکبر اور حرص و حسد خون میں دورہ کرتے ہیں جیسے جسم میں رُوح۔
(۲) اگر ان دشمنوں نے قوت حاصل کر لی تو تیرے حکم و رائے سے منہ موڑیں گے۔

حکایت: منقول ہے کہ ایک قاضی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ علم میں تو ہم آپ سے زیادہ ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ہماری باتوں میں اتنی تاثیر نہیں جتنی کہ آپ کے ملفوظات (گفتگو مبارک) میں تاثیر ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے اسے فرمایا کہ

چند اخروٹ لے کر ایک برتن میں رکھ کر اپنی گردن میں لٹکا دے اور بازار کا چکر لگاتے ہوئے اعلان کرتے جاؤ جو مجھے تھپڑ مارے گا یہ اخروٹ اسے دے دوں گا۔ شہر کی گلی گلی کوچے کوچے میں اسی طرح گشت کرو پھر تمہاری باتوں میں تاثیر پیدا ہوجائیگی (یعنی جب تک نفس کی رعونت کو ملیامیٹ نہیں کروگے یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوگا) اس پر قاضی نے کہا: استغفراللہ۔ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا: یہ دوسرا گناہ تجھ سے سرزد ہوا اس لیے کہ میں تجھے وہ بات بتارہا ہوں کہ جس سے تیرے نفس کی رعونت دفع ہو اور تو اس پر استغفار پڑھتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) کسے راکہ پندار در سر بود　　　　پندار ہرگز کہ حق بشنود

(۲) زعلمش ملال آید از وعظ ننگ　　　　شقائق بباراں نروید ز سنگ

ترجمہ: (۱) جس دماغ میں خودنمائی ہو وہ کیا حق کی بات سُنے گا۔

(۲) اسے تو علم سے ملال اور وعظ سننا عار ہوگا، پتھر سے پھول کبھی نہیں اُگتے (یہی حال رسمی پیروں کا ہے)

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ تواضع اختیار کرے اس لیے کہ بلندیٔ درجات تواضع میں ہے اور وہ افضل العبادۃ بھی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ یہ خطاب عام ہر عاقل و بالغ کو ہے یعنی اے لوگو! قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ بیشک تمہارے ہاں ایک برہان تشریف لایا جو مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے اور تمہاری طرف ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے نازل کیا نُوْرًا مُّبِیْنًا ایک روشن نور' برھان سے معجزات اور نور سے قرآن مجید مراد ہے۔ یعنی تمہارے ہاں دلائل عقلی اور شواہد نقلی پہنچے ہیں فلہٰذا اب تمہیں نہ کسی عذر کی گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی اور حیلہ سازی۔ برھان ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے مطلوب کو دلائل سے واضح کیا جائے اور قرآن کو نور اس لیے کہا گیا کہ یہ دلوں میں نورِ ایمان کے وقوع کا سبب ہے جس طرح سے اعیان کھل کر سامنے آجاتے ہیں اسی طرح قرآن سے احکام شرعیہ واضح ہوجاتے ہیں فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ بہرحال وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس کے موافق جس طرح اُن کے پاس آئے ہوئے برہان کا تقاضا ہے وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ اور نفس امّارہ کی اتباع اور شیطان کے حملوں سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے بچتے ہیں فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ پس عنقریب انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرے گا یعنی ان کے ایمان و عمل صالح کے مطابق ثواب عنایت فرمائے گا جیسا کہ

اس کے حقوقِ واجبہ کا تقاضا ہے وَفَضْلٍ اور فضل عطا ہوگا، یعنی اجر و ثواب کے علاوہ ایک ایسا مزید احسان ہوگا کہ جسے نہ کسی نے دیکھا ہو گا اور نہ کسی بشر کے تصور میں آ سکتا ہے وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ اور انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا صراطِ مستقیم نصیب ہوگا۔ اس سے اسلام اور دُنیا میں طاعت اور آخرت میں راہِ جنّت مراد ہے۔ یہ یھدی کا دوسرا مفعول ہے اس لیے کہ جیسے وہ بلا واسطہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے ایسے ہی دوسرے مفعول کی طرف بواسطہ الیٰ بھی متعدی ہوتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: ھدیتہ الطریق اور ھدیتہ الی الطریق۔ اور الیہ اس سے حال واقع اور اس پر مقدم ہے۔

سوال: اسے اپنے ذوالحال سے مقدم کیوں کیا گیا؟

جواب: اگر اسے مؤخر کیا جاتا تو اس میں صفت کا بھی احتمال ہوتا اور وہ یہاں مقصود نہیں۔

اب معنیٰ یُوں ہُوا کہ انہیں دُنیا میں اسلام اور طاعت کی طرف ہدایت دیتا ہے ایسے ہی انہیں آخرت میں بہشت کی راہ دکھائیگا کہ اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچیں گے۔

معجزاتِ سیّد الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دیگر انبیاء (علیہم السلام) کے معجزات میں موازنہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی علیہ السلام ایک واضح دلیل عنایت فرماتا ہے کہ جس سے وُہ اپنی امت پر حجت قائم کرتے ہیں اور حضور نبی علیہ السلام کی عین ذات کو حجت بنایا، اس لیے کہ دوسرے پیغمبرانِ عظام کے معجزات ایسے تھے جو ان کی ذات کے سوا کسی دوسرے شئے سے تعلق رکھتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ایک لاٹھی تھی اور وہ پتھر کہ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات عین معجزہ تھی یہاں تک کہ آپ کا ایک ایک عضو مبارک بذاتِ خود معجزہ اور مخزنِ معجزات تھا۔

معجزاتِ مصطفوی کا بیان

(۱) مثال کے طور پر آپ کی مبارک آنکھوں کو دیکھئے کہ وہ چشمان مبارک جیسے آگے کی طرف دیکھتی تھیں ویسے ہی بیک وقت پیچھے کو بھی۔

چنانچہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا تسبقونی بالرکوع والسجود فانی اراکم من خلفی کما اراکم من امامی۔	مجھ سے رکوع و سجود میں سبقت نہ کرو اس لئے کہ میں جیسے پیچھے دیکھتا ہوں ایسے ہی آگے۔

(۲) بصر مبارک کا بُرہان خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ ما زاغ البصر وما طغیٰ۔

(۳) بینی مبارک کے معجزہ کا بیان، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔ — میں ذاتِ رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔

(۴) اور آپ کی زبان اقدس کو بُرہان خود اللہ تعالیٰ نے بتایا:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ — اور (میرا نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا مگر وہ جو اسے وحی کی جاتی ہے۔

(۵) آپ کے لبِ اطہر کا معجزہ مشہور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو دعوت دی تو آپ نے فرمایا:

گھر چلے جاؤ آٹا گوندھ کر رکھ دو اور ہانڈی پکا کر چولھے پر رہنے دو جب تک ہم نہ پہنچ جائیں۔

چنانچہ جب آپ میرے گھر تشریف لائے تو آٹے میں تھوک مبارک ڈال دی اور برکت کی دعا فرمائی، اسی طرح پھر ہانڈی میں بھی۔ اس کے بعد فرمایا:

اللہ کا نام لے کر بانٹنا شروع کرو۔

چنانچہ کھانا تقسیم ہُوا تو ہزاروں کی تعداد نے سیر ہو کر کھایا۔ لیکن پھر بھی بچ گیا اور اتنا کہ ہم نے ہانڈی کو دیکھا تو ویسے ہی پُر تھی اور آٹا بھی بال برابر کم نہ ہُوا۔

(۶) آپ کے تھوکنے میں معجزہ کا بیان، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر میں میری آنکھ دُکھتی تھی، یہاں تک کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا تو آپ نے میری آنکھ میں تھوکا تو میری آنکھ درست ہو گئی۔

(۷) آپ کے ہاتھ مبارک کے بُرہان کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

(۸) اور حدیث صحیح میں ہے کہ کنکریاں آپ کے ہاتھ مبارک میں تسبیح پڑھتی تھیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں: ؎

داعیٔ ذرات بود آں پاک ذات
درکفش تسبیح ازاں گفتی حصاد

ترجمہ: وہ ذات پاک ذرّہ ذرّہ کی داعی (بنی) تھی اسی لیے آپ کے ہاتھ مبارک میں کنکریاں تسبیح پڑھتی تھیں۔

(۹) آپ کی انگلی مبارک کا معجزہ مشہور ہے کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان پانی کے چشمے بہہ نکلے کہ جس سے ایک بہت بڑی مخلوق نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور مشکیں وغیرہ بھر لیں۔

(۱۰) آپ کے سینہ مبارک کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کے سینہ اقدس سے ہانڈی کی طرح آواز نکلتی تھی جبکہ آپ نماز پڑھنے کے وقت گریہ فرماتے تھے۔

(۱۱) آپ کے قلب مبارک کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کی آنکھیں نیند کرتی تھیں لیکن دل بیدار رہتا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ماکذب الفؤاد ما رأی۔

اور فرمایا:

الم نشرح لك صدرك۔

اور فرمایا:

و نزل به الروح الامین علیٰ قلبك۔

اس طرح آپ کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ معراج شریف ہے کہ آپ قاب قوسین کو عبور فرماتے ہوئے اَو ادنیٰ کے مقام پر پہنچے اور یہ تمام معجزات آپ کی عین ذات سے متعلق ہیں۔ آپ سے پہلے اس طرح کے معجزات کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہیں ہوئے اور آپ پر وحی اُتری تو اس کے بعد آپ افصح العرب و العجم مانے گئے حالانکہ اس سے قبل آپ اُمّی تھے۔ نہ ہی کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی کسی سے ایمان کی باتیں سیکھی تھیں۔ اس سے آپ کے لیے اور کون سا بہت بڑا واضح اور اظہر اور قوی تر برہان چاہیئے۔ علاوہ ازیں آپ کی اُمت کو اتنا بڑا اعزاز نصیب ہُوا تو آپ کے صدقے۔

تفسیر صُوفیانہ جو شخص حقیقی ایمان نور الٰہی سے نوازا جاتا ہے نہ کہ ایمان تقلیدی سے۔ تو اسے عنایت الٰہی اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جس سے وُہ عالم صفات میں داخل ہوتا ہے اس لیے کہ رحمت و فضل بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔ نورِ قرآن کے سبب سے بندے کو ہدایت نصیب ہوتی ہے جس کی حقیقت تخلق باخلاقہ ہے اس سے ہی وہ جنابِ الٰہی تک پہنچتا ہے اور اعتصام کے ذریعے سے سالک صراطِ مستقیم سے حضرۃ اللہ الکریم تک واصل ہو جاتا ہے۔

سبق: بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ابتدائے سلوک میں ان اوامر و نواہی کو بجا لانے میں جد و جہد کرے جن کا ذکر کتبِ الٰہیہ و سننِ نبویہ میں ہے یہاں تک کہ اسے فضل اللہ الکریم تک پہنچنا نصیب ہو۔ جب اس مقام پر پہنچے گا تو اسے تصرفات در مملکت خداوندی کی توفیق ملے گی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا:

اے اللہ! آنکھ جھپکنے کی مقدار کی دیر بلکہ اس سے کم کے لیے بھی مجھ میرے نفس کے سپرد نہ فرما۔

روحانی نسخے : بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جس کا اپنا کوئی مذہب نہ ہو یعنی اسے چاہیے کہ بزرگوں کے اقوال اہلِ مذہب اسلامیہ میں جو سب سے زیادہ مشقت بھرا عمل ہو اسے اپنا مذہب بنائے (مثلاً نکسیر اور فصد (پچھنے لگوانے) سے وضو کرے، جو کہ حنفیوں کا مذہب ہے) اور سالک اگرچہ شافعی المذہب ہے تو بھی مذہب حنفی پر عمل کرے اور عورت کو ہاتھ لگ جائے تو وضو کرے جیسا کہ امام شافعی کے رحمہ اللہ کے مذہب میں ہے (اگرچہ حنفی مذہب سے تعلق رکھتا ہے) تب بھی وضو میں اس پر عمل کرے۔

(۲) بزرگوں کا ارشاد ہے کہ باطن کی نورانیت انوارِ ذکر و عبادۃ و معرفت سے نصیب ہوتی ہے۔

(۳) عبادت کو علیٰ وجہ الکمال ادا کیا جائے تو اس میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

(۴) خدمتِ دین سنّتِ نبویہ کے تقاضا کے مطابق کی جائے تو اس سے خبث شہوات و اخلاق ذمیمہ کا زنگ اُترتا ہے۔

(۵) توحید افضل الاعمال ہے، یہی توحید انسان کو سعادت ابدی تک پہنچاتی ہے۔

ذکرِ الٰہی کے فضائل

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الذین لا تزال اُلسنتهم رطبة من ذکر الله یدخلون الجنة وهم یضحکون۔	بیشک وہ لوگ جن کی زبانیں ذکرِ الٰہی سے تر رہتی ہیں وہ ہنستے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس علی اهل لا اله الا الله وحشة فی قبورهم ولا فی نشورهم کانی انظر الیهم عند الصیحة ینفضون التراب عنهم ویقولون الحمد لله الذی	جنہیں لا الٰہ الا اللہ نے ذکر پر مداومت نصیب ہے انہیں نہ قبر میں وحشت ہوگی اور نہ حشر کے لیے اٹھتے وقت یہاں تک کہ گویا میں انہیں قبروں سے

اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔

نفخ صور کے وقت اُٹھنے کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے نہایت ہی سکون سے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور کہتے ہوئے جا رہے ہیں۔

ف : مشائخ کرام نے اس آیت کا معنیٰ یہی کیا ہے جو حدیث میں مذکور ہوا اور آیت والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا کا بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ذاکرین کے لوگوں سے بنا اور غافلوں سے بچا (آمین)

تفسیر عالمانہ

یَسْتَفْتُوْنَكَ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں فِی الْکَلٰلَةِ کلالہ کے بارے میں قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ آپ فرمائیے تمہیں اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں فرماتا ہے۔

حلِ لغات

الافتاء لغت میں مبہم کو بیان کرنا اور مشکل کو واضح کرنا۔ الکلٰلة اصل میں الکلال کا مصدر ہے بمعنے تھکان سے قوت کا چلا جانا، اور اصطلاحِ فقہ میں مندرجہ ذیل رشتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے:

(۱) وہ رشتہ دار جو والد اور ولد کی جہتہ نہ ہوں، انہیں اس لیے کلالہ کہا جاتا ہے کہ انہیں والد و ولد کے رشتہ سے نسبت کی کمزوری ہے۔

(۲) ہر اس انسان کو بھی کہتے ہیں جو والد اور ولد چھوڑ کر نہ مرے بلکہ ان کے علاوہ کئی رشتہ دار چھوڑے ہوں۔

(۳) اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو مرنے والے مورث کا وارث نہ والد ہو نہ ولد۔ یہاں پر ثانی مراد ہے یعنی ہر وہ شخص کہ مر گیا ہے اس کا وارث، نہ ہی احد الابوین ہیں نہ کوئی اولاد۔

شانِ نزول

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضور سرورِ عالم ان کی طبع پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو عرض کی میں کلالہ ہوں۔ یعنی میں مر جاؤں تو میرے پیچھے وارثوں میں نہ میرے احد الابوین ہیں اور نہ ہی اولاد، تو فرمائیے میں اپنے مال متروکہ کے متعلق کیا کروں؟ تو اس کے سوال پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ اگر مرد مرجائے ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو فتویٰ پوچھا گیا اسے بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے، اور امرأ فعل محذوف ہے جس کی فعل مذکور تفسیر کررہا ہے لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ یہ امرأ کی صفت ہے یعنی مرنے والے کا کوئی ولد نہ ہو لڑکا یا لڑکی وَلَهٗ اُخْتٌ اس کا عطف لیس لہ ولد پر ہے یا حال ہے یہاں پر اخت (بہن) سے وہ بہن مراد ہے جو ماں کی طرف سے نہیں اس لیے کہ اس کا صرف چھٹا حصہ ہوتا ہے گویا یہاں حقیقی بہن مراد ہے یا باپ کی طرف سے جسے علم میراث میں علّیہ کہتے ہیں فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ اس بہن کا مال متروکہ سے آدھا حصہ ہے یعنی بوجہ فرضیت (حصۂ میراث) اُس کا باقی مال اس کے عصبہ کو ملے گا اگر عصبہ نہ ہو تو اس بہن پر رد ہوگا گویا اس کے تمام مال کی مالک یہی بہن ہوگی وَهُوَ يَرِثُهَا اور وہ مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا جبکہ اُسے شریعت حق دلائے ۔ اور وہ جو مرگئی ہے اس کا حصہ وراثت بھی اسے مل سکتا ہے (اس لیے کہ قاتل و مقتول وغیرہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے) یہ اس وقت ہے جبکہ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ جبکہ اس کے کوئی لڑکا لڑکی نہ ہو۔

مسئلہ : بہن کا کوئی لڑکا لڑکی نہ ہو تو بھائی تمام مال کا مالک ہوجائے گا اس لئے کہ شرط لگائی گئی کہ اس کی اولاد نہ ہو تو شرط نہ ہو تو لامحالہ تمام مال کا مالک ہوگا ۔ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ پس اگر میّت کی دو بہنیں ہوں ۔ اس کا عطف پہلے جملہ شرطیہ پر ہے یا دو سے زائد بھی فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ تو ان دونوں کو میّت کے مال متروکہ سے دو تہائیاں ملیں گی ھما کی ضمیر کا ارجاع وارثوں کی طرف ہے اور ان کا تثنیہ و تانیث ہونا باعتبار معنے کے ہے ۔

ف : تثنیہ کا صیغہ مؤنث کے لفظ سے لانے میں اس طرف اشارہ ہے یہاں پر اختلافِ حکم کا اعتبار ہے یعنی عدد کا نہ چھوٹے بڑے کا اور نہ ہی کوئی دوسری وجہ ۔ یہی اعتبار ملحوظ نہ ہوتا تو یہاں پر مذکر کا تثنیہ لانا بھی جائز تھا وَاِنْ كَانُوْا اور اگر وہ وراثت لینے والے اِخْوَةً بھائی مختلف طور کے بھائی ہوں رِّجَالًا وَّنِسَآءً مرد ہوں یا عورتیں، یہ اخوۃ سے بدل ہے دراصل عبارت یوں چاہیے تھی کہ وان کانوا اخوۃ و اخوات لیکن تغلیباً اخوۃ کہا گیا ۔ فَلِلذَّكَرِ پس ان میں سے مذکر کو مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ دو عورتوں کے حصّہ کے برابر دینا چاہئے ۔

ف : وہ ترکۂ میّت کو صرف عصبہ کے طریق سے تقسیم کرتے تھے ۔

ف : یہی آیت (مسئلہ میراث و احکام) میں آخر میں نازل ہوئی ۔

ف : مروی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ وہ آیت کہ علم فرائض میں ہے سورۂ نساء میں نازل فرمائی ہے اس کا اول ولد و والد اور اس کا ثانی زوج و زوجہ اور بہن

اور مال۔ اور وہ آیت کہ جس پر سورۃ کو ختم فرمایا، وہ اخت حقیقی اور اخت علیہ پر مشتمل ہے، اور وہ آیت جو سورۂ انفال میں ہے اسے اولی الارحام پر ختم فرمایا۔ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کلالہ کا حکم یا جملہ احکام وشرائع بیان فرماتا ہے جن میں ایک حکم کلالہ کا بھی ہے اَنْ تَضِلُّوْا یہ کہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ یہ مفعول لہٗ اس کا مضاف محذوف ہے کہ دراصل کراھۃ ان تضلوا تھا وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے منجملہ اس کے تمہارے حالات بھی ہیں جو تمہاری حیات وممات سے متعلق ہیں عَلِیْمٌ بہت بڑے علم والا ہے کہ تمہاری مصلحت ومنفعت کو خوب جانتا ہے۔

سوال: میّت کے مال متروکہ کی تقسیم کا مسئلہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیوں نہیں فرمایا حالانکہ باقی تمام احکام وارکانِ اسلام، یعنی شہادت ونماز، زکوٰۃ، روزہ، حج و دیگر جملہ احکام شرعیہ سب کے سب حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ فرمایا:

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنه فانتھوا۔

بلکہ قرآن مجید کی وضاحت بھی اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لتبین للناس ما نزل الیھم۔

لیکن ترکہ میّت کی تقسیم اپنے لیے مخصوص فرمائی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ترکہ تقسیم کے لیے نہ کسی ملک مقرب کو پسند فرمایا نہ کسی نبی مرسل کو، یہاں تک کہ اسے اپنے لیے مخصوص فرمایا اور ہر صاحبِ حق کا حق خود بتایا ہے۔ یاد رکھو کہ وارث کے لیے وصیت نہیں ہوتی۔

جواب: دنیا لوگوں کی نظروں میں ایک اچھا منظر ہے اور مال انسان کے ہاں محبوب ترین شَی ہے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہے کہ اس کے لیے فطرۃً بخل کرتے ہیں۔ اگر اس کے متعلق اللہ تعالیٰ خود واضح طور پر نہ بتاتا بلکہ اسے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرماتا تو شیطان لوگوں کے دلوں میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط خیال وگندے وسوسے ڈالتا جس سے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی و بے ادبی سے کافر ہوجاتے، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ السلام کے لیے یہ بھی گوارا نہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس اور مال اور اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب ترین نہ ہوجاؤں۔

چنانچہ انصار کے بعض نوجوانوں کو غزوۂ حنین کے موقعہ پر ایک غلط خیالی پیدا ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب

صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہوازن کا مال عنایت فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعض قریشیوں کے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمایا تو انصار نے کہا کہ اللہ تعالیٰ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو معاف فرمائے کہ مال تو قریشیوں کو دے دیا حالانکہ ہماری تلواریں دشمنوں کے خون سے تر ہیں۔ یہ بات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاں پہنچ گئی تو آپ نے تمام انصاریوں کو بُلوایا اور انہیں ایک خیمہ میں جمع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہاں صرف انصار رہیں باقی صاحبان چلے جائیں۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا:

مجھے تمہاری ایک بات ناگوار پہنچی ہے اور تمہیں اس طرح کہنا نامناسب تھا۔

انصار نے عرض کی: حضور! ہمارے عقلمندوں نے تو کہا نہیں البتہ چند نوجوانوں نے ایسے ضرور کہا ہے (جس سے ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں)

آپ نے فرمایا: تمہیں یاد رہنا چاہیئے کہ میں نے قریشیوں میں ان لوگوں کو مال دیا ہے جو ابھی ابھی کفر سے نکلے ہیں انہیں اس لیے مال دیا ہے تاکہ ان کے دِل اسلام کی طرف جُھک جائیں۔

یا یہ فرمایا کہ صرف ان کی تالیفِ قلوب کے لیے میں نے ایسا کیا ہے۔ اے انصاریو! کیا تم خوش نہیں کہ لوگ تو مال لے جائیں اور تم مجھے لے جاؤ۔ بخدا یہ قیمتی سودا صرف تمہیں نصیب ہوا۔

انصاریوں نے عرض کی؛ ہاں ہمیں یہی سودا منظور ہے اور اس سودے سے ہم راضی ہیں۔

بہرحال شیطان کا کام یہی ہے کہ انسان کے دل میں مال کے لطائف و نفائس کے وسوسے ڈالتا ہے پھر ترکہ کی تقسیم حضور علیہ السلام کے سپرد ہوتی تو شیطان کو رہتی دنیا تک اُمت کو حضور علیہ السلام پر بدگمانی کا موقعہ مل جاتا پھر آسانی سے اس کا ازالہ نہ ہو پاتا، اس طرح سے اُمّت زندگی میں اور پھر بعد وفات اپنے نبی علیہ السلام کے قرب سے محروم ہو جاتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ اپنے لیے مخصوص رکھا، بدیں وجہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا بکل شیٔ علیم، اور پھر بندوں کو خوشخبری سنائی کہ عفو و رحیم ؎

(۱) برو علم یک ذرّہ پوشیدہ نیست — کہ پنہان و پیدا بنزدش یکیست

(۲) فروماندگاں را برحمت قریب — تضرع کناں را بدعوت مجیب

ترجمہ: (۱) اس کے علم سے کوئی شے مخفی نہیں اس کے لیے پوشیدہ و ظاہر برابر ہے۔

(۲) عاجزوں کو رحمت سے قریب ہے، زاری کرنے والوں کی دعا قبول کرنے والا ہے۔

ف: اس بنا پر میراث کے ہر ہر مسئلہ میں مقدار کو اپنے فضل و کرم سے متعین فرمایا تاکہ رشتہ داروں میں جھگڑے برپا نہ ہوں بالخصوص عورتوں کے متعلق کہ وہ ضعیف و کمزور ہیں انھیں کسبِ مال میں عجز ہے اور

ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے کہ وُہ ان سے عقل اور دین میں کم ہوتی ہیں ، اور پھر اہلِ ایمان کو واضح طور پر مسائل بتائے گئے تاکہ وُہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگمانی کرکے گمراہ نہ ہو جائیں ۔ چنانچہ فرمایا :

یبیّن اللہ لکم ان تضلّوا واللہ بکل شیٔ علیم ۔ کذا فی التاویلات النجمیہ ۔ اللہ تعالیٰ اس کے مصنف کو نفحات قدسیہ و برکاتِ قدسیہ سے نوازے ۔ (آمین)

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے) سورۂ نساء کی تفسیر سے ۱۵ جمادی الآخرۃ ۱۰۹۹ھ میں فراغت پائی ۔

اور راقم فقیر قادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ نے اس کے ترجمہ سے ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ بہ شبِ سوموار بعد نمازِ عشاء بمقام بہاولپور اپنے غریب خانہ میں فراغت پائی ، فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔

سُورَةُ المائدة

سُوۡرَةُ الۡمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوۡعًا
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَكُمۡ
بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ غَيۡرَ مُحِلِّى الصَّيۡدِ
وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ ○ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ
وَلَا الۡهَدۡىَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَرَامَ
يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ
وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ
الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوۡا
عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا۔

اے ایمان والو اپنے قول پورے کرو، تمہارے لیے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو آگے سنایا جائیگا تم کو لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہے، اے ایمان والو حلال نہ ٹھہرالو اللہ کے نشان اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال و آبرو جو عزت والے گھر کا قصد کرکے آئیں اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشی چاہتے اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو، اور تمہیں کسی قوم کی عداوت کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ ابھارے اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اس کی کل ایک سوبیس آیات ہیں اور تمام مکیہ ہیں صرف الیوم اکملت لکم دینکم مدنیہ ہے کہ عرفہ میں بموقعہ حجۃ الوداع نازل ہوئی۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اے ایمان والو اپنے وعدوں کو پورا کرو۔

حل لغات : الوفاء بمعنے تقاضائے عہد پر قائم رہنا۔ اسی طرح الایفاء۔ مثلاً کہا جاتا ہے وفی بالعہد وفا اور اوفی بہ ایفاء۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے معاہدے کو پورا کرے اور اس کے خلاف نہ کرے۔ اسے باب افعال پر لانے میں صرف مبالغہ مطلوب ہوتا ہے۔ العقد وعدہ کی پختگی پر بولا جاتا ہے۔ اس سے مشابہت دی گئی ہے کہ جیسے رسّی وغیرہ سے مضبوط باندھا جائے۔

ف : عقود سے وہ تمام احکام شرعیہ و تکالیف دینیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم فرمائے ہیں اسی طرح بندوں کے آپس کے معاہدات، معاملات و امانات وغیرہ بھی مراد ہیں جو اُن پر

پورے کرنے ضروری یا کم از کم مستحسن ہیں۔ اگر ہم امر کو عام وجوب اور ندب پر محمول کریں۔

مسئلہ: سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے اس مسئلہ کا استدلال فرمایا ہے کہ جو شخص عید کے دن روزے کی یا اپنے بچّے کو ذبح کرنے کی نذر مانتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ عید کے بغیر کسی دوسرے دن روزہ رکھے اور بچّے کے ذبح کے بجائے وہ جانور ذبح کرے جس سے تقرب مقصود ہوتا ہے اس لیے کہ اس نے ایک معاہدہ اور اپنے اوپر لازم کیا ہے فلہذا ایسے عمل سے پورا کرے کہ جس سے اپنے معاہدہ سے عہدہ برآ ہو۔

مسئلہ: انہوں نے اسی آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ بیک وقت طلاق دینا حرام ہے اس لیے اس نے نکاح کرکے عورت سے ایک قسم کا معاہدہ کیا ہے پھر اسے چاہیے کہ اس معاہدہ کو احسن طریق سے نبھائے، اس لیے کہ اوفوا بالعقود میں عموم ہے۔

سوال: ایک طلاق سے بھی معاہدہ کا نقض لازم آتا ہے پھر وہ کیوں جائز ہے؟

جواب: آیت کے عموم کو اجماع سے خاص کیا گیا ہے جب ایک طلاق سے آیت مخصوص ہوئی تو باقی حکم اپنے عموم پر رہے گا۔

حدیث شریف: جب کسی قوم میں کھوٹ پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دلوں میں غیر کا رعب پیدا کر دیتا ہے اور جب ان میں زنا عام ہو جائے تو ان پر موت بکثرت واقع ہوگی اور جب کم تولنے اور کم بھرنے لگیں گے تو ان میں رزق کی کمی واقع ہوگی، اور جب ناحق فیصلے کئے جائیں گے تو ان میں خونریزی ہوگی، اور جب وعدہ خلافی کا مرض ہوگا تو ان پر دشمن مسلّط ہو جائیگا۔ ؎

ہر کہ او نیک میکند یابد
نیک و بد ہر چہ میکند یابد

ترجمہ: جو بھی نیکی یا برائی کرتا ہے اس کی سزا و جزا (بری یا اچھی) پائیگا۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تکالیف شرعیہ و احکام اسلامیہ جو ان پر واجب ہیں کی ادائیگی کا حکم فرمایا اور ان کی تفصیل پورے طور پر بیان فرمائی تو اب مطعومات کی حلت و حرمت کی تفصیل کا آغاز فرمایا، چنانچہ ارشاد ہوا کہ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ تمہارے لیے چارپائے جانور حلال ہیں۔ البھیمۃ چارپائے جانور کو کہتے ہیں اور اس کی الانعام کی طرف اضافت بیانیہ ہے، جیسے کہا جاتا ہے ثوب الخز (ریشمی کپڑا) اور اس کا مفرد لانا بیان جنس کے لیے، یعنی تمہارے لیے جانوروں میں سے چوپائے حلال ہیں، جیسے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری۔ پھر ان چاروں کے نر و مادہ

کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے جانوروں کے کل آٹھ قسم ہوئے، بھیڑ کا نر و مادہ اور بکری کا نر و مادہ اور اونٹ کا نر و مادہ اور گائے کا نر و مادہ۔ تفصیل سورۂ انعام میں مذکور ہے اس لحاظ سے اَنعام بہیمۃ کا لفظ عام ہے اس لیے کہ اَنعام کا اطلاق سوائے ان چار مذکورہ جانوروں کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔

ف: ہرنی اور وحشی گائے وغیرہ اَنعام کے لفظ سے ملحق ہیں۔

اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ بہیمۃ، الانعام سے بحذف المضاف استثنا ہے، دراصل عبارت یوں ہے الا محرم مایتلی علیکم یعنی تمہارے لیے چارپائے حلال ہیں مگر وہ حرام ہیں جن کی حُرمت تمہارے لیے قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے یعنی حرمت علیکم المیتۃ الخ جس کا ذکر بھی آتا ہے: یا یہاں پر نائب فاعل محذوف ہے جو کہ دراصل عبارت یُوں تھی کہ الا مایتلیٰ علیکم فیہ اٰیۃ کریمۃ یعنی تمہارے لیے آیت کریمہ میں بیان کیا جائے گا **غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ** یہاں پر صید کا لفظ مصدری معنیٰ میں ہے۔ یعنی الصید بمعنی الاصطیاد فی البر (جنگل میں شکار کرنا) یا بمعنے مفعول ہے یا بمعنے مفعول ہے یعنی جنگل کا شکار کھانا یعنی الصید بمعنے المصید ہے یعنی لکم کی ضمیر سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم جنگل کا شکار حلال سمجھ کر نہ کھاؤ۔ یہ جملہ اس کی حرمت کی تقریر کے لیے ہے تاکہ وہ جنگل کے شکار کو حرام جانیں عملاً بھی اور اعتقاداً بھی۔ اس طرح کتاب و سنّت میں عام ہے **وَاَنْتُمْ حُرُمٌ** درانحالیکہ تم محرم ہو یہ محلی الصید کی ضمیر سے حال ہے۔

حلِ لغات: حُرم حرام کی جمع بمعنے محرم ہے۔ کہا جاتا ہے احرم فلاں۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حرم شریف میں داخل ہو یا احرام باندھے۔

سوال: بہیمۃ الانعام کی حلت بیان کر کے پھر اسے حالتِ احرام میں حرام قرار دینے کا کیا فائدہ؟

جواب: اتمامِ نعمت کے لیے اور واضح کر دینا مطلوب ہے کہ یہ اشیاء ہم نے تمہارے لیے حلال کی ہیں کہ تمہیں ان کی ضرورت بھی ہے اس لیے کہ بحالتِ احرام شکار کی حرمت دلالت ہے کہ انہیں شکار کے لیے روکا گیا تو باقی تمام اشیاء کی ممانعت خود بخود واضح ہوگئی۔ گویا اب یہاں فرمایا گیا کہ تمہارے لیے مطلقاً تمام جانور حلال ہیں لیکن بعض اوقات تمہیں اپنی حلال کردہ اشیاء سے بھی روکا جا رہا ہے جبکہ تم اس وقت سخت ضرورت رکھتے ہو کہ وہ تمام اشیاء حلال ہوں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ بیشک اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے حکم فرماتا ہے یعنی جس طرح اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی حلت و حرمت کا حکم دیتا ہے۔ اِن دونوں سے اِیفائے عہد کا یہی

تقاضا ہے کہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھیں، اور اسی پر عمل کریں اور عقیدہ بھی اسی طرح رکھیں۔

تفسیر صوفیانہ یاایہا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود میں اشارہ ہے کہ جس طرح تم نے یوم میثاق میں عہد کیا اُسے پورا کر دیا اُس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عاشقانِ خدا سے تم وعدہ کرتے ہو کہ حصول مقصود میں جان کی بازی لڑائیں گے، تو اب اُن سے وعدہ پورا کرو، اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور انہیں سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی سے محبت نہیں ان سے ایفائے عہد کا یہی مطلب ہے کہ ریاضاتِ شاقہ پر صبر کرو، اس لیے کہ جو شخص بھی انانیت کو مٹا کر ان کے وعدوں کا ایفار کرتا ہے وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے احلت لکم بہیمۃ الانعام نفسِ امّارہ کو مار ڈالنا تمہارے لیے حلال ہے اس لیے کہ نفس امّارہ شہوت رانی میں جانوروں کی طرح ہے الا ما یتلیٰ علیکم غیر محلی الصید وانتم حرم ہاں نفس مطمئنہ کو باقی رکھو جس کے لیے تمہیں دوسرے مقام پر بتایا ہے کہ ارجعی الیٰ ربك۔ اس لیے کہ انہیں دنیا و ما فیہا سے نفرت ہے اس لیے کہ وہ حرم ایزدی میں شکار کی طرح وَاَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی جبکہ تم حضرت جمال و جلال میں پہنچنے کے لیے کعبۂ وصال کی طرف توجہ کرتے ہوئے ہر مرغوب و مرہوب سے متجرد اور ہر مطلوب و محبوب سے علیحدہ ہو کر شوق کا احرام باندھو اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں نفس کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب اسے دیکھو کہ جانور صفت ہو کر حیوان سفلیہ کی چراگاہ میں چرنے لگتا ہے اور یہ بھی اسی کا حکم ہے کہ نفس کو ذبح نہ کرو۔ جب دیکھتا ہے کہ تمہارا نفس ذکرِ حق میں مطمئن ہے اور وہ صفات ملکیہ علویہ سے موصوف ہے تو رجوع الیٰ حضرۃ الربوبیۃ کے لیے اس سے مخاطب ہوتا ہے مَا یُرِیْدُ جسے چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے کذا فی التاویلات النجمیہ۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے شعائر کو حلال نہ کرو۔

شانِ نزول یہ آیت حطیم کے حق میں نازل ہوئی اس کا نام شریح بن ضبیعۃ الکبریٰ تھا۔ وہ یمامہ سے آیا، سواری کو مدینہ طیبہ سے باہر بٹھا دیا اور خود حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا اور عرض کی کہ آپ لوگوں کو کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں انھیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ مانو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اُس نے کہا بہت خوب، لیکن میرے پیچھے چند آدمی ہیں میں ان کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں، لوٹ کر ساتھیوں سے مشورہ کر کے انھیں ساتھ لاؤں گا، امید ہے کہ ہم دولتِ اسلام سے

نوازے جائیں گے ۔ تب وہ رخصت لے کر آپ کی مجلس پاک سے چلا گیا۔

علمِ غیب نبوی اور اس کی تصدیق

اس سے قبل آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یمامہ سے تمہارے ہاں ایک ایسا آدمی آرہا ہے جو شیطانی زبان استعمال کرے گا۔ یعنی منافقت کرے گا۔ چنانچہ یہی شریح یمامہ سے حاضر ہوا، جب وہ بارگاہ نبوی سے اجازت لے کر چلا تو آپ نے فرمایا، یہ شریح کافرانہ صورت میں حاضر ہوا، دھوکا باز بن کر واپس جا رہا ہے یاد رکھو یہ اسلام کی دولت سے محروم ہے۔ جب وہ بارگاہِ نبوت سے نکلا تو مدینہ طیبہ سے باہر اونٹوں کو ہانک کر لے گیا۔ صحابہ کرام اس کو پکڑنے کے لیے نکلے لیکن وہ جان بچا کر نکل گیا۔ پھر وہ اگلے سال یمامہ کے قبیلہ بکر بن وائل کے حاجیوں کے ساتھ حج کے لیے حاضر ہوا اور بہت سا تجارتی مال لایا۔ بکر بن وائل نے اپنی قربانیوں کے گلے میں قلادے ڈال رکھے تھے جو حج کی قربانیوں کی عادت تھی۔ صحابہ کرام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اجازت ہو تو ہم انہیں لوٹ لیں۔ کیونکہ اُن کی قربانیوں میں اسلامی شعائر کے قلادے نہیں بلکہ زمانۂ جاہلیت کی رسم پر انہوں نے قلادے ڈال رکھے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو روک دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

شانِ نزول ۲

مشرکین بھی حج کے لیے حاضر ہوتے تو وہ اپنی حج کی قربانیوں کو قلادے ڈال لیتے، مسلمانوں کا ارادہ ہوا کہ مشرکین پر حلہ بول کر یہ قربانیاں چھین لیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو لوٹنے سے روک دیا۔

حلِ لغات

شعائر، شعیرۃ کی جمع۔ نام ہے ہر اس شے کا جو کسی کے لیے علامت بنائی جائے، اب یہ حج کے چند احکام کا علم ہے۔ جیسے حج کے مواقف، مرامی الجمار (کنکر مارنے کی جگہیں) مطاف (طواف کی جگہ) مسعیٰ (سعی کی جگہ) اور وہ حج کے علامات سے ہے، جنہیں عمل میں لا کر سمجھا جاتا ہے کہ یہ حاجی ہے۔ مثلاً احرام، طواف، سعی، حلق (سر منڈانا) نحر (قربانی کرنا)

خلاصہ تفسیر

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مسلمانو! شعائر اللہ کی ہتک نہ کرو، اور نہ اُن لوگوں کے اعمال میں رخنہ ڈالو جو بیت اللہ شریف کا حج کرتا اور مواقف حج کی تعظیم بجالاتا ہے۔

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اور نہ ہی حرمت والے مہینوں میں قتل و غارت کرو۔

ف : حرمت والے مہینے چار ہیں :

(۱) ذوالقعدہ (۲) ذوالحجہ

(۳) محرم (۴) رجب

سوال : جب حرمت والے چار ماہ ہیں تو پھر الحرام واحد کا لفظ کیوں لایا گیا جمع کا صیغہ لانا چاہیئے تھا۔
جواب : یہ لفظ الحرام اسم جنس ہے اور اسم جنس جمع کو شامل ہوتا ہے۔
وَلَا الْهَدْيَ اور نہ ہی قربانیوں پر غضب کرو ۔ یا یہ معنی کہ ان کی قربانیوں کو ان کے محل وقوع تک پہنچنے سے منع نہ کرو۔
ف : الھدی ہر وہ قربانی مثلاً اونٹ، گائے ، بکری وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مکہ معظمہ میں بھیجی جائے یہ ھدیۃ کی جمع ہے ۔
وَلَا الْقَلَآئِدَ اور نہ ہی قلادہ والی قربانیوں کے پیچھے پڑو۔ یہاں پر لفظ ذوات مضاف محذوف ہے اور اس کا عطف الھدیٰ پر ہے ۔ یہ خاص قربانی ہوتی ہے اور الھدیٰ سے اشرف واعلیٰ سمجھی جاتی ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ خصوصاً ذوات القلائد سے نہ ٹکرا ہو ۔
ف : قلائد ، قلادۃ کی جمع ہے ۔ ہر وہ شئے جو اونٹ وغیرہ کے گلے میں ڈالی جائے ، مثلاً جوتے کے ٹکڑے یا درخت وغیرہ کے ، تاکہ معلوم ہو کہ یہ حج کی قربانی ہے اور اسے کوئی نہ چھیڑے ۔
وَلَا آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ اور نہ ہی ان لوگوں کو چھیڑو جو بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ تم انہیں کوئی حیلہ بہانہ کرکے بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دو يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار رہتے ہیں یہ جملہ آمین کی ضمیر سے حال واقع ہے یعنی وہ بیت اللہ شریف کی زیارت کا ارادہ کرکے تجارت کے ذریعے رزق کی تلاش میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کے اپنے گمان میں حج کرنے سے رضائے الٰہی مدِ نظر ہوتی ہے۔
سوال : تم نے ان کی رضامندی کی طلب کو اُن کے گمان فاسد سے کیوں تعبیر کیا ہے ؟
جواب : اسلام کے دامن کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے اگرچہ اپنے گمان میں کوئی لاکھ بار دعویٰ کرے کہ مجھے رضائے الٰہی مطلوب ہے۔
ف : الارشاد (کتاب) میں ہے کہ مشرکین اپنے گمان پر مدعی تھے کہ وہ راہِ راست پر ہیں، اور ہمیں یہ حج وغیرہ اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان پر رضوانًا فرمایا ہے اگرچہ ان کا یہ گمانِ فاسد اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے کوسوں دُور تھا ۔ لیکن یہ یاد رہنا چاہیئے کہ اُن کی یہ طلبِ رضائے الٰہی اگرچہ غلط طریقے پر مبنی تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم میں کمی نہیں کہ انہیں دنیوی منفعت سے نہ نوازے ۔ کچھ بعید نہیں کہ انہیں اس سے دنیوی امور میں منافع نصیب ہوں اور انھیں دنیوی

تکالیف اور پریشانیوں سے نجات مل جائے، خصوصاً جو شخص بھی حقوق اللہ اور اس کے شعائر کی تعظیم کی پابندی کرے تو اسے ضروری منفعت اور دنیا کے مصائب سے نجات دی جاتی ہے[1]

قاعدہ: آیت ہذا یہاں تک منسوخ ہے اس کا ناسخ قولِ باری تعالیٰ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہ اور قولہٖ تعالیٰ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا ہے۔

مسئلہ: اب کوئی مشرک نہ حج پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی حج کی قربانی کی وجہ سے امن پا سکتا ہے اور نہ قربانی کے جانور کو قلادے پہنانے سے بچ سکتا ہے۔

ف: امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورہ مائدہ میں صرف یہی آیت منسوخ ہے۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا جب حلالی ہو جاؤ تو شکار کرو۔ شکار کی ممانعت وانتم حرم سے کی گئی۔ اس جملہ سے اب شکار کرنے کی اجازت کی تصریح کی گئی ہے۔

قاعدہ: فاصطادوا کا امر اباحۃ کا ہے۔ یعنی احرام کی حالت میں جو تمہیں روکا گیا تھا اب تمہیں شکار کرنے کی اجازت ہے، اس لیے کہ ممانعت کا موجب (احرام کا حکم) رفع ہو گیا۔ گویا فرمایا گیا کہ جب احرام سے فارغ ہو جاؤ اب تمہیں شکار کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ اور تمہیں نہ اُبھارے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

جَرَمَنِی فُلَانٌ علی ان صَنَعْتُ کذا۔ مجھے فلاں نے ابھارا کہ ایسے ایسے کروں۔

جَرَمَنِی بمعنی حَمَلَنِی۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں برانگیختہ نہ کرے **شَنَاٰنُ قَوْمٍ** سخت بغض اور شدید عداوت۔

شناٰن، شنئت کا مصدر ہے اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اگر مفعول کی طرف مضاف ہو تو معنیٰ ہوا لبغضکم لبعض۔ اس صورت میں فاعل محذوف ہوگا **اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** یہ کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا یعنی سالِ حدیبیہ میں انہوں نے تمہیں کعبہ شریف کی زیارت اور عمرہ کے طواف سے روک دیا تھا **اَنْ تَعْتَدُوْا** کہ تم سے حد سے تجاوز نہ کرو۔ یہ یجرمنکم کا دوسرا مفعول ہے یعنی تمہیں اُن کا بغض اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ جیسے انہوں نے تمہیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکا تھا تم بھی انہیں بیت اللہ سے روک دو تاکہ تم اپنے دل کی

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ بعض بد مذاہب منکرین اسلام یا اسلام کے مدعیان گمراہ فرقے نیکیوں کے بل بوتے پر کامیابیوں سے ہمکنار ہو جاتے ہیں تو وہ اسی اصول کے مطابق ہے نہ کہ وہ ان کی حقانیت کی دلیل۔ فافہم۔ اویسی غفرلہٗ

پھڑا اس نکالو وَتَعَاوَنُوْا اور تم ایک دوسرے کی مدد کرو عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى نیک پرہیزگاری پر، یعنی درگزر اور چشم پوشی اور ایک دوسرے کے معاملات سے مددگاری اور خواہشات سے دُوری وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور نہ ہی گناہوں اور تجاوز عن الحد میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور ظلم کی پھڑا اس نکالنے اور بدلہ لینے کی غرض پر گناہ اور ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

مسئلہ: تجاوز عن الحد پر ایک دوسرے کی مدد کرنا گناہ ہے۔ ہاں جب کوئی کسی دوسرے پر تجاوز کرتا دیکھے تو مظلوم کی مدد کرنا چاہیئے۔

مسئلہ: نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرنا واجب ہے۔

قاعدہ: تعاونوا در اصل تتعاونوا تھا، تخفیفاً ایک تار کو حذف کر دیا گیا۔

سوال: نہی کو امر سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے حالانکہ فطرت کا تقاضا ہے کہ پہلے شئے کو خرابیوں سے پاک و صاف کیا جائے پھر اسے عمل میں لایا جائے۔ نہی میں پہلے صفائی کی جاتی ہے پھر امر سے اس پر عمل کا حکم ہوتا ہے اور یہاں پر معاملہ برعکس ہے۔

جواب: مقصود بالذات تعمیل حکم ہے اور وہ امر میں نمایاں ہے اس لیے مقدم کیا گیا۔ علاوہ ازیں نہی مذکور سے یہی مقصود ہے کہ گناہ اور تجاوز عن الحد پر تعاون نہ کرو، اور یہی تعاون علی البرّ والتقویٰ ہے اس لیے پہلے نہی کر کے تعاون علی البر والتقویٰ کا اجمالی حکم ہوا پھر امر سے اس کی تصریح کی گئی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بِرّ اور اِثم کی تفسیر کے لیے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

بِرّ خلق حسن کو کہا جاتا ہے، اور اِثم یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ واقعی یہ برا عمل ہے اور لوگوں کے ہاں اُس عمل کے اظہار کا بھی جی نہ چاہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور جمیع امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، منجملہ ان کے یہی ہے کہ اس کے جمیع اوامر و نواہی مذکورہ کی مخالفت نہ کی جائے۔

ف: اس آیت سے تقویٰ کا وجوب دلیل برہانی کے طریق سے ثابت ہوا اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ جو اس سے نہیں ڈرتا وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ شعائر اللہ دراصل اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا نام ہے ۔ یہی شریعت کے علامات اور نشانات نیز آدابِ طریقت کے مراسم ہیں ۔ ایسے ہی اربابِ حقیقۃ نے اشارہ فرمایا ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک رب کی حقیقت اللہ تعالیٰ تک جانے کا نام ہے ایسے ہی وہ کہتے ہیں حقیقی تقویٰ خروج عن ماسوی اللہ ہے اور وصول الی اللہ ان دونوں باتوں کے بغیر محال ہے اور وہ ہیں صرف دو قدم، لیکن انہیں طے کرنا شیخ کامل کی نگاہ[1] کے بغیر ناممکن ہے اور شیخ بھی نہ صرف کامل بلکہ وہ کامل گر ہو اور خود بھی واصل ہو اور دوسروں کو واصل باللہ بنا سکتا ہو اس لیے کہ اس راہ کا حقیقی رہبر ایسا ہونا لازمی ہے ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد

ترجمہ : عشق کے کوچہ میں رہبر کے بغیر قدم نہ رکھ کہ میں نے تنہا اس کا بہت اہتمام کیا لیکن کام نہ بنا ۔

اور فرمایا : ؎

شبان وادیٔ ایمن گہی رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ : موسیٰ علیہ السلام جیسا بھی وادیٔ ایمن میں اس وقت پہنچ سکتا ہے جب کئی سال شعیب علیہ السلام (رہبر) کی خدمت میں گزارے ۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے معظماتِ مکان یا زمان یا حضرتِ انسان کی تعظیم بجا لانا واجب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مہینوں اور دنوں اور وقتوں کے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے جیسے بعض انبیاء علیہم السلام اور بعض اُمتوں کو بعض پر فضیلت عنایت فرمائی ہے ۔

نکتہ : بعض کو بعض پر فضیلت بخشنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قلوب ان کی عزت و احترام میں شوق

---

[1] ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ نے اس نظریہ کو یوں پیش کیا ہے : ؎
اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

پیدا کریں بلکہ عبادت کر کے اُن کے حصول میں جد و جہد کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان فضائل کے لیے رغبت پیدا ہو۔

نکتہ: مکانات کو فضیلت بخشنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دل سے انہیں معظم سمجھ کر وہاں ٹھہرنے کے لیے رغبت پیدا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو نیک اور بعض کو بد بنایا۔ لیکن یاد رہے کہ سعادت و شقاوت کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

مسئلہ: مخلوق من حیث المخلوق یعنی بایں معنی کہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں سب حسن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کے کفر کو دیکھ کر اُسے حقیر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے البتہ اتنا ضرور ہو کہ اس کے کفر سے نفرت و کراہت کی جائے۔

سبق: اہلِ سلوک پر لازم ہے کہ توحید کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو اچھی نظر سے دیکھے۔ کسی پر حقارت کی نگاہ نہ ڈالے اور نہ ہی کسی سے بغض رکھے اور نہ ہی کسی سے حسد کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

دلم جائے مہر یار است و بس
ازاں می نگنجد در و کین کس

ترجمہ: میرا دل دوست کی محبت کی جگہ ہے اور بس اسی لیے اس میں کسی کا کینہ نہیں سما سکتا۔

رُوحانی نسخہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:
کسی سے دشمنی کرنے سے دل اللہ تعالیٰ سے مشغول رہنے سے محروم ہو جاتا ہے۔

یعنی اس سے وہ امور منقطع ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ملانے والے ہوتے ہیں اس لیے کہ دل میں دو شغل بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔ یعنی ایک تو کسی کی عداوت کا شغل دوسرا یادِ الٰہی کا شغل

(۱) ہر کہ پیشہ کند عداوتِ خلق — از ہمہ چیز ہا جدا گردد
(۲) کہ دلش خستہ عنا باشد — کہ تنش بستۂ بلا گردد

ترجمہ: (۱) جس کا خلقِ خدا سے عداوت کا طریقہ ہو وہ تمام چیزوں سے جُدا ہو جائیگا۔
(۲) اسی لیے کہ اس کا دل دُکھ درد میں زخم رہے گا اور اس کا جسم بلاؤں میں مبتلا رہے گا۔

سبق: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمیع مکارمِ اخلاق اور تمام نیک اعمال سے

(باقی بر صفحہ ۹۲)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ
بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ
إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ط
ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ط الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ
فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ
فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ لا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝
يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ لا وَمَا
عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا
عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ز فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
عَلَيْهِ صلى وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ
الطَّيِّبَاتُ ط وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ صلى وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ
لَهُمْ ز وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ط
وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ز وَهُوَ فِي
الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ع

ترجمہ: تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا اور وہ جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہوا اور جو گر کر مرا اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا اور جسے کوئی درندہ کھا گیا مگر جنہیں تم ذبح کر لو اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا اور پانسے ڈال کر بانٹا کرنا یہ گناہ کا کام ہے آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے نہ ڈرو آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہوا تم فرما دو کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور جو شکاری جانور تم نے سدھا لیے انہیں شکار پر دوڑاتے جو علم تمہیں خدا نے دیا اس سے انہیں سکھاتے تو کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے لیے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پارسا عورتیں مسلمان اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی جب تم انہیں ان کے مہر دو قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے اور نہ آشنا بناتے اور جو مسلمان سے کافر ہو اس کا کیا دھرا سب اکارت گیا اور وہ آخرت میں زیاں کار ہے۔

(بقیہ صفحہ ۔ ۹)

موصوف تھے اس لیے آپ کے عاشق پر لازم ہے کہ وہ آپ کی سیرت کو اپنائے اور آپ کی سیرت کو اپنائے اور آپ کی اقتداء میں جد و جہد کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی مدح و ثناء فرمائی، اور ہر نبی علیہ السلام کی علیحدہ علیحدہ نیک سیرت بیان فرمائی تو پھر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

فبهداهم اقتده۔

یعنی پس آپ بھی اُن کی سیرت کی اقتدا رکھیئے۔ آپ نے تعمیل فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصال حسنہ کا جامع بنایا۔

ف یاد رہے کہ ہر نبی علیہ السلام کسی ایک وصف خاص سے موصوف تھے حضرت نوح علیہ السلام شاکر، حضرت ابراہیم علیہ السلام باحوصلہ، موسیٰ علیہ السلام پُرخلوص، اسمٰعیل علیہ السلام صادق الوعد، یعقوب و ایوب علیہما السلام صابر، داؤد علیہ السلام معذرت خواہ، سلیمان علیہ السلام متواضع اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زاہد تھے۔ جب حضور علیہ السلام نے ان سب کی سیرتوں کو اپنایا تو آپ جامع الکمالات ہوئے۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ جب وہ ایسے مقدس رسول علیہ السلام کا امتی ہے تو اسے بھی ان کا تقویٰ حاصل کرنا چاہیئے اور اپنے رسول علیہ السلام کا حیا لازم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے عتاب اور سخت عذاب سے نجات نصیب ہو اور بہشت کی دائمی نعمتوں سے مالا مال ہو بلکہ وہ بہت بڑے مراتب حاصل ہوں جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو نصیب ہوئے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۹۱)

تفسیر عالمانہ **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ** تمہارے اوپر مردار حرام ہیں، یعنی مردار کا کھانا حرام ہے۔

سوال : تم نے کھانے کا اضافہ کیوں کیا ہے؟

جواب : تحریم و تحلیل دونوں افعال سے متعلق ہیں نہ کہ اعیان سے، اس لیے۔

ف : المیتۃ ہر وہ حیوان جس کی روح ذبح کے بغیر نکل جائے۔

وَالدَّمُ اور خون بھی تمہارے لیے حرام ہے اور خون بھی وہ جو کہ جانور کو ذبح کرتے وقت بہہ نکلے، جیسے رگوں کا خون وغیرہ نہ کہ جگر اور تلی کا۔ اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ خون کو آنتوں میں محفوظ کر لیتے تھے پھر انہیں بھُون کر کھاتے اور کہتے جو جانور ذبح کر لیا جائے تو اس سے نکلا ہوا خون حرام نہیں ہوتا **وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ** اور خنزیر کا گوشت۔ خنزیر حرام لعینہ ہے نہ یہ کہ جب مردار ہو جائے اسے اگرچہ ذبح بھی کیا جائے تب بھی اس کا گوشت حرام ہے۔

سوال : صرف خنزیر کی تخصیص کیوں، حالانکہ کتا وغیرہ بھی تو حرام ہیں، اسی طرح دیگر درندے وغیرہ۔

جواب ۱) بہت سے کفار خنزیر کے گوشت کے بڑے خوگر تھے انہی کی وجہ سے اسے خصوصی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۲) دُوسرے حرام جانوروں کو جب ذبح کیا جائے تو ان کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اگرچہ ان کا کھانا حرام ہوتا ہے لیکن پاک ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسا گوشت پانی میں گر جائے تو پانی پلید نہ ہوگا بخلاف خنزیر کے گوشت کے کہ وہ نجس العین ہے۔

مسئلہ: تنزیر میں ہے کہ نجس العین ہے۔

نکتہ: اطباء فرماتے ہیں کہ ہر غذا کھانے والے کے جوہر کا جزء بن جاتا ہے، پھر اس غذا کے مطابق کھانے والے کے اندر انہی خصائل وصفات کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔

خنزیر اور اس کی عادات

(۱) حریص

(۲) شہوانی اشیاء کی بہت رغبت رکھتا ہے۔

انہی وجوہ کے پیش نظر انسان پر لازم ہے کہ اس کے کھانے سے پرہیز کرے تاکہ اس کی عادات خصائل اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔

(۳) خنزیر میں سب سے بُری عادت بے غیرتی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سوّر اپنی سورنی پر کسی دوسرے سوّر کو چڑھا ہوا دیکھتا ہے تو بے غیرتی سے اسے کچھ نہیں کہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کھانے سے بے غیرتی پیدا ہوتی ہے۔

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اور وُہ جانور کہ جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے مثلاً کفار کہتے تھے باسم اللّات والعُزّٰی۔

مسئلہ: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی لے، مثلاً کہے بسم اللہ و محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تو وہ مذبوحہ جانور حرام ہو جائیگا۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللّٰہ من لعن والدیہ ولعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ۔	اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو اپنے ماں باپ پر لعنت کرتا ہے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔

مسئلہ: امام نوّوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جانور کو بُت یا حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے لیے ذبح کیا جائے۔

مسئلہ: شیخ ماوردی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہر وہ جانور جو بادشاہ کی آمد کی خوشی پر ذبح کیا جائے

تاکہ بادشاہ کا قرب حاصل ہو، تو اہلِ بخارا نے اس کی حرمت کا فتوٰی دیا ہے اس لیے کہ یہ بھی مااھل لغیر اللّٰہ بہٖ میں شامل ہے۔ لیکن رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مذبوحہ حرام نہیں اس لیے کہ وہ لوگ جانوروں کو بادشاہ کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے بچے کی پیدائش کی خوشی میں عقیقہ کا جانور ذبح کیا جاتا ہے اور یہ حرام نہیں۔ جب یہ حرام نہیں تو بادشاہ کے قدوم میں ذبح کیا ہوا جانور کیوں حرام ہو۔ کذا فی مشارق الانوار لابن الملک۔

وَالْمُنْخَنِقَةُ اور وہ جانور جسے گلا گھونٹ کر مارا جائے۔

حلِ لغات: کسی کا گلا دبا کر اس کا سانس بند کر دینے کو الخنق کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: جب اس حالت میں کوئی حلال جانور مر جائے تو اس کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، گلا گھونٹنا کسی انسان سے ہو یا کسی اور سبب سے۔ مثلاً کسی جانور کا گلا اتفاقاً کسی چیز میں پھنس جائے اور وہ اس حالت میں مر جائے۔

ف: اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بکریوں کا گلا گھونٹ کر مار دیتے پھر اُن کا گوشت کھا جاتے۔

نکتہ: چونکہ گلا گھونٹا ہُوا جانور مردار کی ایک قسم ہے اس لیے کہ جس طرح مردار کی رُوح نکل جانے کے بعد خون نہیں بہتا اسی طرح اس کا خون بھی نہیں بہتا، یہ اسی لیے حرام ہے کہ شرعی ذبح کرنے کے بغیر مر گئی ہے۔

وَالْمَوْقُوْذَةُ اور وہ جانور جس کی جان لکڑی یا پتھر مار کر نکالی جائے۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں: وقذتہ اذا ضربتہ میں نے اسے مارا۔

ف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جانوروں کو لکڑی یا پتھر سے مار کر جان نکال لیتے تھے پھر اُن کا گوشت کھاتے تھے۔ چونکہ یہ بھی المنخنقۃ کی قسم سے ہے اس لیے کہ جیسے مرنے کے بعد اس کا خون نہیں بہتا ایسے ہی اس کا بھی۔

وَالْمُتَرَدِّيَةُ اور وُہ جانور جو کہ بلند جگہ سے نیچے گرا کر مارا جائے تو وہ ذبح سے پہلے مر جائے۔

حلِ لغات: تردی بمعنے گرنا۔ الردی سے ماخوذ ہے یعنی ہلاک شدن۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کہ جب تم پہاڑ پر کھڑے ہو کر شکار کو تیر مارو اور وہ وہاں سے پانی میں گر جائے تو اسے مت کھانا اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ وہ تیرا تیر لگنے سے مرا ہے یا پانی سے۔

قاعدہ : یہی حدیث شریف کا ضابطہ کلیہ ہے ان مسائل کے لیے جن کے متعلق فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جہاں حظر واباحت جمع ہوں تو وہاں حظر کو ترجیح دی جائے گی۔

حدیث شریف : اس بناء پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الحلال بین والحرام بین و بینھما امور مشتبھہ فدع ما یریبك الی ما یریبك ألا وان لکل ملك حمی وان حمی اللہ محارمه فمن رتع حول الحمی یوشك ان یقع فیه۔

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی، لیکن ان کے مابین چند مشتبہات ہیں اس لیے شکوک کو چھوڑ کر اُن امور کو لے لو جن میں شبہات نہ ہوں، بیشک ہر بادشاہ کی حفاظت گاہیں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت گاہیں اس کے محارم ہیں۔ پس جو شخص اللہ کی حفاظت گاہوں کے گرد پھرتا ہے قریب ہے کہ وہ ان میں واقع ہو جائے۔ (یعنی مشتبہات سے بچنا چاہیئے)

فرمانِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم حلال کے نو حصوں کو بھی ترک کر دیتے تھے اس خطرہ سے کہ کہیں ہم سُود کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔

وَالنَّطِيْحَةُ اور وُہ جانور بھی حرام ہیں جنہیں کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر مار ڈالا ہو۔ النطح سے ہے۔ فارسی میں بمعنی سرزدن یعنی سینگ مارنا۔

قاعدہ : ان چاروں صیغوں میں تاء صفت سے منقول ہو کر اسمیت میں استعمال ہوئی ہے۔

قاعدہ : جہاں یہ تاء واقع ہو گی وہ صیغہ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے واقع ہو گی۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان چاروں صیغوں میں تاء تانیث کی ہے اور موصوف محذوف کے لیے صفات واقع ہوئی ہیں، اس سے مراد شاۃ ہے، در اصل عبارت یُوں ہو گی حرّمت علیکم الشاۃ المنخنقة والموقوذۃ الخ۔

سوال : حرف شاۃ مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب : چونکہ ان میں شاۃ (بکری) کا کھانا بکثرت تھا اس لیے اُس کا ذکر اس کثرت کی بنا پر ہوگا باقی جانور بالتبع شامل ہوں گے اور یہ قاعدہ عام ہے کہ کثیر الوقوع کا ذکر کر کے اُس کی تمام اجناس مراد لی جاتی ہیں۔

وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اور وُہ جانور کہ جسے درندے پکڑ کر کھائیں۔

ف : ایسے جانوروں کو بھی اہلِ جاہلیت کھا جاتے تھے۔ السبع ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو داڑھ رکھتا ہو، اور وہ انسان اور عام جانوروں پر حملہ کر کے دبوچ لے، جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ جو شکار درندے ماریں اس کا کھانا حرام ہے۔

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ہاں جنہیں تم ذبح کر لو وہ تمہارے لیے حلال ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے ذبح کرنے سے پہلے ان میں رُوح باقی ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ تمہارے ذبح کے وقت اس میں حرکت و اضطراب پایا جائے۔

مسئلہ : جسے درندہ مار ڈالے اور اس کی روح نکلنے سے پہلے تم اسے ذبح نہیں کر سکے تو وہ مردار کے حکم میں ہے یعنی حرام۔

مسئلہ : دوسرے جانور کے سینگ سے مر جانے والے جانور کو روح نکلنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے۔

مسئلہ : ہر وُہ پرندہ جسے شکاری نے ہوا پر اڑتے ہوئے کو تیر سے مار گرایا ہے اگر وُہ تیر لگنے سے سیدھا زمین پر گرا تو وہ حلال ہے اس لیے اس کا اس طرح سے زمین کا گرنا اس کا اپنا فعل ہے۔ اگر تیر لگنے سے وہ کسی درخت یا پہاڑ وغیرہ سے ٹکر کھا کر نیچے زمین پہ گرا ہے تو وہ حرام ہے اس لیے کہ یہ متردیہ اوپر سے نیچے گر کر مرنے والوں کے حکم میں ہے۔ ہاں اگر شکاری کو یقین ہے کہ اس کا تیر اُس کے چھرے پھرنے والے مقام پہ لگا ہے تو وہ پرندہ حلال ہے، جیسے بھی گرا ہے یعنی خواہ وُہ زمین پر سیدھا گرا ہے یا درخت یا پہاڑ سے ٹکرا کر، اس لیے کہ شکاری کا تیر ذبح کرنے کے مقام پر لگ کر اسے چھُرا پھیرنے کا کام کر گیا ہے۔

ف : شریعت میں حلقوم و مُری کے کٹ جانے کا نام ذبح ہے اور مُری ایک رگ کا نام ہے جو حلقوم کے بالکل متصل ہوتی ہے یعنی وُہ مقام جہاں سے طعام اور پانی گزر کر پیٹ میں پہنچتا ہے۔

مسئلہ : ذبح کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جانور کا حلقوم اور مُری کٹ جائیں، اور بہتر و اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ حلقوم و مُری کے ساتھ دو جان بھی کٹ جائیں۔ یہ اس جانور کے لیے ہے جسے اختیاراً ذبح کیا جائے اور اضطراراً جہاں بھی چھُرا وغیرہ سے کاٹ دیں۔

مسئلہ : لوہے کی ہر دھاری دار شئ (آلہ) یا شیشے والی شئ یا پتھر یا اس طرح کی اور اشیائ سے ذبح کیا جا سکتا ہے۔

قاعدہ : جمہور فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر وُہ شے جو رگوں کو کاٹ کر خون بہا سکے

شانِ نزول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! اہلِ جاہلیت تو کعبہ معظمہ کی یونہی عزت و احترام کرتے تھے ہمیں بھی اجازت بخشئے تاکہ ہم بھی ان کی طرح کعبہ شریف کا احترام کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق کچھ نہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی : لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤھا الخ۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ اور یہ کہ تم تیروں سے اپنی قسمت آزمائی کرتے ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس فعل کو بھی حرام فرمایا ہے۔

شانِ نزول ۲ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو اس کے کرنے یا نہ کرنے کے لیے تین تیر لاتے ، ایک پر لکھتے امرنی ربی (میرے اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے) ، دوسرے پر یہ لکھتے نہانی ربی (میرے رب نے مجھے اس کام سے روکا ہے) تیسرے کو خالی رکھتے ۔ اگر پہلا تیر نکلتا تو کام کے لیے چلے جاتے ، اگر دوسرا نکلتا تو اس کام سے رک جاتے ۔ اگر تیسرا نکلتا تو پھر دوبارہ قسمت آزمائی کرتے ۔ اور قسمت آزمائی بھی اس کام میں کرتے جو کام قسمت آزمائی کے قابل ہوتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں : بتوں پر مذبوحہ جانوروں کی تقسیم تیروں کے ذریعے کرنا۔ اس کی تفصیل یسئلونک عن الخمر والمیسر (سورۃ بقرہ) میں گزر چکی ہے۔

ذٰلِكُمْ یہ اشارہ تیروں کے ساتھ قسمت آزمائی کی طرف ہے ۔ **فِسْقٌ** فسق یعنی اللہ تعالےٰ سے سرکشی کرنا اور حد سے متجاوز ہونا اور علم غیب اور گمراہی میں داخل ہونا ہے ، یہ اعتقاد رکھ کر کہ یہی طریقہ موصل الی اللہ ہے ۔ اور پھر اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشی کہ اس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں حکم نہیں دیا۔ علاوہ ازیں اس میں وہ شرک اور جہالت کے مرتکب ہوتے تھے اگر ربی سے کوئی بت مراد ہو۔

مسئلہ : اس آیت سے ثابت ہُوا کہ نجومیوں کے قول پر عمل کرنا فسق ہے جبکہ وُہ کہتے ہیں کہ تیرا ستارہ بولتا ہے یہ کام کر یا یہ کام نہ کر۔

مسئلہ : اس لیے کہ اس میں بھی غیر کے لیے علم غیب ماننا پڑتا ہے اور (بالذات) اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

مسئلہ : غیب کی باتیں کسی غیر سے پُوچھنا ۔ یعنی یہ طریقہ نامشروع کسی سے خیر و شر کا پتا کرنا ، جیسے نجومیوں اور کاہنوں سے پُوچھا جاتا ہے شرعاً ممنوع ہے۔

اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: ناخن، دانت، ہڈی سے ذبح ناجائز ہے۔

مسئلہ: ان اشیاء کو دھاری دار بنایا جائے تو ان سے ذبح جائز ہے۔

ف: ناخن و دانت و ہڈی وغیرہ اگر دھاری دار نہیں تو ان سے ذبح کیا ہوا المنخنقة یعنی گلا گھونٹ کر مارے جانے والے جانور کے حکم میں ہوگا، ہاں دھاری دار ہوں تو تمام فقہاء ایسے ذبح کو حلال کہتے ہیں۔

مسئلہ: ذبح سے پہلے زندہ جانور سے جو گوشت کاٹ لیا جائے وہ حرام ہے اور وہ مردار کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: ذکوٰۃ کا اطلاق مکمل طور پر ذبح پر کیا جاتا ہے کہ اس کا کھانا حلال ہے وہ حرام نہیں کہلا سکتا اس لیے کہ در اصل ذکوٰۃ اتمام الشئ کو کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذکاء اس پر فہم کے لیے بولا جاتا ہے جو تام العقل ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

الذکاۃ ما بین اللبۃ واللحیین۔ ذکوٰۃ لبہ ولحیین کے مابین ہوتا ہے۔

مسئلہ: ہر وہ باسی گوشت جو دار الحرب سے دار السلام میں لایا جائے اس کا کھانا حرام ہے اس لیے کہ حربی (کافر لوگ) گائے بھینس وغیرہ کو کلھاڑی وغیرہ سے مار کر اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ اس طرح سے تو ذکاۃ شرعی واقع نہ ہوا فلہٰذا ایسا گوشت کھانا حرام ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور وہ جانور جسے تھان پر ذبح کیا جائے۔ نصب، انصاب کا واحد ہے یہ چند پتھر تھے جو کعبہ کے ارد گرد پڑے تھے جن پر کفار بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے اور اسی کو وہ قربت الٰہی سمجھتے تھے۔

ف: حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ النصب سے اوثان (بت) مراد لینا غلطی ہے اس لیے کہ اس کا عطف وما اھل لغیر اللہ بہ پر ہے، اور اس کا مطلب ہے بتوں پر جانور ذبح کرنا اور معطوف و معطوف علیہ میں مغایرت ضروری ہے۔

ف: حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ بت پتھر کی منقش مورتیاں تھیں اور النصب صرف چند ایک پتھر تھے جنہیں کفار کعبہ معظمہ کے ارد گرد جمع رکھتے تھے اور مذبوحہ جانوروں کے خون سے انہیں لت پت کرتے اور کچھ گوشت بھی اس پر رکھ چھوڑتے تھے۔

مسئلہ : بطریق مشروع جیسے کہ قرآن یا نماز پڑھ کر استخارہ کے طور غیبی باتیں حاصل کرنا یا بذریعہ دُعا یا بطریق نظرِ غیبی امورِ معلوم کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ تمام طریقے شرعاً جائز ہیں۔
مسئلہ : کسی ذریعہ سے قسمت آزمائی کرنا مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ تیروں کے ذریعے جائز ہے۔
حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العیافة والطرق والطیرة من الجبت۔	فال پکڑنا جادو منتر کرنے والے سے کنکریوں کے پھینکنے کی درخواست کرنا بدفال بت پرستی سے ہیں۔

ف : المطرق عربی میں جادو منتر کرنے والے سے کنکریوں کے پھینکنے کی درخواست کو کہتے ہیں۔
حدیث شریف میں ہے :

من تکھن او استقسم او تطیر طیرة تردہ من سفرہ لم ینظر الی الدرجات العلی من الجنة یوم القیامة۔	جو شخص کہانت کرتا ہے یا تیروں سے قسمت آزمائی کے درپے ہوتا ہے یا بُری فال لینے کا پابند ہوکر سفر سے لوٹتا ہے وہ قیامت میں بہشت کے بلند درجات سے محروم ہوگا۔

اَلْیَوْمَ یہ الف ولام عہد کا ہے اس سے وقت حاضر اور وہ زمانہ جو ماضی قریب میں اور مستقبل میں اُن کے متصل ہے مراد ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

کنت بالامس شابا والیوم قد صرت الیوم شیخا۔	کل تو میں نوجوان تھا آج میں بوڑھا بھی ہوگیا ہُوں۔

اس سے تمہاری مراد نہ تو کل گزشتہ سے ہے اور نہ ہی آج کا دِن بلکہ اس سے مطلقاً گزشتہ اور موجودہ زندگی کے لمحات ہیں۔

شانِ نزول بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جبکہ آیت ہٰذا نازل ہُوئی، اور وہ حجۃ الوداع نویں ذوالحجہ جمعہ کا دن بعد نماز عصر کا وقت تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عضبا۔ اونٹنی پر سوار تھے، جب یہ آیت اُتری تو اس کے بوجھ سے اونٹنی کے اعضاء ٹوٹنے پر آگئے یہاں تک کہ اونٹنی نیچے بیٹھ گئی۔
ف : الیوم سے جو کچھ مراد ہو یئس کی وجہ سے منصوب علی الظرفیة ہے۔

يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ وہ کفار تمہارے دین سے آج کے دن ناامید ہوگئے اس لیے کہ تم نے آج کے دن کو جھٹلایا، اور ان سے بالکلیہ دُور ہوگئے اور نہ ہی ان حرام کردہ اشیأ کو اب حلال کہو گے، یا یہ معنیٰ ہے کہ اب وُہ کفار تمہارے اوپر کسی طریق سے بھی غلبہ نہیں پا سکتے، جبکہ انہیں یقین ہوچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا، اور اس نے جو وعدہ فرمایا تھا اب اس نے پُورا کردیا۔ آنے والے جملہ کی وجہ سے یہی معنیٰ یہاں پر زیادہ مناسب ہے فَلَا تَخْشَوْهُمْ پس ان سے گھبراؤ نہیں اس خیال پر کہ وہ تمہارے اوپر کچھ غلبہ پاسکیں گے وَاخْشَوْنِ خالص و مخلص ہو کر مجھ سے ڈرو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آج سے میں نے تمہارے دین کو مدد دے کر اور تمام ادیان پر غالب کرکے مکمل کردیا۔ یا مکمل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ میں نے تمہارے عقاید کے اصول وضوابط واضح طور پر بیان کیے ہیں اور تمہارے شرعی مسائل کے اصول اور اجتہاد کے قوانین پر تمہیں پورے طور پر واقف کردیا ہے وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اور میں نے تمہارے لیے ہدایت و توفیق یا دین اور شرعی اصول کی تکمیل یا فتحِ مکّہ اور اس میں امن والے اور غلبہ پاکر داخل ہونے سے یا جاہلیت کے گندے رسوم اور ان کے مناسک کے غلط طریقے مٹا کر تمہارے دین کو کامیاب کیا ہے، اور یہ بھی ہے کہ تمہارے دین کی تکمیل کی علامت یہ ہے کہ اب مکہ معظمہ میں کوئی مشرک حج نہیں کرسکے گا اور نہ ہی وہ ننگا ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف کرسکے گا وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا کہ تمام ادیان سے صرف اسلام کو منتخب فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے۔

ف: دیناً، الاسلام سے حال ہے اور یہ بھی ہے کہ رضیت بمعنے صیرّت ہے۔ اس بنار پر دیناً اس کا مفعول ثانی ہے۔

حدیث شریف: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اس دین کو اپنے لیے پسند فرمایا ہے اور اس کے لیے صرف سخاوت اور حسنِ خلق کی صلاحیت رکھتے ہیں جب تک تم اس دین میں داخل رہو انہیں دو صفات سے عزت و احترام کرو۔

مکالمۂ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بہ یہودی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ سے ایک یہودی نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے اگر وہ ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم

اس کے یومِ نزول کو عید مناتے۔ آپ نے فرمایا، وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے عرض کی الیوم اکملت لکم الخ آپ نے فرمایا ہمیں معلوم ہے کہ کون سے دن اور کس مقدس مقام پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ اس وقت نازل ہوئی جبکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نویں ذوالحجہ کو جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور وُہ موقعہ بھی حجۃ الوداع کا تھا۔

ف: اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ یہ ایام ہمارے لیے بھی عید سے کم نہیں۔

عید میلاد النبی کہنے کا ثبوت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تقریر سے ثابت ہوا کہ اس دن پانچ عیدوں کا اجتماع ہُوا:

(۱) یومِ جمعہ
(۲) یومِ عرفہ
(۳) عیدِ یہود
(۴) عیدِ نصاریٰ
(۵) عیدِ مجوس

یہ وہ خصوصیت ہے کہ اہل ادیان میں سے سوائے اہل اسلام کے نہ پہلے کسی کو نصیب ہُوئی اور نہ ہی بعد میں کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔

فارُوق اعظم کی نکتہ سنجی

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہُوئی تو حضرت فاروق اعظم رو پڑے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوچھا کہ آپ کا رونا کس لیے ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! ہر شَے کا قاعدہ ہے کہ جب وہ مکمل ہوتی ہے تو اس کے بعد اس کا بڑھنا ناممکن ہوجاتا ہے بلکہ اس کے کم ہونے کا امکان پیدا ہوجاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: صدقت یٰعمر (اے عمر! آپ نے سچ کہا)۔

ف: گویا یہ آیت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر لائی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صرف اکاسی یوم زندہ رہے۔

ف: آپ کا وصال پیر کے دن، دن ڈھلے ۲ ربیع الاول شریف ۱۱ھ کو ہُوا۔ بعض روایات میں ۱۲ ربیع الاول شریف کو وصال ہونا مروی ہے، اور آپ نے ہجرت بھی ۱۲ ربیع الاول شریف ہی کو فرمائی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱)	جہاں اے برادر نماند بکس	دل در جہاں آفریں بند و بس
(۲)	جہاں اے پسر ملک جاوید نیست	ز دنیا وفاداری امید نیست
(۳)	منہ دل بریں سال خوردہ مکان	کہ گنبد نپاید برو گردگان

ترجمہ: (۱) اے برادر! یہ جہان کسی کا ساتھ نہ دے گا جہان کے خالق کے ساتھ دلبستگی کر۔

(۲) اے عزیز! اس جہان کو دوام حاصل نہیں، دنیا سے وفا کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔

(۳) اس پُرانے مکان کے ساتھ جی نہ لگا کیونکہ گنبد پر ڈھیلا نہیں ٹھہر سکتا۔

فَمَنِ اضْطُرَّ ربط: اس کا تعلق محرمات مذکورہ سے ہے اُن کے مابین جو مذکور ہوا وہ جملہ معترضہ ہے اور ان میں بھی یہی فرمایا گیا کہ ان امور سے بھی احتراز ضروری ہے اس لیے کہ ان امور کا ارتکاب بھی فسق ہے اور اُن کی تحریم بھی دین کامل میں شامل ہے۔ اور ان سے بچنا نعمت تامہ اور پسندیدہ اسلام ہے۔ پس جو شخص ان محرمات مذکورہ کو مجبور ہو کر کھاتا ہے فِیْ مَخْمَصَةٍ ایسی بھوک میں کہ اگر نہ کھائے تو مر جائے گا یا کم از کم موت کے قریب پہنچ جائیگا غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ یہ جواب محذوف کے فاعل سے حال ہے یعنی محرماتِ مذکورہ میں سے کسی حرام کو اس وقت کھا سکتا ہے جبکہ اس کا اس حرام کی طرف جھکاؤ اور میلان نہیں۔ مثلاً لذت کے طور یا رخصت کی حد سے متجاوز ہو کر یا کسی دوسرے مجبور محض سے چھین کر۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

غیر باغ ولا عاد (نہ باغی ہو کر اور نہ ہی حد سے بڑھ کر)

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پس بیشک اللہ غفور رحیم ہے کہ ایسی حالت میں کھانے پر مواخذہ نہیں فرمائیگا، یہ جواب مقدر کی علت ہے۔

حدیث شریف: کسی شخص نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ایسی جگہ پر رہتے ہیں کہ ہمیں کبھی کبھی قحط گھیر لیتا ہے تو کیا پھر ہم مردار کھا سکتے ہیں، اور کتنی مقدار؟ آپ نے فرمایا:

ما لم تصطبحوا او تغتبقوا او تجتفئوا بھا بقلا فشانکم بھا۔	بے شک شکار نہ ملے یا دوسرا کوئی سبب حاصل نہ ہو یا ساگ پات نہ پا سکو تو اپنے حال کے تم مختار ہو یعنی بقدرِ ضرورت کھا سکتے ہو۔

مسئلہ: جو بھوک سے مر رہا ہو اور وہ مردار نہ کھائے یا روزہ رکھے اور اس حالت میں بھوکا مرے اور کچھ نہ کھائے تو گنہگار رہوگا، اس لیے کہ یقین نہیں کہ اس دوا سے ضروری شفا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اس حرام شئے کے علاج کے بغیر تندرستی نصیب ہو۔

تفسیر صوفیانہ بظاہر ان آیات میں اہلِ دنیا اور طالبانِ آخرین کو خطاب ہے اور باطناً اہل اللہ اور خاص لوگوں کو عتاب ہے۔ مثلاً فرمایا کہ اے حق والو! یہ دنیا سب کی سب تمہارے لیے حرام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

در جہاں مردہ شان آرام نیست　　کین علف جز لائق انعام نیست

ہر کرا گلشن بود بزم و وطن　　کے خورد او بادہ اندر کو لخن

ترجمہ: جہان میں کسی کو بھی آرام نہیں یہ گھاس صرف جانوروں کے لائق نہیں۔
جسے گلشن و بزم و وطن حاصل ہے وہ میخانہ میں شراب کیوں پیئے۔

اور دم اور خنزیر سے مراد یہ ہے کہ حلال و حرام اور اس کا قلیل و کثیر سب تمہارے لیے حرام ہے یہ اس لیے کہ دم میں سے بعض حلال ہے اور خنزیر سب کا سب حرام ہے اور خون بہ نسبت گوشت کے قلیل اور گوشت اس کی بہ نسبت کثیر ہے **وما اھل لغیر اللہ بہ** سے طاعت وعبادت اور قرأت اور درس و تدریس اور روایت جو غیر اللہ کے لیے ادا کی جائیں **والمنخنقۃ والموقوذۃ** یعنی وہ لوگ جو اپنے نفوس کا مجاہدات سے گلا گھونٹتے ہیں اور انہیں قسم قسم کی ریاضتوں میں ڈال کر انہیں جمیع مرادوں سے روکتے ہیں اور جمیع مخالفات اوامر و نواہی پر زجر و توبیخ کرتے ہیں لیکن سب کچھ ریاء اور شہرت کی بنا پر۔ یہ بھی حرام ہے **والمتردیۃ والنطیحۃ** اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے ہمجولیوں کے اختلاط اور ساتھیوں کی آوارہ گفتگو اور دوستوں کے سامنے اپنے زُہد اور علم کے فخر و ناز سے اپنے نفوس کو اعلیٰ علیین سے گرا کر اسفل السافلین میں پہنچاتے ہیں **وما اکل السبع الا ماذکیتم** اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جن اشیاء میں قوت کی تمہیں ضرورت ہے اس میں بھی احتراز ضروری ہے کہ درندوں کی خوراک سے تم بچ کے رہو، یعنی ان ظالمین کی کمائی سے جو دنیا کے جیف (مردار) پر کتوں کی طرح جھپٹ پڑتے ہیں اور غلط طریقوں اور طمع نفسانی کے ذریعہ اسے حاصل کرتے ہیں تم ان سے دُور رہو۔ ہاں وہ تمہارے لیے جائز ہے جو تم کسبِ حلال اور جائز طریقوں سے بقدرِ ضرورت حاصل کرتے ہو **وما ذبح علی النصب** اس میں اشارہ ہے کہ مطالبِ دنیا و آخرت سے قسم قسم کی جدوجہد سے نفس کو بچایا جائے **وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق** یعنی تم طلبِ حرام میں نہ جھکو اور نہ ہی اُن کی طرف میلان رکھو اور نہ ہی حصول مقصود میں جد و جہد کرو اور نہ ہی ان امور کے

حاصل کرنے میں اپنی زندگی برباد کرو۔ جب تم ان جملہ امور سے بچ جاؤ گے اور ایسی غلط کاریوں سے محفوظ ہو جاؤ گے تو تم خالص اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ گے بلکہ فانی اللہ اور باقی باللہ کا مرتبہ حاصل کر لو گے۔ اس طرح سے انانیت کی قید اور انسانیت کی جیل سے چھوٹ جاؤ گے اور جذباتِ ربانیہ سے نوازے۔ پھر تمہاری شان یہ ہو گی کہ تمہاری راتیں روشن ہوں گی اور تاریکیاں انوار سے بدل جائیں گی الیوم یئس الذین کفروا یہاں پر کفار سے نفس اور اس کے صفات اور دنیا اور اُس کی شہوات مراد ہیں کہ یہ اشیاء تمہارے دین سے ناامید ہو جائیں گی۔ اب انھیں یقین ہو جائے گا کہ تمہیں ان کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں رہی اور نہ ہی تمہاری نماز کا قبلہ یہی امور رہے ہیں فَلَا تَخْشَوْهُمْ اب تم ان سے ڈرو اس لیے کہ تم ان کی مکاریوں سے نجات پا چکے ہو وَاخْشَوْنِ اور مجھ سے ڈرو اس لیے کہ میری گرفت سخت اور میرا غضب شدید اور میرا محاسبہ مضبوط ہے۔ الیوم سے ازل مراد ہے اکملت لکم یعنی میں نے ازل سے ہے تمہارے لیے تکمیلِ دین مقرر فرمائی اور یہ صرف تمہارے نصیب ہیں کہ میں نے باقی تمام ادیان سے تمہیں ممتاز فرمایا ہے اور میں نے ازل سے تمہارے کمال کو واضح فرمایا، یعنی ظاہر میں تمہارے دین کو تمام ادیان پر غلبہ ہے اس کی تشریح آئے گی اِن شاء اللہ تعالےٰ ورضیت لکم الاسلام دینا اور میں نے تمہارے لیے دین پسند فرمایا ہے کہ جسے تم ایسا مکمل پاؤ گے کہ کوئی تمہارے اس دین کے خلاف کرے گا تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ایسے راستے پر چلا جائے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وجود مجازی سے بالکل نکل جایا جائے۔ موجودات میں اس نعمت سے صرف انسان کو مخصوص کیا گیا۔ اور پھر ایسا راستہ تمام اُمتوں میں صرف اسی اُمتِ مصطفویہ کو نصیب ہوا ہے۔ یہ وہی دین ہے جس پہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک تمام پیغمبرانِ عظام چلتے رہے۔ لیکن اُن کا قُربِ الٰہی کے لیے ایک مخصوص طریقہ ہوتا ہے لیکن بطریقِ کمال صرف راستہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہُوا وہ یہی ہے کہ وجود مجازی سے نکل کر وجود حقیقی کو حاصل کرنا لیکن باوجود اینہمہ اُن کے طریقوں کے لیے بھی حضور علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فبھدٰھم اقتدہ، اس لیے حضور علیہ السلام انہی کے راستے پر چلتے رہے لیکن آپ کو وہ کمال صرف عنایت ازلیہ سے نصیب ہوا اس لیے کہ آپ کو مقامِ محبوبیت حاصل تھی اور اس محبوب ترین مرتبہ کی وجہ سے جذباتِ ربوبیت نے آپ کو شبِ اسراء میں وجودِ مجازی سے نکالا جبکہ آپ شبِ اسرٰی تمام انبیاء علیہم السلام کو طے کرتے ہُوئے دنیٰ فتدلّٰی کے قُربِ کمال تک پہنچے۔ یہی خصوصی راز ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور اسی قرب کی

وجہ سے آپ حقیقی وجود کی سعادت سے نوازے گئے فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ کے اسرارِ مخفی آپ پر ظاہر ہوئے، اسی شب درحقیقت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا میں فرمایا کہ تمہارا دین تمام ادیان پر غلبہ پا جائیگا اور کمالیتِ دین کا راز فرائض و احکام کے نزول میں مخفی ہے۔ اس راز کی تکمیل کا اعلان الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا میں فرمایا۔ ہماری مذکورہ بالا تقریر کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے:

حدیث شریف سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی مثال اس مرد کی ہے کہ جس نے بہترین مکان بنایا اور پھر اسے سنگارا اور خوب سجایا۔ لیکن اس میں ایک کنارے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اُس مکان کو دیکھ کر تعجب کریں اور کہیں کہ مکان تو بہتر ہے مگر اس کی اینٹ والی جگہ اگر پُر ہوتی تو یہ مکان مکمل ہوتا"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہُوں۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

ف: اس سے ثابت ہُوا کہ دین انبیاء علیہم السلام سے مکمل ہوا۔ لیکن اس کی حقیقی تکمیل حضور علیہ السلام سے ہُوئی کہ آپ ہی وجودِ مجازی سے نکل کر وجودِ حقیقی کو پہنچے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام وجودِ مجازی سے بالکلیہ نہ نکل سکے۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قیامت میں تمام انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اس لیے کہ اُن میں مجازی وجود کا بقایا موجود ہوگا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُمتی اُمتی پکاریں گے اس لیے کہ آپ وجودِ مجازی کو بالکل فنا کر چکے ہوں گے۔

امتِ محمدیہ کے فضائل حضور علیہ السلام کی اُمت کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ انہیں حضور علیہ السلام کی برکت سے دین کا کمال نصیب ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا و اتممت علیکم نعمتی۔ یہی تحصیلِ کمالات کے اسباب ہیں اور اس کا سب سے بڑا سبب حضور علیہ السلام کی تشریف آوری ہے و رضیت لکم الاسلام دینا میں وجودِ مجازی کو حضور علیہ السلام کو سپرد کر دینے کی طرف اشارہ ہے آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے سپرد کرنا چاہیے تاکہ وہ حضور علیہ السلام کی تابعداری کے اسباق سکھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجودِ مجازی میں محبّی شان ہے اور وجودِ حقیقی محبوبی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (فرمایئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو تو میری تابعداری کرو تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے و یغفر لکم ذنوبکم یعنی تمہارے وجودِ حقیقی کی

وجہ سے تمہارے وجود مجازی کے گناہ بخش دے گا اور فمن اضطر فی مخمصۃ میں اشارہ ہے کہ جو شخص دنیا اور آخرت کے امور میں کسی امر کی طرف متوجہ ہو کر ان کے لیے سخت سے سخت تر مجبور ہو جائے لیکن اُس کا مجبور ہونا تربیت کی وجہ سے ہو غیر متجانف لاثم لیکن اس کا اعراض حق کی طرف میلان اور جھکاؤ نہ ہو بلکہ جیسے پیچھے لوگوں کو ایک قسم کی سُستی اور غفلت طاری ہوتی ہے کی وجہ سے ہو اور اس وقفہ کی وجہ سے جو عموماً سالکینِ راہ کو حاصل ہوتی ہے پھر وہ التجا الی الحق سے اس کا تدارک کر لیتے ہیں اور مشائخ کی ارواح سے بچ جاتے ہیں کہ بزرگوں کی مدد پہنچ کر اس غلطی سے انہیں محفوظ کر لیتی یا وہ خود اس غلط کاری پر استغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کہ جن غلطیوں میں مبتلا ہوئے تو وہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور رحیم ہے کہ انہیں صراطِ مستقیم پر چلا دیتا ہے کہ انھیں اقامتِ دین کے اعمال کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ اس آیت میں ما استفہامیہ ہے اور بمعنے الذی، اب معنیٰ یوں ہُوا کہ انھیں کس نے محرمات کو حلال کر دیا ہے۔

سوال: یسئلون کو مفرد مفعول چاہیئے اور یہاں جملہ واقع ہوا ہے۔

جواب: یہاں سؤال القول کے معنیٰ کو متضمن ہے اور قول کا مفعول جملہ واقع ہوتا ہے۔ جسے مقولہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ فرمایئے تمہارے طیبات حلال ہیں۔ طیّب ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے طبائع کو فطرۃً نفرت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث۔ دراصل طیّب لغت میں لذیذ اور طبیعت کی چاہت کی شَیٔ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر طیبات سے بھی مراد وہی اشیاء ہیں جو لذیذ اور خواہش طبعی کے مطابق ہو۔

سوال: یہ تعریف تو لذیذ اشیاء کے علاوہ غلیظ چیزوں پر بھی صادق آتی ہے اس لیے کہ بہت سے لوگ گندی چیزوں کو بھی لذیذ اور خوش طبعی کے موافق سمجھ کر کھاتے ہیں۔

جواب: یہاں اُن لوگوں کی خواہش طبعی مراد ہے جو اہل مروّت اور اخلاقِ جمیلہ سے آراستہ ہیں نہ کہ عام اور غلیظ طبیعت والے۔ (کذا قال الامام فی تفسیرہٖ)

وَمَا عَلَّمْتُمْ اس کا عطف طیبٰت پر ہے لیکن مضاف محذوف کر کے اور اس کا ما موصولہ ہے اور اس کا عائد بھی محذوف ہے۔ اصل عبارت صید ما علمتموہ ہے، یعنی تمہارے وہ شکار بھی حلال ہیں جنہیں تم شکار کی تعلیم دے چکے ہو مِنَ الْجَوَارِحِ یہ اسم موصول

سے حال ہے اور جارحۃ کی جمع ہے بمعنے کاسبہ یعنی وہ جو کہ شکار کرنا جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا:

ویعلم ما جرحتم بالنہار۔

اور انسان کے لیے اس لفظ کا اطلاق بمعنے ان اعضائے کے ہوتا ہے کہ جن سے وہ کام کرتا ہے، ممکن ہے کہ یہ الجرح سے ہو بمعنی تفریق الاتصال یعنی شے کو چیرنا پھاڑنا۔ اور چونکہ الجوارح (اعضاء) سے اشیاء (شکار وغیرہ) کو چیرا پھاڑا جاتا ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ آیت میں جوارح سے وہ شکاری جانور مراد ہیں جو شکار کرکے مالک کے لیے چھوڑ دیں، جیسے تیندوا، چیتا، کتا۔ اسی طرح پرندے، درندے، جیسے شکرہ، باز، عقاب، گدھ، باشہ، شاہین وغیرہ۔ یعنی ہر وہ جانور (پرندے، درندے) جو شکار کی تعلیم رکھتا ہو۔ اس لیے کہ اُن کا کیا ہوا شکار حلال ہوتا ہے۔

مُکَلِّبِیْنَ جبکہ تم انہیں شکار کی تعلیم دے کر شکار کرو۔ المکلب بمعنے مؤدب الجوارح یعنی جانوروں درندوں پرندوں کو شکار کی تعلیم دینے والا۔ یہ سب کلب سے ماخوذ ہے صرف اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ تعلیم کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے اور اسے قبول بھی کرتا ہے اور اس کا منصوب ہونا علمتم کے فاعل سے حاصل ہونے کی وجہ سے ہے۔

سوال: مکلبین بمعنے معلمین ہوگیا جبکہ اسے علمتم سے حال بنایا گیا ہے پھر اب اس کے ذکر کا کیا فائدہ، جبکہ معنی علمتم سے حاصل ہوا۔

جواب: مبالغہ فی التعلیم مطلوب ہے اس لیے کہ مکلب کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو شکار کے سکھانے کی پوری مہارت رکھتا ہو۔ گویا اس لفظ مکلبین سے تصریح کی گئی کہ ان درندوں پرندوں جانوروں کا شکار تمہارے لیے اس وقت جائز ہے جبکہ تمہیں اُن کے سکھانے کی پوری مہارت ہو اور تم اس معاملہ میں بہت بڑے حاذق سمجھے جاتے ہو اور اس فن میں تم مشہور زمان ہو **تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ** انہیں تم شکار اور تعلیم کے طریقے اور آداب سکھا چکے ہو جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم عطا فرمایا ہے اس لیے یہ علم بھی الہامی ہوتا ہے اگرچہ اس میں عقل کو بھی دخل ہے۔ لیکن وہ بھی جب تک فضلِ الٰہی نہ ہو کیسے لاشعور کو شعور دیا جا سکتا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان سے تجربہ کرلو کہ وہ شکار کو پکڑ کر مالک کا انتظار کرے اور یہ بھی ہو کہ جب اسے روکا جائے تو رک جائے اور جب بلایا جائے تو فوراً بھاگ کر لوٹ آئے اور شکار کرے تو اس سے کچھ نہ کھائے، بلکہ مالک کے لیے چھوڑے رکھے۔

ف: کشاف کا مصنف لکھتا ہے کہ مما علمکم اللہ میں تنبیہ ہے کہ علم ہر ایسے کامل الفن سے حاصل

کرے جو اِس فن کی پُوری مہارت رکھتا ہو اور اس کے جمیع حقائق و دقائق پر حاوی ہو بلکہ اس فن کی جمیع گہرائیوں کا کامل غواص ہو اگرچہ اس کے حصول کے لیے دُور دراز کی مسافت طے کرنی پڑے۔

حدیث شریف : چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

اطلبوا العلم ولو بالصین۔ علم حاصل کرو اگرچہ چین تک جانا پڑے۔

ورنہ بہت سے لوگ اپنی زندگی برباد کر دیتے ہیں۔ لیکن ان غریبوں کے ساتھ بھی کچھ نہیں آتا اور پھر اپنے ہمجولیوں کو ترقی یافتہ پاکر افسوس سے ہاتھ ملتا ہے **فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ** پس تم کھاؤ وہ جو تمہارے لیے بچا کر چھوڑیں۔ یہاں مِن تبعیضیہ ہے اس لیے کہ شکار کی تمام چیزیں نہیں کھائی جاتیں مثلاً چمڑہ، ہڈیاں اور بال وغیرہ۔ اس میں ما موصولہ ہے۔ اس کا عائد محذوف ہے اور علیٰ امسکن سے متعلق ہے یعنی تم شکار کا بعض حصہ کھاؤ اور وہی ہے جسے شکاری جانور اور پرندے درندے نے نہیں کھایا اور وہ جو انہوں نے کھالیا ہے وُہ ان کا ہے۔

مسئلہ : یہی اکثر فقہار کا مذہب ہے لیکن ان میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ پرندہ شکاری کا بچا ہُوا تو کھانا جائز ہے لیکن درندہ شکاری جیسے کُتا ہے اس کا بچا ہوا کھانا ناجائز ہے بخلاف شکاری پرندوں کے۔ مثلاً چونکہ بازی وغیرہ کے کہ انہیں شکار کی تعلیم میں نہ کھانے کی بات نہیں ہوتی اس لیے کہ ان کا بچا ہُوا کھانا جائز ہے۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اس میں ضمیر ما علمتم کی طرف لوٹتی ہے یعنی شکار کو چھوڑتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ یا یہ ضمیر مما امسکن کی طرف لوٹتی ہے جیسے جب وہ شکاری جانور یا پرندے تمہارے لیے شکار پکڑلیں تو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔

حدیث شریف حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! ہم ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں کتابی لوگ بستے ہیں کیا ہم اُن کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں۔ اور پھر ہم ایسے جنگلوں میں رہتے ہیں جہاں شکار بکثرت کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنی کمان سے شکار کروں یا ایسے کتے کے ذریعے شکار پکڑوں جسے شکار کی تعلیم نہیں دی گئی اور بعض دفعہ ایسے کتوں سے بھی شکار کیا جاتا ہے جو سیکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا ہم ایسے شکار سے کچھ کھا سکتے ہیں، کیا کیونکر۔ آپ نے فرمایا اہل کتاب کے برتنوں کی اگر ضرورت نہ ہو تو ان میں نہ کھاؤ، جبکہ تمہیں اور برتن مل جاتے ہوں۔ اگر اور برتن نہ ملیں تو انہیں دھو کر ان میں کھا سکتے ہو، اور تیر کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر پھینکو تو تیر سے مارا ہوا شکار کھا سکتے ہو۔ اور جس کتے کو تعلیم

نہیں دی گئی اگر اس کا مارا ہوا شکار بچ گیا ہے تو اسے ذبح کر کے کھاؤ اور اگر سدھایا ہوا کتا شکار مارلے تو اگر اس کی روانگی پر بسم اللہ اللہ اکبر کہا ہے تو بھی وہ شکار کھالو۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے دن دو سُرمگیں آنکھ اور سینگ والے چتکبرے دُنبے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح فرماتے (کما فی تفسیر البغوی)

مسئلہ: مستحب یہی ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کو واؤ کے بغیر کہے اس لیے کہ واؤ بسم اللہ شریف کے نُور کے لیے حائل ہوجاتی ہے (کذا فی شرح مختصر الوقایہ)۔

مسئلہ: جانور کو ذبح کے وقت قبلہ رُخ نہ لِٹانا مکروہ ہے لیکن وہ مذبوحہ حلال ہے۔ (کذا فی الذخیرہ)

مسئلہ: عمداً بسم اللہ شریف ترک کرنے سے جانور حرام ہوجاتا ہے اس لیے کہ وہ بسم اللہ کے عمداً ترک کرنے سے مردار ہوگیا۔

مسئلہ: بھول کر بسم اللہ چھوٹ جائے تو وہ مذبوحہ جانور حلال ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور تمام محرمات سے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو **اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ** بیشک اللہ تعالیٰ کا حساب جلد تر آنے والا ہے یا اس کا حساب جلد ختم ہوگا جبکہ وہ حساب لینے کے لیے شروع ہوگا تو اس کا حساب لینا مختصر سے وقت میں ختم ہوجائے گا۔ خلاصہ یہ کہ تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب تھوڑے سے وقت میں ختم ہوجائیگا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ شکار کھیلنا مباح ہے۔

مسئلہ: اشباہ میں ہے کہ شکار کھیلنا اس وقت مباح ہے جبکہ لہو ولعب یا پیشہ کے طور پر نہ ہو (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ: شکار کو پیشہ بنانا حرام ہے جیسے مچھلی کے شکار کو لوگ اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے والد ماجد خراسان کے بادشاہ تھے ایک دن شکار کو نکلے تو میں نے اپنا گھوڑا خرگوش کے پیچھے لگا دیا۔ ہاتفِ غیبی نے مجھے آواز دی کہ اے ابراہیم! کیا ہم نے تمہیں اس کام کے لیے پیدا فرمایا یا اس کا ہم نے حکم دیا ہے۔ اس سے میں گھبرا گیا اور خرگوش کو بھاگتا ہوا چھوڑ دیا۔ لیکن پھر دوبارہ مجھے شکار کا خیال آیا تو پھر خرگوش کے پیچھے ہولیا پھر ہاتف کی آواز میرے گھوڑے کی زین کی کوچ سے آئی کہ بخدا نہ تو اس لیے پیدا ہوا اور نہ ہی مامور من اللہ ہے۔ یہ آواز سُن کر میں گھوڑے سے اُترا اور اپنے والد کے نوکر کا لباس

لے کر جبّہ درویشانہ پہن کر کعبۂ معظمہ کو روانہ ہوا۔

حدیث شریف اِس آیت کے نزول کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ سدھائے ہوئے کتوں سے شکار کرو اور جنہیں تم نے شکار کے آداب نہیں سکھائے اُن سے بچو۔

اسی طرح فرمایا:

باؤلے اور ضرر رساں کتوں کو مار ڈالو اور جو ضرر نہیں پہنچاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں انھیں اپنے سے دُور بھگاؤ۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نگرانی کرنے والے اور شکاری اور کھیتی کے محافظ کے سوا کسی آوارہ اور بیکار کُتّے کو اپنے پاس رکھتا ہے تو اس کے اعمال نامے سے ہر روز ایک قیراط کم کر دیا جاتا ہے۔

نکتہ: اس لیے کہ ایسے کُتّے مہمانوں کو ستاتے اور سائلین کا راستہ روکتے ہیں (کذا فی تفسیر الحدادی)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تدخل الملئکۃ بیتا فیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب۔ اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس گھر میں تصویر اور (آوارہ) کتّا اور جنبی انسان ہو۔

ف: یہاں ملائکۃ سے رحمت اور استغفار کے فرشتے مراد ہیں اس لیے کہ یہی حضرات رحمت و برکت کو گھروں میں لاتے اور ذکر کرنے والے لوگوں کی زیارت اور ان کے ذکر سننے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اس سے کراماً کاتبین مراد نہیں اس لیے کہ وُہ تو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی انسان سے جُدا نہیں ہوتے۔

ف: تصویر سے جاندار کی تصویر مراد ہے اس لیے کہ اسے بُت سے مشابہت ہے، علاوہ ازیں بعض تصاویر کی پرستش بھی ہوتی ہے۔

مسئلہ صوفیانہ: جو شے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب بنے وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کے نزدیک مبغوض ترین شئ ہے۔

ف: کُتّے سے نفرت اس کی نجاست کی وجہ سے ہے اسے پاخانہ سے مشابہت دی جاتی ہے۔

مسئلہ: بعض روایات میں ولا جنبا بھی وارد ہوا ہے اس لیے جنبی کو مناسب ہے کہ

وہ جنبی ہونے کے بعد وضو کر کے سوئے۔

مسئلہ: ترغیب وترہیب میں ہے کہ جنبی اگر وضو کر لے تو اسے کھانا پینا اور نیند کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: یہ وعید اس جنبی کو ہے جو بلا عذر سو جاتا ہے۔ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: یہ عذر بھی صرف غسل نہ کرنے کے لیے ہے کہ عذر کی وجہ سے غسل دیر سے کرتا ہے ورنہ وضو کے بغیر نہ کھائے نہ پیئے نہ سوئے۔

مسئلہ: اور وعید مذکور ہر اس شخص کے لیے ہے جو بوجہ سستی اور غفلت کے یا عادت بنا دے۔

مسئلہ: شرعۃ الاسلام اور اس کی شرح میں حضرت سید علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جماع کے بعد تھوڑی سی نیند کرنا جسمانی لحاظ سے موزوں تر ہے لیکن اس میں بھی سنّت یہ ہے کہ وضو کر کے سوئے۔ اسی طرح جو شخص کھانے پینے یا جماع کا دوبارہ ارادہ کرتا ہے تو بھی وضو کرے۔

ف: بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جو جماع کے بعد وضو کا حکم ہے اس سے وضو شرعی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جماع کے بعد ذکر وغیرہ اور دونوں ہاتھوں کو خوب صاف ستھرا کر لیا جائے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ آپ سے اصحابِ سلوک اور طالبانِ راہِ خدا آپ سے سوال کرتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی کون سی اشیاء ہمارے لیے حلال ہیں اور کونسی حرام۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا حرام علی اھل الاٰخرۃ والاٰخرۃ حرام علی اھل الدنیا وھما حرامان علی اھل اللہ تعالیٰ۔	دنیا اہلِ آخرت کے لیے اور آخرت اہلِ دنیا کے لیے حرام ہے لیکن اہلِ اللہ کے لیے دونوں حرام ہیں۔

آپ انہیں فرمائیے کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔ یعنی ہر وہ امور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں روڑا نہیں اٹکاتے وہ سب تمہارے لیے حلال وطیب ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صرف پاک اور طیب کو قبول فرماتا ہے۔ کھانا پینا پہننا بولنا سمجھنا، غرضیکہ وہ کام جسے تم حظِ نفسانی سے طلب کر کے اسے وجود کے داعی سے ملوث کر دیتے ہو تو وہ سب کا سب حرام اور خبیث ہے اور خبیث اشیاء خبیثوں کیلئے ہوتی ہیں۔ ہاں جن چیزوں کو تمام حق کے ساتھ حقوق کی ادائیگی طلب کرتے ہو جس میں شہود کی نسیم کو دخل ہے تو وہ حلال وطیب ہے اور ایسی پاک چیزیں پاکبازوں کو نصیب ہوتی ہیں ان اللہ سریع الحساب میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا جلد حساب لے گا، ابھی فراغت پائیں گے تو انہیں جزا عطا فرمائیگا اور اس جزا کو القربۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور

رفع الدرجۃ وجذبۃ العنایۃ اس کے ماسوا ہیں اور برائی کی سزا کا یہ مطلب ہے کہ بندے کو بُعد اور نہایت ہی نچلے درجے میں پہنچایا جاتا ہے، جیسے پھر دائمی رسوائی۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ع

ہر کہ کند بخود کند در ہمہ نیک و بد کند

ترجمہ: جو کچھ کر رہا ہے اپنے لیے ہی کر رہا ہے نیکی ہے تو اپنے لیے، برائی ہے تو بھی۔

حضرت صائب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب
ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

ترجمہ: میں دوسروں کی کیا شکایت کروں میں حباب کی طرح خواہشِ نفسانی کی مار سے خانہ خراب ہوں۔

تفسیر عالمانہ اَلْيَوْمَ اس سے زمانہ حاضر مراد ہے اس کے ساتھ وہ ماضی اور مستقبل کے وہ زمانے جو اس سے متصل ہیں یا اس سے یومِ نزول مراد ہے۔

اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ آج سے تمہارے لیے پاک طیب اشیاء حلال ہیں۔ الطیبٰت سے وہ اشیاء مراد ہیں جن سے پاک طبائع نفرت و کراہت نہ کریں اور پاک طبائع سے اہلِ مروّت اور اخلاقِ حمیدہ سے مزیّن حضرات مراد ہیں، یا وہ امور جن کی حُرمت پر نہ شارع کی نص دلالت اور نہ مجتہد کا قیاس وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور اہل کتاب کا طعام۔ اہلِ کتاب سے یہود و نصارٰی مراد ہیں اور اُن کے طعام سے اُن کے ذبائح وغیرہ مراد ہیں حِلٌّ لَّكُمْ تمہارے لیے حلال ہیں۔

مسئلہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہلِ کتاب جو عرب میں رہتے ہیں اُن کے ذبائح کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی عام تابعین کا قول ہے اور یہی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے۔

مسئلہ: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صابئین اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں لیکن صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صبائی دو قسم ہیں:

(۱) زبور پڑھتے ہیں اور ملائکہ کی پرستش کرتے۔

(۲) کسی ایک کتاب کے قائل نہیں اور نجوم پرستی کرتے ہیں۔ اس دوسری قسم کے لوگ اہل کتاب

حکم میں نہیں ہیں۔

مسئلہ: مجوسیوں کے لیے یہ حکم ہے کہ جزیہ میں وہ اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں لیکن نہ اُن کے ذبائح کھائے جائیں اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مجوسیوں سے اہلِ کتاب جیسا برتاؤ کرو لیکن نہ اُن کی عورتوں سے نکاح کرو اور نہ ہی ان کے ذبائح کھاؤ۔

مسئلہ: اگر یہودی و نصرانی بسم اللہ، اللہ اکبر کی بجائے غیر اللہ کا نام لے۔ مثلاً نصرانی ذبح کرتے وقت عیسٰی علیہ السلام کا نام لیتے ہیں تو اکثر اہلِ علم فرماتے ہیں کہ وہ مذبوحہ حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبائح کو ہمارے لیے حلال فرمایا ہے۔

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ اور تمہارے طعام اُن کے لیے حلال ہیں۔ تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم انہیں کچھ کھلاؤ یا ان کے ہاں کوئی بیچیں۔ اگر ہماری اشیاء ان کے لیے حرام ہوتیں تو نہ اُن کے لیے ہمارا طعام حلال ہوتا اور نہ ہی ہماری بیع و شرا۔ **وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ** اور غیر شادی شدہ مومن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے جبکہ اُس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے یعنی حل لکم محذوف ہے یہاں سے آزاد اور پاکدامن عورتیں مراد ہیں، اُن کے ذکر کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ وہی نکاح وغیرہ میں اصل ہیں ورنہ لونڈیوں کی نفی مطلوب نہیں اس لیے مسلمان لونڈیوں سے بھی بالاتفاق نکاح جائز ہے۔

مسئلہ: اہلِ کتاب لونڈیوں کا حکم مسلم عورتوں جیسا ہے یہی مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (خلافاً للشافعی)

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال نہیں اگرچہ وہ حربی ہوں۔

مسئلہ: تفسیر حدادی میں ہے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی کتابیہ کا اہلِ اسلام سے نکاح ناجائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ باذن اھلھن جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ ان کے ذبائح کی حلّت سے ثابت ہوتا ہے۔

سوال: جبکہ مُحصنٰت کی خبر سے نکاح کی اباحت ہے تو پھر ان کی تخصیص کیوں؟

جواب: آیت سے منّت واحسان جتلانا مطلوب ہے اور یہ حرائر و محصنات نعمت واحسان کے

لحاظ سے لونڈیوں سے افضل و اکمل ہیں۔

مسئلہ: تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم آزاد کا مسلم لونڈی سے نکاح جائز ہے اگرچہ آیت میں صرف محصنات مومنات کا ذکر ہے۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ لونڈیوں کے بجائے آزاد عورتوں سے نکاح کرے اگرچہ وہ اہل کتاب ہی ہوں بشرطیکہ آزاد عورتوں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو، اس لیے کہ لونڈیوں کی اولاد مملوک غیر رہے گی کیونکہ اولاد آزاد اور مملوک ہونے میں ماں کے حکم میں ہوتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے لئے مملوک ہونا پسند نہیں کرتا تو اُسے چاہیے کہ وُہ اپنی اولاد کے لیے بھی مملوک ہونا پسند نہ کرے۔

اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ جبکہ تم اُن کی مہر ادا کرو۔

سوال: عورتوں کے نکاح کو مہر کی ادائیگی پر کیوں موقوف کیا گیا ہے حالانکہ اُن کا نکاح مہر پر موقوف نہیں، جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

جواب: محض تاکید کے لیے ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ اس کی ادائیگی واجب ہے خواہ تاخیر سے ہی ہو، اگرچہ افضل و اولیٰ یہی ہے کہ مہر کی ادائیگی نکاح کے وقت ہو اور اذا ظرفیہ اور حلّ محذوف سے متعلق ہے۔

مُحْصِنِيْنَ یہ اٰتیتموھن کی ضمیر خطاب سے حال ہے یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم اُن سے نکاح کر کے عفت حاصل کرو۔ اسی طرح **غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** بھی اس ضمیر خطاب سے حال ہے، یعنی اُن سے زنا کرنے والے نہ ہو **وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ** اور نہ ہی ان سے چوری چھپے دوستی گانٹھو۔ خدن پکے سچے دوست کو کہتے ہیں۔ اس کا مذکر و مونث دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

ف: امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سفاح دو قسم کا ہوتا ہے:

(۱) علی الاعلان زنا کرنا۔

(۲) چوری چھپے عورتوں سے دوستی گانٹھنا، یہ بھی ایک قسم کا زنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حرام فرمایا ہے۔ ہاں عورتوں سے نکاح کر کے ہر قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ اور وہ جو ایمان کا منکر ہے یعنی شرائع اسلام سے انکار کرتا ہے منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے جس کے حلال و حرام کے احکام ابھی بیان کیے گئے ہیں۔ انکار کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وہ ان احکام کو قبول نہ کرے **فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ** تو اس کے تمام اعمال اکارت جائیں گے۔ یعنی اس نے جو اس سے قبل نیک عمل کئے ہوں گے تمام ضائع جائیں گے **وَهُوَ فِی**

الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا۔ ھُوَ مبتدا اور من الخٰسرین اس کی خبر ہے، اور فی الاٰخرۃ کا وہی متعلق ہے جو من الخٰسرین کا ہے یعنی کائن یا ثابت وغیرہ۔

ف : امام حدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے اعمالِ صالحہ کا ثواب ضائع ہو جائے گا اور وہ ان لوگوں سے ہوگا جو حسرت کھانے والے ہوں گے اور انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔

مسئلہ : عورت کتابیہ اور شوہر مسلمان ہو تو قیامت میں ایک دوسرے کو نفع و نقصان نہیں دے سکیں گے۔ اسی طرح عورت مسلمان ہو اور شوہر کتابی، یعنی اس کے دین کے اختلاف سے ایک دوسرے کے انجام پر اثر انداز نہ ہوگا۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ : لوگ چلے گئے پھر جس نے جو بویا وہی کاٹا پس دنیا میں نام نیک رہا یا بُرا رہا۔

نکتہ : دُنیا کی قبیح ترین چیز کفر اور حسین ترین چیز اسلام ہے۔

حدیث شریف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

لما خلق اللہ جنۃ عدن خلق فیہا مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ثم قال لہا تکلمی فقالت قد افلح المؤمنون ثلاثا۔

جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا فرمائی تو اس میں ایسی نعمتیں رکھیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی فردِ بشر کے دل میں اس کا تصور آسکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنۃ عدن سے فرمایا کچھ سُنا، اس نے تین بار کہا، قد افلح المؤمنون۔

فرمانِ نوح علیہ السلام : حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام پر نزع طاری ہوئی تو آپ نے اپنے صاحبزادے سام کو بُلا کر فرمایا کہ میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے روکتا ہوں۔ ایک حکم یہ ہے کہ کلمۂ شہادت کو نہ چھوڑنا اس لیے کہ یہ

وہ باکمال کلمہ ہے کہ اس کی دہشت سے چودہ طبق کانپتے ہیں اور اس کے آگے کوئی شئے حاجب نہیں ہو سکتی اگر چودہ طبق ترازو کے ایک پلڑے میں ہوں اور کلمۂ شہادت دوسرے پلڑے میں تو کلمۂ شہادت کا پلڑا بھاری ہوگا، اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ سبحان اللّٰہِ والحمد للّٰہِ کا ہر وقت ورد رکھنا، اس لیے کہ یہ تمام ثوابوں کا جامع ہے۔ اور جن باتوں سے میں تمہیں روکتا ہوں اُن میں ایک شرک، دوسرا غیر اللہ پر اعتماد۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمام اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ کفار کو نہ کوئی عمل فائدہ دیتا ہے، نہ ہی انہیں کسی عمل کا ثواب ملے گا اور نہ ہی ان سے عذاب کی تخفیف ہوگی بلکہ بہ نسبت بعض کے بعض سخت تر عذاب میں مبتلا ہوں گے اُن کے غلط جرائم کی وجہ سے۔

مسئلہ: اگر وُہ زندگی میں اسلام قبول کرلیں تو بعد اسلام جتنی نیکیاں کرینگے تمام قبول ہوں گی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ جو فعل کفر کا موجب بنتا ہے اس کے ارتکاب سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: مرتد پر حج کا اعادہ واجب ہے یعنی مرتد ہونے سے پہلے جو حج کیا تھا وہ ضائع ہو گیا۔

مسئلہ: ارتداد کے بعد اس کا نکاح ٹوٹ گیا اگر اس عورت سے وطی کرے گا تو زنا لکھا جائیگا۔

مسئلہ: اس حالت میں جو بچّہ پیدا ہوگا اسے شرعاً ولد الزنا کہا جائے گا، اگرچہ ارتداد سے رجوع کے بغیر لاکھ بار کلمۂ شہادت پڑھے کچھ فائدہ نہیں جب تک اس کہے ہوئے کفریہ کلمہ سے سچے دل سے تائب نہ ہو اس لیے کہ پچھلی عادت کے طور پر کلمۂ شہادت پڑھتے رہنے سے ارتداد کا جرم اُٹھ نہیں جاتا۔

مسئلہ: جن امور کے کفر یا عدمِ کفر پر علماءِ کرام کا اختلاف ہے اگر کسی سے اس کا ارتکاب ہو جائے تو وہ احتیاطاً تجدید نکاح کرے اور سچے دل سے تائب ہو اور جو کچھ کہا ہے اسے پھر دوبارہ نہ کہنے کا پورا عزم کرے۔

مسئلہ: احکام مذکورہ بالا میں مرد اور عورت برابر ہیں یہاں تک کہ اگر عورت سے کفریہ کلمہ منہ سے نکل جائے تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔

سبق: انہی وجوہ کے پیشِ نظر علماءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرد پر لازم ہے کہ وُہ نیک بخت پاکدامن پرہیزگار عورت سے نکاح کرے تاکہ اس سے ایسی غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو۔

مسئلہ: حضرت الشیخ المشہور بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ولد الزنا کو کسی قسم کی

اسلامی ولایت نہ دی جائے۔ اس کے بعد اپنے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ماں باپ کا پہلا لڑکا ہوں کہ اُن سے کوئی کفریہ کلمہ سرزد نہیں ہوا۔ ان کے وارث اکبر الشیخ بہ الہدائی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بحمدہٖ تعالیٰ فقیر کی کیفیت بھی یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ احل لکم میں اشارہ ہے کہ اے اربابِ حقیقت تمہارے لیے کمالیت دین میں جو ازل میں تمہارے لیے مقدر کیے گئے تھے اسی دن سے تمہارے لیے وہ تمام پاکیزہ اشیاء حلال کی گئیں جو سعادتِ دارین سے متعلق ہیں بلکہ تمہارے لیے وہ امور حلال کیے گئے ہیں جو عاداتِ الٰہیہ کے حصول کے اسباب ہیں اور وہ عاداتِ الٰہیہ و کیفیات سے منزّہ اور وہ جمیع نقائص و شبہات سے مبرّا ہیں الذین اوتوا الکتٰب حقیقی طور پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں ان کے طعام حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم ولایت کے دودھ پلائے گئے ہو جیسے انہیں نبوت کا دودھ پلایا گیا۔ شریعت و حقیقت ولایت و نبوت کے دودھ کا سرچشمہ ہیں طعامکم حل لھم تمہارا الطعام ان کے لیے حلال ہے، یعنی نبوت ولایت کے دودھ کا سرچشمہ ایک ہے اگرچہ ولایت و نبوت کے دو علیحدہ علیحدہ پستان ہیں۔ تم ہمارے کرم سے ولایت کے چشمہ سے دودھ پلائے گئے، اور انبیائے کرام علیہم السلام ہمارے الطاف سے نبوت کے سرچشمہ سے دودھ پلائے گئے۔ ہر ایک نبی و ولی نے اپنا اپنا حصول فیض کا حصول فیض کا سرچشمہ معلوم کر لیا اور حضور علیہ السلام کو ہر ایک کے سرچشمۂ فیض سے تعلق ہے پھر مقامِ محمود کے خصوصی مرتبہ سے آپ کو محبوبی شان ملی ہے کہ آپ "ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی" کے مخصوص سرچشمہ سے فیض پاتے ہیں۔ آپ کا یہ وہ مرتبہ ہے کہ اس میں نہ کسی مَلک مقرب کو حصہ ملا ہے نہ ہی کسی نبی مرسل کو حل لکم المحصنات من المؤمنات سے حقائق قرآن کریم کے وہ پوشیدہ اسرار مراد ہیں کہ جن کے آگے ہزاروں پردے ہیں جہاں افہامِ علماء کو پہنچنا نصیب نہیں ہوتا والمحصنات من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم میں پہلی امتوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان کے اسرار و رموز مراد ہیں جن کے اسرار و رموز عوام سے مخفی رکھے گئے لیکن انہیں قرآن مجید میں درج کر دیا گیا اور وہ تم سے بھی مخفی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلا تعلم نفس ما اخفیٰ لھم۔ یعنی وہ رموز ایسے پوشیدہ ہیں کہ کسی کو معلوم نہیں اور اُن سے بھی جمیع کتب سابقہ کے اسرار و رموز مراد ہیں اسے پورے طور سمجھو۔ ہم نے تمہاری خاطر یہ تحقیق لکھی ہے اذا اٰتیتموھن اجورھن سے مراد یہ ہے کہ وجود مجازی کو مٹانے کا مہر ادا کر کے ان کے اسرار و رموز حاصل کرو۔ محصنین سے مراد یہ ہے کہ وجود مجازی کو مٹانے میں خلوص کو مدّنظر رکھو تاکہ وُہ

(باقی ص ۱۲۰ پر)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: اے ایمان والو جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کو مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے ہاں یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کردے اور اپنی نعمت تم پر پوری کردے کہ کہیں تم احسان مانو اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور وہ عہد جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے کہا ہم نے سُنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔ اے ایمان والو اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ایمان والے نیکوکاروں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخ والے ہیں اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ

تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے۔

(تفسیر صوفیانہ)

تمہارے لیے پردہ ہٹا کر کھل کر سامنے آجائیں۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب کسی شیخ کامل کی خصوصی توجہ ہو غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ اُن کے حصول میں خواہش نفسانی اور خلاف شرع اور اپنی طبعی رائے کو دخل نہ ہو ولا متخذی اخدان یعنی اسرار و رموز کے حصول کے وقت وجود مجازی کو ایسے سلیقے سے مٹاؤ کہ اس میں دنیا و آخرت کی طرف معمولی طور پر بھی التفات نہ ہو تاکہ ذاتِ حق کے مرکز تجلیات کے پردے ہٹ جائیں اس لیے کہ سالک کا سرچشمہ بھی وہی ہے اور مقصود بالذات بھی وہی، ساقی بھی وہی ہے اور حریف بھی وہی۔ ومن یکفر بالایمان اور جو شخص ان معاملات و کمالات کو ٹھکراتا ہے تو اسے مشاہدۂ ذات کی سعادت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اس کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اسے اندھا اور اندھی تقلید کا خوگر بنا دیا جاتا ہے اور وہ آخرت میں بھی اُن لوگوں سے اٹھایا جائیگا جنہیں دنیا و آخرت میں مولا کے دیدار سے محرومی نصیب ہوگی (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اے ایمان والو جب تم نماز کی طرف اُٹھو۔ یہاں یا تو قیام کا حقیقی معنی مراد ہے۔ اور وہ چونکہ نماز کا ایک رکن ہے اس لیے اسے یونہی تعبیر کیا گیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم نماز کے قیام کا ارادہ کرو۔ اس لحاظ سے مسبّب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

سوال: مضمون کو اتنا طویل کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: اس لیئے کہ نماز کی ادائیگی جزاء ہے اور وضوء شرط ہے اور جزاء شرط سے مؤخر ہوتی ہے، یعنی نماز کی صحت کا دارو مدار طہارت پر ہے۔

یا قیام سے نماز کی تیاری مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم نماز کی تیاری کا ارادہ کرو۔ یہاں پر ایک لازم بول کر دوسرا لازم مراد لیا گیا ہے، اس لیے کہ وضو قیامِ اوّل کے شرائط میں سے ہے نہ کہ قیام ثانی کے شرائط سے۔ یعنی وضوء نماز کے ہر رکن کے لیے شرط ہے منجملہ ان کے قیام بھی ہے اور نماز کی تیاری کے لیے وضو شرط نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ اُس وقت نمازی کو وضوء ہو۔ اور یہ خطاب بھی صرف ان نمازیوں کو ہے جن کا وضو نہیں۔ جیسا کہ قرینۂ حال سے معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ نماز کی خاطر ہر اُٹھنے والے نمازی پر وضو واجب نہیں، اسے وضو ہو یا نہ ہو، جیسا کہ آیت کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے بلکہ صرف اس پر وضوء کا (وجوبًا) حکم ہے جس کا وضوء نہیں۔

فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ پس اپنے چہروں کو دھوؤ۔ الغسل جس جگہ کا دھونا مطلوب ہے اُس پر پانی بہانا۔ مسلنا شرط نہیں۔ الوجہ ہر وہ شے جو انسان کے سامنے کی طرف واقع ہو۔ اس

کی حد سر کے بالوں کی جمنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی تک بلحاظ طول کے، اور بلحاظ عرض کے کان کی ایک لَو سے دوسری لَو تک۔

مسئلہ: وضو میں منہ کا دھونا فرض ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ کُلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضوء کے واجبات سے نہیں اس لئے کہ وضوء کا حکم چہرے کے ظاہر کے لیے ہے نہ کہ اس کے اندرونی حصّہ کے لیے۔ البتہ یہ دونوں باتیں سنّت ہیں۔

وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک کہنیاں ہاتھوں کے دھونے میں داخل ہیں اس لیے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لا تاکلوا اموالهم الیٰ اموالکم کی طرح الیٰ بمعنے مع ہے۔

ف: المرافق' المرفق کی جمع ہے۔ ہتھیلی اور مونڈھے کی دونوں جانبوں کے اجتماع کے مقام کو کہا جاتا ہے۔ اسے مرفق اس لیے کہا جاتا ہے کہ مرفق بمعنے آلۂ اتکاء (سہارا لینے کا آلہ) ۔ چونکہ ہاتھوں سے انہی پر سہارا لیا جاتا ہے اس لیے ان کو المرافق کہا جاتا ہے۔

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ اور سروں کا مسح کرو۔ یہاں پر "القی بیدہ" کی طرح با زائدہ ہے۔

ف: المسح بمعنے اصابۃ الیہ یعنی کسی شئے پر ہاتھ پہنچانا۔

مسئلہ: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح واجب ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی کے برابر اپنے سر مبارک پر مسح فرمایا تھا، اور یہ سر کے چوتھا حصّہ کے برابر ہوتی ہے اس لیے کہ سر کی چاروں طرفیں چار پیشانیوں کے برابر ہیں۔ مثلاً پیشانی کے بالمقابل سر کا پچھلا حصّہ گُدّی تک ایک پیشانی ہُوئی۔ اسی طرح اس کی دونوں کانوں کے اوپر والی دونوں جانبیں بھی دو پیشانیاں بنتی ہیں اور پھر اسی طرح سر کا اوپر کا حصّہ بھی۔

حنفیوں کی سر کے مسح کے متعلق عقلی دلیل

الواقعات المحمودیہ میں حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے مسئلہ مسح سر کے اختلاف میں چوتھائی سر کی ترجیح عجیب طور منکشف ہوئی ہے، وہ اس طرح کہ انسان کا جسم مربع ہے اور سر تمام جسم کا سردار ہے اس لیے اس کے مسح کے لیے چوتھائی موزوں ہے۔ اگر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا اعتبار کیا جائے کہ وہ تین انگلیوں کی مقدار سر کا مسح واجب

بتاتے ہیں تو وہاں سر کی اپنی ذاتی کیفیت تک محدود رہ جاتا ہے اس لیے کہ اس کی ذاتی کیفیت مسدس ہے اور اس کا چھٹا حصہ تین انگلیوں کے برابر ہے، اور یہ ناموزوں ہے کہ انسان میں من حیث الانسان صرف سر کا نام نہیں بلکہ تمام انسانی ڈھانچے کا نام انسان ہے۔

سوال: حضرت محمود الہمدانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا تقریر سے اولویت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے لیے ثابت ہوتی ہے اس لیے کہ اس وقت وضو کی بحث ہو رہی ہے اور وہ بھی علیحدہ علیحدہ اعضاء کی، نہ کہ تمام جسم انسانی کی۔

جواب: حضرت الشیخ بافتادہ قدس سرہٗ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بحث صرف موضوعِ وضوء سے نہیں بلکہ انسانی ڈھانچے کے لحاظ سے ہے جو کہ ہر اعتبار سے حاوی ہے، اور وہ ڈھانچہ (بدن) کل ہے اور سر اس کا جز۔ ہم کُل کا اعتبار کرتے ہیں جو علمی بحث کے لحاظ سے موزوں تر ہے۔ بناء بریں تین انگلی کے بجائے چوتھائی سر کے مسح کو ترجیح ہوگی۔

مسئلہ: امام حدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کانوں کا مسح سنّت ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ظاہری طرف کا دونوں انگوٹھوں سے اور باطنی جوانب کا شہادت کی انگلیوں سے مسح کرے۔

مسئلہ: کانوں کے مسح کے لیے جدید پانی کی ضرورت نہیں۔ سر کے مسح کے بعد ہی کانوں کے مسح کیلئے وہی ایک پانی کافی ہے۔

مسئلہ: گردن کا مسح مستحب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من مسح رقبته فی الوضوء امن	جو شخص وضوء میں گردن کا مسح کرے وہ
من الغل یوم القیامة۔	قیامت میں جہنم کی بیڑیوں سے بچ جائیگا۔

وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اور پاؤں کو گٹوں تک دھوو۔ اس کا عطف وجوھکم پر ہے۔ چنانچہ اس کی تائید مشہور حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل بھی یونہی تھا اور اکثر ائمہ کا ارشاد بھی اسی طرح ہے پھر اسے گٹوں تک محدود کر دینے سے بھی تائید ہوتی ہے ورنہ مسح میں حد بندی کوئی نہیں اس لیے کہ تحدید صرف دھوئے جانے والے اعضاء میں بتائی گئی ہے۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ جو موزوں کے مسح اور غسل دونوں کا قائل ہے۔ اس کے لیے پاؤں کا دھونا افضل ہے۔ ویسے بھی پاؤں کا دھونا موزوں کے مسح سے افضل ہے اور وہاں تو زیادہ

ہی فضیلت ہے جہاں کہ پاؤں کے دھونے کے منکر ہیں (جیسے شیعہ رافضی دھونے کے منکر ہیں)

تردیدِ شیعہ شیعہ رافضی کہتے ہیں کہ پاؤں کو دھونا نہ چاہیئے بلکہ مسح واجب ہے۔ اس کے متعلق دلیل میں ایک ضعیف اور بالکل شاذ روایت پیش کرتے ہیں۔ صاحب الروضہ فرماتے ہیں خف الروافض کا کلمہ ضرب المثل ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی معاملہ میں وسعت دی جائے۔ وہ اس لیے کہ روافض موزوں کے مسح کے قائل نہیں بلکہ پاؤں پر موزوں کے بغیر ہی مسح کے قائل ہیں۔ اگر وہ موزے پہنتے بھی ہیں تو وہ اتنے کھلے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی پاؤں کا مسح کر لیتے ہیں۔

موزوں پر مسح کرنے کی شرعی دلیل حضرت ابن مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وُہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک رات سفر میں تھا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے ہاں پانی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں ہے۔ آپ وضو کے لیے سواری سے نیچے اُترے، قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف روانہ ہوئے اور اتنی دُور چلے گئے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ ویسے بھی اندھیری رات تھی، آپ فراغت کے بعد واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کا وضو کرایا میں لوٹے سے پانی ڈالتا جا رہا تھا اور آپ وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے منہ دھویا اس کے بعد ہاتھ کہنیوں تک دھونے تھے آپ کے جُبّہ مبارک کی آستینیں تنگ تھیں۔ آپ نے اسے اتارا اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر سر کا مسح فرمایا۔ میرا ارادہ ہُوا کہ آپ نے جو موزے پہنے ہوئے تھے انہیں اتاروں۔ آپ نے فرمایا: رہنے دیجئے۔ میں نے انہیں وضو کر کے پہنا تھا۔ اسی طرح آپ نے اُن پر مسح فرمایا (کذا فی تفسیر البغوی)

قاعدۂ فقہیہ فقہاء کرام نے اس آیت سے وضو کا وجوب ثابت کیا ہے اور نیت کا ثبوت احادیث سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وضو کی نیت سنّت ہے۔

مسئلہ: وضو کی نیت یہی ہے کہ وضو کرتے وقت ارادہ کرے کہ حدث رفع ہو اور نماز قائم کی جا سکے [1]

مسئلہ: خنصر (چھوٹی انگلی) کی مقدار موٹا اور ایک بالشت کی مقدار لمبا مسواک کُلی کے وقت استعمال کرنا سنّت ہے اس لیے کہ اس طرح سے صفائی مکمل طور پر ہوتی ہے اگر وضو سے پہلے مسواک

---

[1] مثلاً یہ عبارت پڑھے: نویت اباحۃ مالا یباح الا بالطہارۃ ۱۲

اویسی غفرلہ

کر لے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : اگر مسواک میسر نہ ہو تو انگلی سے مسواک کر لے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : ہدایہ میں ہے کہ مسواک کرنا مستحب ہے زیادہ صحیح ہے [۱]

حکایت جبریل علیہ السلام حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ ایک دفعہ جبریل (چند روز غیر حاضر رہ کر) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا : اتنی غیر حاضری کیوں ؟ انہوں نے عرض کی : میں کیسے آتا جبکہ آپ کے ہاں نہ ناخن کاٹے جاتے ہیں اور نہ ہی مونچھیں کٹوائی جاتی ہیں اور نہ انگلیوں کے جوڑ صاف ستھرے کیے جاتے ہیں اور نہ ہی مسواک کی جاتی ہے [۲] اس کے بعد یہ آیت پڑھی : وما نتنزل الا بامر ربک۔

ف : براجم انگلیوں کے اندر اور باہر کے جوڑوں کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ : ان کے صاف کرنے کی اس لیے ضرورت ہے کہ ان میں میل کچیل پھنس جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

نقوا براجکم۔ اپنی انگلیوں کی گرہوں اور جوڑوں کو صاف ستھرا کرو۔

نکتہ : ان کے صاف اور ستھرا رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ان میں میل کچیل جم جاتی ہے، پھر جنابت نہیں اترتی، اس لیے کہ وہ میل کچیل پانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

نظفوا اللثاتکم۔ اپنے مسوڑھوں کو بھی صاف اور ستھرا رکھو۔

ف : لثاتۃ، لثۃ (بالتخفیف) کی جمع ہے وہ گوشت جو کہ دانتوں کے اوپر ہوتا ہے۔ ان کی صفائی کا حکم اس لیے ہے کہ طعام ان پر نہ جم جائے۔ کیونکہ اس کے جم جانے سے بدہضمی اور منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، جس سے کراماً کاتبین خصوصیت سے ایذا پاتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کے پڑھنے کا مقام بھی یہی ہے اور ملائکہ کراماً کاتبین کے بیٹھنے کا مرکز بھی یہی ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ ملائکہ کرام کو بدبو سے نفرت ہے۔

فضیلتِ مسواک — حدیث شریف : جب کوئی بندۂ خدا مسواک کر کے نماز کے لیے کھڑا

---

[۱] صحیح تر قول اول ہے مزید تحقیق فقیر کے رسالہ "تریاق در مسواک" میں ہے۔ اویسی غفرلہ

[۲] یعنی عوام، ورنہ خواص تو ہر سنت کے پابند تھے۔ اویسی غفرلہ

ہوتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے ہو کر اُس کی قراءت سُن کر اس کے قریب تر ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتہ اپنا منہ نمازی کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ پھر جو کچھ نمازی کے منہ سے قرأت نکلتی ہے وہ سیدھی فرشتے کے پیٹ میں چلی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

مسواک سے پڑھا ہُوا ایک دوگانہ اُن ستّر دوگانوں سے افضل ہے جو مسواک کے بغیر پڑھا جائے۔

وضو کی دُعائیں

وضو کرنے والا ابتدائے وضوء میں بسم اللہ شریف کے بعد کہے الحمد للہ الذی جعل الماء طهورا۔ اور کلّی کے وقت پڑھے: اللهم اسقنی من حوض نبيك كأسا لا اظمأ بعدها ابدا اللهم اعنی علیٰ ذکرك و شکرك و تلاوة كتابك۔

اور ناک میں پانی ڈالتے وقت پڑھے: اللهم لا تحرمنی من رائحة نعيمك وجنانك۔

یا کہے: اللهم ارحنی رائحة الجنة و لا ترحنی رائحة النار۔

اور منہ دھوتے وقت پڑھے: اللهم بيّض وجهی يوم تبيض وجوه وتسود وجوه۔

یا کہے: اللهم بيّض وجهی بنورك يوم تبيض وجوه اوليائك و لا تسود وجهی بذنوبی يوم تسود وجوه اعدائك۔

دایاں بازو دھوتے وقت پڑھے: اللهم اعطنی كتابی بيمينی و حاسبنی حسابًا يسيراً۔

اور بایاں بازو دھوتے وقت پڑھے: اللهم لا تعطنی كتابی بشمالی و لا من وراء ظهری۔

سر کے مسح کے وقت پڑھے: اللهم حرم شعری و بشری علی النار و اظلنی تحت ظل عرشك يوم لا ظل الا ظلك اللهم غشنی برحمتك وانزل علی من بركاتك۔

اور دونوں کانوں کے مسح کے وقت پڑھے: اللهم اجعلنی من الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه۔

اور گردن کے مسح کے وقت پڑھے: اللهم اعتق رقبتی من النار۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت پڑھے: اللهم ثبت قدمی علی الصراط يوم تزل فيه الاقدام۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت پڑھے: اللهم اجعل لی سعيا مشكورا و ذنبا مغفورا وعملا مقبولا و تجارة لن تبور۔

وضو سے فراغت کے بعد پڑھے ، اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ . وحدہٗ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ اللھم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطھرین و اجعلنی من عبادك الصالحین الذین انعمت علیھم و اجعلنی من الذین لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔

اعضائے وضو کو دھونے اور مسح کی حکمت ان چاروں اعضاء (۱) منہ (۲) ہاتھ (۳) سر کا مسح (۴) پاؤں دھونے و مسح میں حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے شجرۂ ممنوعہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے ہاتھوں سے توڑا اور پاؤں سے اس کی طرف چلے اور فراغت پر سر پہ ہاتھ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اعضاء کے دھونے کا حکم فرمایا تاکہ انسان کے جمیع گناہ دُھل جائیں ۔

وضو کے فضائل حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان العبد اذا غسل وجھہ خرجت خطایاہ حتی تخرج من اشفار عینیہ ۔	جب بندۂ خدا وضو کرتا ہے تو جب منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ کے تمام گناہ خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ آنکھوں کی پلکوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں ۔

اور اسی طرح بقیہ اعضاء کا قیاس کیجئے ۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان اعضاء کا دھونا صرف اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ و السلام سے مخصوص ہے تاکہ قیامت میں باقی امتوں سے ان اعضاء کے انوار کی روشنی سے ممتاز ہو ۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان میں تشریف لائے اور فرمایا :

السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا ۔	اے ایمان والو ! تمہارے اوپر اللہ کی رحمت ہو ہم بھی اِن شاء اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں میری آرزو ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں گا ۔

صحابہ کرام نے عرض کی : کیا ہم آپ کے بھائی (اسلامی) نہیں ہیں ؟

آپ نے فرمایا : تم میرے صحابی ہو۔ ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

صحابہ کرام نے عرض کی : آپ قیامت میں انہیں کیسے پہچانیں گے ؟

آپ نے فرمایا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کسی شخص کے متعدد گھوڑے ہوں ان میں سے چند سیاہ ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا ؟

سب نے عرض کی : ضرور پہچانے گا۔

آپ نے فرمایا : اسی طرح میرے اُمتی دُوسری اُمتوں میں وضو کی وجہ سے ممتاز ہوں گے اور انہیں پہلے ملنے والا ہُوں۔

مسئلہ : حضور سرورعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکّہ کے دن ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں ادا فرمائیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی :

صنعت شیئا لم تکن تصنعہ ۔ (یارسول اللہ !) آج تو آپ نے نیا کام کیا ہے جو اس سے قبل آپ نے نہیں کیا۔

آپ نے فرمایا :

عمداً فعلتہ یا عمر ۔ اے عمر ! میں نے عمداً کیا ہے۔

یعنی جواز کا اظہار ہو۔

مسئلہ : ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

من توضأ علی طہر کتب اللہ لہ عشر حسنات ۔ جس نے وضو کے باوجود وضو کیا اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

نکتہ : تجدید وضو سے باطن پر ایک نورانی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

ف : بعض اصفیاء کا طریقہ تھا کہ وہ غیبت ، کذب اور غضب کے بعد وضو کی تجدید فرماتے اس لیے کہ ایسے افعال سے نفس کا غلبہ اور شیطان کی شرارت ظاہر ہوتی ہے اور وضو ایک ایسا نور ہے جس کی برکت سے نفس اور شیطان کی تاریکیاں مٹ جاتی ہیں۔

حکایت : بعض بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کے چہرے پر زخم تھے اور بارہ[۱۲] سال تک

وضو کرنے کی وجہ سے اچھے نہ ہو سکے لیکن اُنہوں نے کبھی وضو کو نہ چھوڑا۔

حکایت کسی بزرگ کی آنکھ میں کالا موتیا اتر رہا تھا کسی طبیب نے انہیں کہا آپ چند روز وضو کرنا چھوڑ دیں تب آپ کا علاج ہو سکتا ہے ورنہ علاج مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا آنکھ جاتی ہے تو جائے میں وضو کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آخر وہ نابینا ہو گئے۔ اُس مردِ خدا نے نابینا ہونا منظور کیا لیکن وضو نہ چھوڑا۔

نسخۂ کیمیا وضو پر مداومت کرنے سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ایک صحابی سے فرمایا:

دم علی الطهارة یوسع علیك الرزق۔ — تم وضو پر مداومت کرو تمہارا رزق بڑھ جائیگا۔

مسئلہ: وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو) سنت ہے۔ اسے تحیۃ الوضو (شکر الوضو) کے نوافل کہتے ہیں۔

حدیثِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم اسلام میں داخل ہونے کے بعد کون سا عمل کرتے ہو کہ میں نے (شبِ معراج میں) تمہارے جُوتے کی آہٹ سُنی تھی۔ عرض کی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں ہر وضو کے بعد (دن ہو یا رات) ایک دوگانہ پڑھ لیتا ہوں۔

مسئلہ: الاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ تحیۃ الوضو سوائے اوقات محرمہ کے ہر وقت پڑھ سکتا ہے خواہ اوقات مکروہہ ہوں۔ مثلاً بعد نماز فجر و عصر اور صبح صادق، اس لیے کہ یہ ان نمازوں میں سے ہیں جنہیں ذوات الاسباب کہا جاتا ہے، فلہذا اوقاتِ مکروہہ میں بھی پڑھنے میں کوئی حرج نہیں (لیکن یہ ان کی اپنی رائے ہے، صحیح یہ ہے کہ تحیۃ الوضوء اوقاتِ مکروہہ میں نہ پڑھنی چاہیے) ہاں اوقات محرمہ جیسے طلوعِ شمس اور زوال اور غروب الشمس کے وقت تحیۃ الوضوء نہ پڑھی جائے، ان اوقات میں وضو کرے تو صبر کرے ان کے گزرنے کے بعد پڑھ لے۔ ہاں مکہ شریف میں ہر وقت پڑھ سکتا ہے (یہ بھی اپنی رائے ہے)

حدیث شریف حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبد مناف! لوگوں کو نہ بیت اللہ کے طواف سے روکو اور نہ نماز پڑھنے سے وہ رات اور دن کے کسی وقت میں بھی یہ عمل کریں۔

حدیث شریف حضرت جندب سے مروی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج پورے طور نکل آئے اور نہ ہی عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج پورے طور پر چھپ جائے سوائے مکہ کے۔ یہ تین بار فرمایا۔ اسرار محمدیہ کا کلام یہاں ختم ہوا۔

تفسیر صوفیانہ یاایھا الذین اٰمنوا میں اُن ایمان داروں سے خطاب ہے جو حقیقی مومن ہیں یہ وہی ہیں جنہیں الست بربکم میں خطاب ہوا تھا اور انہوں نے بلیٰ کہہ کر جواب دیا، وہی پہلی صف والے ہیں جنہوں نے یوم میثاق میں معائنہ کرکے ایمان قبول کیا دوسری صف والوں نے مشاہدہ کرکے ایمان قبول کیا۔ تیسری صف والوں نے خطاب سُن کر ایمان قبول کیا۔ چوتھی صف والوں نے تقلیدی ایمان قبول کیا انہیں تحقیقی ایمان نصیب نہ ہوا اس لیے کہ انہوں نے نہ معائنہ کیا اور نہ انہیں مشاہدہ ہوا اور نہ ہی انہوں نے فہم و درایۃ سے سنا بلکہ قہر و غضب کا خطاب سنا، کیونکہ جب وہ تینوں پہلی صفوں سے سُن کر متحیر ہوئے تو صرف انہی صفوں والوں کی تقلید میں بلیٰ کہا اس اعتبار سے انہوں نے قبول ہی نہ کیا۔ یہی لوگ بعد کو کافر ہوئے اور اگرچہ بظاہر ایمان بھی لائے تو ان کا ایمان نہ لانے کے برابر تھا اس لیے کہ ان کا ایمان تحقیقی نہیں بلکہ تقلیدی یا منافقت کے طور تھا۔ یہ منافقین ہوئے، اور تیسری صف والے وہی عام اہل اسلام مومنین تھے۔ جیسے اس وقت انہوں نے سن کر ایمان قبول کیا اس دنیا میں بھی اہل کتاب سے سُن کر ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انناسمعنا منادیاً ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنّا۔

دوسری صف والے وہ خواص مومنین اور عوام اولیاء تھے جیسے اس وقت انہوں نے مشاہدہ کرکے ایمان قبول کیا اس دنیا میں بھی شواہد معرفت سے ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا اٰمنّا۔

اسی کے مطابق کسی اہل اللہ نے فرمایا:

"میں نے ہر شئے میں خدا تعالیٰ کو پایا۔"

پہلی صف والے وہ حضرات انبیاء کرام اور مخصوص اولیاء کرام تھے جیسے وہاں ان حضرات نے معائنہ کرکے ایمان قبول کیا ایسے ہی یہاں عالم دنیا میں معائنہ کرکے ایمان قبول کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ۔

وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام سے شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
اذا وحی الی عبدہ ما اوحیٰ۔
اسی کے مطابق فرمایا : اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایمان کی کچھ یہی نوعیت تھی ، چنانچہ فرمایا : فلما افاق قال سبحانك تبت الیك وانا اول المؤمنین۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :
لم اعبد ربا لم اره۔ (میں نے ایسے رب کی عبادت ہی نہیں کی جسے میں نے دیکھا نہ ہو)
اللہ تعالیٰ کے بعض ولیوں نے فرمایا :
"میرے دل نے میرے رب کو دیکھا۔"
ایک اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نے فرمایا :
"میں نے ہر شے میں خدا کو پایا۔"
اہلِ صف اول سے اللہ تعالیٰ نے یوں خطاب فرمایا :

یا ایہا الذین اٰمنوا یعنی اے لوگو! تحقیقی طور پر ایمان لاکر تم اپنے قرب سے نکل کر ہمارے بُعد میں چلے جاؤ اور ریاضِ اُنس سے ہٹ کر انسانی کیچڑ میں پھنسو ، جب تم غفلت کی نیند سے جاگو اور جدائی کے خواب سے بیداری حاصل کرو تو نماز کی طرف چلو ، جو کہ وہی تمہاری معراج ہے۔ یعنی پھر مقامِ قرب کی طرف لوٹو۔ چنانچہ فرمایا : واسجد واقترب۔

فاغسلوا وجوھکم یعنی دل کے چہروں کو دھو دو **وایدیکم الی المرافق** اور تم اپنے دونوں ہاتھوں کو غیروں سے روک لو ، بلکہ دارین کے تعلق سے بالکل بیزار ہو جاؤ یہاں تک کہ یار دوست اور ساتھی پیاروں سے یک لخت دُور ہو جاؤ **وامسحوا برءوسکم** یعنی اپنے سروں کو راہِ حق میں خرچ کرو **وارجلکم الی الکعبین** اور اپنے پیروں سے بشریت و انانیت دھو ڈالو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہرچہ کہ ہست

ترجمہ : میں نے جب سے عشق کے چشمہ سے وضو کیا اس کے بعد چار تکبیریں ہستیٔ موہوم پر مار دیں۔

تفسیر عالمانہ إِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اگر تم جنبی ہو تو خوب نہاؤ۔ فاطّہروا دراصل تطہروا تھا۔ تفعل کی تاء کو طاء میں ادغام کیا گیا ہے اس لیے کہ ان دونوں یعنی تاء و طاء کا مخرج ایک ہے، پھر ہمزہ وصلی لگایا گیا اس لیے کہ ابتداء بالساکن محال ہے اس سے غسل مراد ہے دراصل بتکلف غسل کو کہتے ہیں۔ چونکہ جنب کے غسل میں پاکی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ کہیں کوئی جگہ خالی نہ رہ جائے اس لیے بطور مبالغہ کہا گیا ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ جب تک تمام بدن پر پانی نہ پھر جائے جنب کا غسل نہیں اترے گا یہاں تک کہ اگر آٹا خشک ہو کر ناخن میں جم جائے اور اس میں پانی داخل نہ ہوا تو غسل نہ اترا۔

مسئلہ: اگر میل کچیل ناخنوں وغیرہ میں جمی ہوئی ہے تو اس کے اوپر پانی پھر جانے سے غسل اتر جائے گا۔

مسئلہ: اگر ایسی چیز بدن سے چپکی ہوتی ہو کہ اس کا بدن سے علیحدہ کرنا سخت مشکل ہے تو بھی اس پر صرف پانی بہا دینا کافی ہے۔

مسئلہ: آنکھ میں جو سوکھی گندگی جم جائے اگر اس کا خارج کرنا مشکل ہو تو بھی اس پر پانی بہا دینا کافی ہے۔

مسئلہ: ناک اور منہ کے سوراخوں میں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو (بشرطیکہ روزہ نہ ہو) تو پانی بہائے۔

مسئلہ: جسم کا مَسلنا غسل کے شرائط سے نہیں بلکہ مستحب ہے کہ اس طرح سے غسل مکمل ہوتا ہے۔

مسئلہ: کپڑے اور بدن کے دھونے میں فرق ہے اس لیے کہ کپڑا متخلل ہوتا ہے، اس لیے اسے نچوڑنا پڑتا ہے بخلاف بدن کے کہ اس میں نچوڑنے والی کیفیت نہیں۔

غسل کے فرائض غسل میں تین فرض ہیں:

(۱) منہ کا اندرونی حصّہ دھونا جہاں تک ممکن ہو۔

(۲) ناک میں پانی دینا۔

(۳) تمام بدن کا دھونا۔

غسل کی سُنّتیں (۱) پہلے دونوں ہاتھوں کو دھونا، اس لیے کہ ان سے جسم پر پانی ڈالا جائیگا اگر پہلے ہی پاک نہ ہوں گے تو پھر باقی پانی کیسے پاک ہو سکے گا۔

(۲) فرج دھونا، اس لیے کہ اس کا پلید ہونا یقینی ہے یا کم از کم اس پر نجاست کا احتمال ضرور ہے۔

(۳) نجاست حقیقیہ کہیں لگی ہے تو اسے بھی دھو ڈالے تاکہ جسم پر پانی بہاتے وقت وہی نجاست پانی سے مل کر تمام جسم پر نہ پھیل جائے۔

(۴) نماز کا وضو کرنا، صرف پاؤں غسل سے فراغت کے بعد دھوئے جبکہ کسی اونچی شئے پر پاؤں رکھ کر نہ نہائے ورنہ پہلے دھولے کوئی حرج نہیں۔ اگر ایسی جگہ نہانا ہے جہاں پانی جمع ہوجاتا ہے تو پاؤں بعد میں دھوئے تاکہ وہ مستعمل پانی جو پاؤں پر لگا وہ بعد کو دُھل جائے۔

(۵) تین بار مکمل طور پر اپنے سارے جسم پر پانی بہائے۔

غُسلِ نبوی مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا تو آپ نے پہلے اپنے دائیں کندھے مبارک پر پانی ڈالا، پھر بائیں پر، پھر سر مبارک پر۔ یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

مسئلہ: عورت کو گوندھی ہوئی زلفوں کو چھوڑنا ضروری نہیں اور نہ ہی ان بالوں کو پانی سے تر کرنا واجب ہے صرف اُن پر پانی بہادے تو غسل اُتر جائے گا البتہ اُن کی جڑوں میں پانی پہنچا دینا ضروری ہے اس لیے کہ بالوں کی جڑیں ہی بدن کے حصے سے ہیں اس لیے بوجہ حرج اُن کی جڑوں تک پانی پہنچا دینا کافی ہے۔ ہاں اگر بلا تکلیف عورت اپنے بالوں کو پانی سے تر کرسکتی ہے تو پھر واجب ہے، جیسے عورتوں کے کھُلے ہوئے بال کہ اُن کا اُس کے گندھے ہوئے بالوں جیسا حکم نہیں، بلکہ کھُلے ہوئے بالوں پر پانی پہنچانا واجب ہے، کیونکہ اس وقت انہیں پانی پہنچانے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں۔

مسئلہ: مرد کو ہر حال میں اپنے تمام بالوں کو تر کرنا واجب ہے خواہ اس کے بال کتنے ہی بڑے ہوں۔

نکتہ: عورت کا بال کٹوانا مثلہ ہے یعنی ایسے ہے جیسے کسی کی ناک کاٹ لی جائے۔ مرد کے لیے یہ بات نہیں۔ اس لیے عورت کے لیے گندھے ہوئے بالوں میں پانی پہنچانے سے حرج واقع ہے اس لئے اسے معافی ہے مرد کو نہیں۔

مسئلہ: غسل کے لیے کم از کم چار سیر سے کچھ اوپر پانی ضروری ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ پانی کی قلت ہو اور وضو میں ایک سیر سے کچھ اُوپر۔

ف : صاع عربی میں آٹھ رطل اور مُد دو رطل کا ہوتا ہے ۔ (رطل تقریباً آدھ سیر کا ہوتا ہے)

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع کی مقدار پانی سے غسل اور ایک مُد سے وضو فرماتے تھے ۔

مسئلہ : اس میں اختلاف ہے کہ وضو کا سیر بھر پانی غسل والے صاع سے ہو یا علیحدہ ۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اندازہ کوئی لازمی نہیں بلکہ اس سے کم وبیش ہو تو کوئی حرج نہیں ۔ البتہ اسراف مکروہ ہے ۔ (کذا فی الاختیار فی شرح المختار)

مسئلہ : تندرست آدمی شہر میں رہتے ہوئے اگر غسل سے ہلاک ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو اسے تیمم کرنا جائز ہے ۔ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے ۔

مسئلہ : اگر تندرست آدمی کو شہر میں وضوء کی ضرورت ہے لیکن پانی سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے تو فقہاء کا اختلاف ہے ۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے تیمم جائز نہیں (کذا فی فتاویٰ قاضیخان) اس لیے کہ شہر میں اسے گرم پانی و دیگر ضروری اشیاء سردی کو دور کرنے کی آسانی سے مل سکتی ہیں ۔

مسئلہ : عورت کو غسل کی حاجت ہے لیکن ایسی صورت نہیں کہ وہ مردوں سے اوجھل ہو کر نہا سکے تو اس کے لیے تا وقتِ حصولِ سہولت غسل کی تاخیر جائز ہے بخلاف مرد کے کہ اسے تاخیر جائز نہیں چاہے اسے مردوں کے سامنے ننگا ہی نہانا پڑے ۔

مسئلہ : استنجاء کے لیے کوئی باپردہ جگہ نہیں ملتی اس لیے کہ جہاں بیٹھنا ہے مرد ہی مرد ہیں تو استنجاء کی تاخیر جائز ہے ۔

نکتہ استنجاء میں نجاست حقیقیہ ہے اور غسل میں نجاست حکمیہ ، اور نجاست حکمیہ کا ازالہ زیادہ ضروری ہے بہ نسبت نجاست حقیقیہ کے ۔

مسئلہ : عورت عورتوں میں ایسے ہے جیسے مرد مردوں میں ، یعنی غسل کے لیے اگر عورت عورتوں میں ننگی ہو کر نہائے تو اسے اس وقت تاخیر جائز نہیں ۔ (کذا فی الاشباہ)

حدیث شریف میں ہے : ملائکہ تین انسانوں کے قریب نہیں جاتے :

(۱) جیفۃ الکافر

(۲) وہ عورت جو خوشبو لگائے ۔

(۳) جنبی مرد یا عورت ، جب تک وضو نہ کرلیں ۔

حدیث شریف میں ہے :

لا ینقع بول فی طست فی البیت فان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ بول منتقع ولا تبولن فی مغتسلك ۔

پیالہ وغیرہ میں پیشاب کر کے گھر کے اندر نہ رکھو اس لیے کہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں پیشاب کا پیالہ پڑا ہو ، اور نہ ہی غسل خانہ میں پیشاب کرو۔

غسل کے طبّی وشرعی فائدے

غسل میں بہت بڑے طبی اور دینی فائدے ہیں :

(۱) کافروں کی مخالفت کہ وہ جنب ہونے پر غسل نہیں کرتے ۔

(۲) میل کچیل دُور ہوتی ہے ۔

(۳) وہ ردی ابخرات جو جسم سے نکل کر بہت گندی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں غسل سے ان کا ازالہ ہوجاتا ہے ۔

(۴) شہوات طبیعیہ کی حرارت کو تسکین نصیب ہوتی ہے ۔

طہارت کی اقسام

حضرت شیخ نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللطائف میں فرمایا کہ طہارت کی نو قسمیں ہیں :

(۱) دل کا دھونا کہ وہ ما سوی اللہ سے منہ پھیر لے ۔

(۲) باطن کا دھونا کہ مشاہدہ ہوجائے ۔

(۳) سینہ کی طہارت یہ کہ اس میں رجاء کو زائل کر دے اور قناعت کا خوگر ہو جائے ۔

(۴) روح کی طہارت حیاء اور ہیبت ہے ۔

(۵) پیٹ کی طہارت اکلِ حلال اور حرام طعام اور مشتبہات سے حفاظت ۔

(۶) بدن کی طہارت ترکِ شہوات اور میل کچیل کا ازالہ ۔

(۷ و ۸) دونوں ہاتھوں کی طہارت پرہیزگاری اور کسبِ حلال ۔

(۹) زبان کی طہارت ذکرِ الٰہی اور استغفار ۔

حکایت

ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودیوں کے دس علماء حاضر ہوئے اور عرض کی تمہارے

خدا نے تمہیں جماع کے بعد غسل کا حکم فرمایا ہے پیشاب اور پاخانہ پھرنے کے۔ بعد غسل کا حکم کیوں نہیں دیا حالانکہ یہ دونوں نطفہ سے زیادہ پلید ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کا دانہ کھایا تو اس کا ان کے ہر رگ وریشہ میں اثر پہنچ گیا۔ اسی طرح جب انسان جماع کرتا ہے تو اس کے ہر رگ وریشہ اور ہر بال وغیرہ سے قوتِ منویہ خارج ہوتی ہے اس لیے میرے رب نے مجھے اور میری اُمت کو غسل کا حکم فرمایا تاکہ صفائی ستھرائی حاصل ہو اور جو طاقت و قوت خارج ہوئی اس کا کفارہ ادا ہو اور اس لذتِ نفسانی کا شکریہ بھی کہ جسے انسان نے اپنے اندر محسوس کیا۔

نکتہ ۱ بدائع الصنائع فی احکام الشرائع میں ہے کہ منی کے خروج سے غسل واجب اور پیشاب پاخانہ کے اخراج کے بعد غیر واجب، ان دونوں کے خروج پر صرف اعضائے معلومہ کو دھونے کا حکم ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ جب بندے سے منی کا خروج ہوتا ہے تو اس وقت تمام جسم میں ایک سرور کیف پھیل جاتا ہے جسے لذّت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ ایک نعمت ہے اور اس کی ادائیگی پر شکر واجب ہے اور وہ ادائیگیِ غسل سے ہوتا ہے، یہ بات پیشاب و پاخانہ کے خروج میں نہیں۔

نکتہ ۲ جنابت انسان کے ظاہر و باطن بدن پر اپنا اثر دکھاتی ہے اس لیے کہ جنابت وطی سے ہوتی ہے اور وطی تمام بدن کو متحرک کرنے سے ہوتی ہے اور پھر باطنی قوت و طاقت بھی نکل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماع کی کثرت بدن کو کمزور کر دیتی ہے اور جو جماع سے بچا رہتا ہے اس کی طاقت بحال رہتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنابت انسان کے ظاہر و باطن پر اثر انداز ہوتی ہے اور یہ بات پیشاب و پاخانہ کے خروج میں نہیں اگر ان کا کچھ اثر ہے تو صرف ظاہر پر اور اگر اندرونی حصہ میں ہے تو مخصوص اعضاء پر، اور اس کا سبب بھی ظاہر ہے مثلاً کھانے پینے سے ہی ان کا اخراج ہوگا اور اس کے اسباب یعنی کھانے پینے میں جمیع بدن کو متحرک نہیں کرنا پڑتا۔ بناء بریں ان کے لیے چند مخصوص اعضاء کو دھونا ضروری ہے نہ کہ تمام بدن کو۔

نکتہ ۳ تمام جسم کو دھویا جائے یا بعض کو، اس سے مقصود یہی ہے کہ وہ نماز کا وسیلہ بنے اور یہ نماز در حقیقت اللہ تعالیٰ کی خدمت کا نام ہے، اور اس کے حضور میں حاضری اور اور تعظیم پھر بندے پر لازم ہے کہ وہ نہایت پاکیزہ اور پاک وستھرا ہو کر اپنے آقا کے حضور میں حاضر ہو تاکہ اقرب الی التعظیم اور اکمل فی الخدمت۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی نظافت اور ستھرائی تمام بدن دھونے میں ہے وہ بعض اعضاء دھونے میں نہیں۔

سوال: یہی بات تو پھر پیشاب و پاخانہ کے لیے بھی ہونی چاہیے اس لیے کہ ان میں بھی یہی

غرض ہے جو کہ جنابت کے غسل میں ہے۔
جواب: ان میں بھی عزیمت تو یہی ہے کہ ہر پیشاب اور پاخانہ پھرنے کے بعد غسل کیا جائے لیکن چونکہ ان کا اخراج بکثرت اور بار بار ہوتا ہے بنا بریں ان کی نظافت اور ستھرائی کے لیے جسم کے اکثر حصوں کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے اور وُہ بھی جو اکثر طور کھلے رہتے ہیں اور انہیں آنکھ دیکھ سکتی ہے اور اکثر حکم الکل کے تحت ان اعضاء کو غسل کے قائم مقام کیا گیا صرف دفع حرج اور آسانی کے لیے، یہ بھی اس کا فضل وکرم اور بندوں پر رحمت ہے ورنہ کون تھا جو ہر وقت ایسی حرج کشی کرتا، اور چونکہ جنابت میں یہ حرج نہیں اس لیے کہ اس کا وقوع کبھی کبھی ہوتا ہے اس لیے اسے اپنے حکم پر باقی رکھا گیا (یہاں پر بدائع والصنائع کا کلام ختم ہوا)۔
مسئلہ: مذکورہ بالا تفصیل زندہ انسان کے لیے تھی۔ باقی رہا مردہ کا غسل اس کا حکم سابقہ شرائع کے مطابق ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کو لے کر زمین پر نازل ہوئے اور فرشتوں کو فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو نہلاؤ۔ پھر ان کی اولاد سے فرمایا: یہی طریقہ تمہارے مُردوں کے لیے ہونا چاہیئے۔
حدیث شریف میں ہے:

للمسلم على المسلم ستة حقوق ومن جملتها ان يغسله بعد موته۔	مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اس کے مرجانے کے بعد اسے غسل دے۔

مسئلہ: میّت کا نہلانا واجب ہے۔
سوال: وجوب کیسے ثابت ہوا؟
جواب: حدیث شریف کے الفاظ میں لفظ علیٰ واقع ہوا ہے اور وہ وجوب کا مقتضی ہے۔
مسئلہ: میت کا غسل واجب کفایہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک میت کو غسل دے تو باقی سب سے وجوب اُتر جائے گا لیکن ثواب صرف نہلانے والے کو ملے گا۔
سوال: حدیثِ آدم میں تو لفظ سنة واقع ہے۔ مثلاً جبریل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے غسل سے فارغ ہو کر اولادِ آدم سے فرمایا: هذه سنة موتاكم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میّت کا غسل سنّت ہے واجب نہیں۔

جواب : وہاں سنّت بمعنے طریقہ ہے۔

مسئلہ : جب کوئی میّت کے غسل کے لیے متعین ہو جائے تو اسے اجرت لینا جائز نہیں۔

نکتہ : میّت کو نہلانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ خون رکھنے والے حیوانات کی طرح انسان بھی مرنے کے بعد پلید ہو جاتا ہے پھر غسل دینے سے وُہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہ صرف انسانوں کی شرافت اور بزرگی کی بنا پر ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی انسان پانی میں مرا ہوا پایا جائے تو اسے نہلانا واجب ہے اس لئے کہ نہلانے کا حکم بنو آدم کو ہے اور پانی میں پائے جانے سے اگرچہ وُہ نہلایا گیا ہے لیکن بنی آدم کے فعل سے نہیں بلکہ قدرتی طور پر نہلایا گیا ہے۔

اعجوبہ جب انسان سے رُوح نکلتی ہے تو شدّت نزع سے اس کی منی کا اخراج ہو جاتا ہے اس لئے زندہ لوگوں پر اس کا نہلانا واجب ہے۔ یہ قول بعض لوگوں کا ہے (کذا فی حل الرموز و کشف الکنوز)

مسئلہ : زندہ اور مُردہ کے غسل میں فرق یہ ہے کہ مُردہ کے غسل میں مستحب یہ ہے کہ پہلے اس کا منہ دھویا جائے بخلاف زندہ کے کہ وہ پہلے کُلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے پھر منہ دھوئے۔ مُردہ کو نہ کُلی کرائی جاتی ہے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے اور زندہ کے لیے دونوں ضروری ہیں۔ اسی طرح مُردہ کے پاؤں وضو کے وقت دھوئے جاتے ہیں بخلاف زندہ کے کہ وہ غسل سے فراغت کے بعد ہی پاؤں دھوئے جبکہ وہ عام جگہ پر نہائے جس کی تفصیل گزری ہے۔ اسی طرح میّت کا مسح نہیں کرایا جاتا اور زندہ آدمی کو مسح ضروری ہے کذا قیل (کذا فی الاشباہ)۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تم غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے سے جنبی ہو گئے تو تم اپنے نفوس کو گناہوں سے اور اپنے قلوب کو رؤیت طاعات سے اور اپنے باطن کو اغیار سے اور ارواح کو غیر کی طرف متوجہ ہونے سے اور اندرونی بھید کو وجود کی آلائش سے پاک کرو۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی طہارت و نظافت ضروری ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

چوں طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست
نبود خیر دراں خانہ کہ عصمت نبود

ترجمہ : جب طہارت نہ ہو تو کعبہ و بت خانہ برابر ہیں، اس گھر میں خیر و بھلائی نہیں جہاں عصمت نہ ہو۔

وجوب غسل میں غسل حقیقی کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ قلب و روح کے وجود کو

پاک رکھیں کہ کہیں ان کے اندر دُنیا اور اس کے شہوات کا عشق سرایت نہ کر جائے۔ جب ایسی بات ہو تو توبہ و ندامت اور اخلاص کے پانی سے اسے پاک اور صاف کرنا واجب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اہل اللہ اپنے باطن کی صفائی میں بہت زیادہ جد وجہد کرتے ہیں، انھیں ظاہری صفائی کی طرف چنداں توجہ نہیں ہوتی۔ بعض بد باطن صرف ظاہری نمائش میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ کپڑے پر اگر معمولی سی گرد وغبار پڑتی ہے تو فوراً اسے دھونے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں لیکن باطن گناہوں کی غلاظت اور گندگیوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: کسی کے کپڑے تو پاک ہوں لیکن عادت پلید ہو اسے دوزخ کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: قرآن پاک کو صرف پاک لوگ یعنی باوضو ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اور اگر تم بیمار ہو۔ یعنی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ اس سے ہلاکتِ جان کا خطرہ ہو یا پانی سے بیماری بڑھ جائے گی اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا تم مسافری میں ہو، وہ سفر طویل ہو یا تھوڑا اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے مقام پہ آئے۔

ف: الغائط اس نرم جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان پاخانہ وغیرہ کے لیے جائے۔ یہاں صرف پاخانہ وغیرہ مراد ہے اس لیے کہ انسان جب پاخانہ وپیشاب کے اخراج کا ارادہ کرتا ہے وہ ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا تم عورتوں کو لمس کرو۔

ف: الملامسۃ بمعنے مرد کا جسم عورت کے جسم کو بلا حائل لگنا۔ لیکن یہاں پر جماع مراد ہے۔ جماعی کیفیت کا صراحۃً ذکر چونکہ قبیح ہے اس لیے اسے قرآنی آداب میں شمار کرتے ہیں۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پس تم پانی نہ پاؤ۔ یہاں پانی نہ پانے سے پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھنا مراد ہے، اس لیے کہ جسے شئے کے استعمال پر قدرت نہ ہو اس کے لیے شئے نہ ہونے کے برابر ہے فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا پس تم پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ یعنی پانی نہ ملنے یا اس پر قدرت نہ رکھنے پر زمین کے ظاہر سے کسی ایک پاک شئے کا ارادہ کرو۔

ف: الصعید زمین کے ظاہری حصہ والی مٹی کو کہا جاتا ہے۔ اسے صعیدًا اس لیے کہتے کہ وہ زمین کے اوپر کا چڑھا ہوا حصہ ہے۔ اور طیّب بمعنے پاک خواہ وہ بکھری ہوئی ہو یا بندھی ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ مثلاً پتھر (یہ بھی زمین کی ایک قسم ہے) پر گرد وغبار نہ ہو لیکن تم نے تیمم کر لیا ہے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تیمم جائز ہے۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو اسی پاک مٹی سے۔

مسئلہ: ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا لازمی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیمم فرمایا تو اپنے ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا۔

ف: نیز عقلاً یہی صحیح ہے اس لیے کہ تیمم وضوء کا بدل ہے۔ پھر جس قدر وضوء میں متعین ہے اسی قدر تیمم میں ہونا لازمی ہے۔

ف: بوجوھکم میں بار زائد ہے۔ اور منہ سے ابتداغایۃ کے لیے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہاتھوں کو مٹی پر رکھو انہیں چہروں اور ہاتھوں پر پھیرو اور مٹی پر ہاتھ لگا کر چہروں اور ہاتھوں تک لے جانے کے مابین اور کوئی عمل فاصل نہ ہو۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ نماز کی طہارت یا تیمم کے حکم سے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں **لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ** کہ تمہارے لیے دینی معاملات میں تنگی پیدا کرے **وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ** لیکن اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں گناہوں سے پاک اور صاف کرے۔ اس لیے کہ وضوء گناہوں کا کفارہ ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما رجل قام الی وضوئہ یرید	جو شخص نماز کا وضو کرتا ہے تو اس کی ہتھیلیوں
الصلوٰۃ ثم غسل کفیہ نزلت	کے پہلے قطرے سے ہی ہاتھوں کے تمام
خطیئۃ کفیہ مع اول قطرۃ فاذا	گناہ دُھل جاتے ہیں اسی طرح کُلی کرنے
تمضمض نزلت خطیئۃ لسانہ	سے منہ کے تمام گناہ گر جاتے ہیں اسی طرح
وشفتیہ مع اول قطرۃ واذا غسل	ناک میں پانی دینے سے ناک کے تمام
وجھہ ویدیہ الی المرفقین	گناہ مٹ جاتے ہیں پھر جب چہ

ورجلیه الی الکعبین سلم من کل ذنب هو علیه وکان کیوم ولدته امّه ۔

ہتھیلیوں اور پاؤں کے دھونے سے فراغت پاتا ہے تو وہ پچھلے تمام گناہوں سے ایسے پاک اور صاف ہو جاتا ہے گویا اسے اس کی ماں نے ابھی جنا ہے ۔

آیت کی دیگر تقریر یا تمہیں مٹی سے تیمم کی اجازت دے کر تمہیں پاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے کہ مٹی کو پانی کے قائم مقام فرمایا گیا ہے ۔

وَلِيُتِمَّ اور تاکہ مکمل کرے تمہارے اوپر اپنی نعمت کہ ایسے طریقے مشروع فرمائے کہ جن سے تمہارے اجسام بھی پاک اور صاف ہوں اور اُن سے تمہارے گناہ بھی دُھل جائیں **نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ** یعنی اپنی وہ نعمت جو دین سے متعلق ہے وہ صرف تمہارے لئے مخصوص ہے ، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو امور لازمی طور پر تمہیں ادا کرنا تھے انہیں رخصت سے تبدیل کر کے تمہارے لیے موجبِ نعمت بنا دیا گیا ۔

مسئلہ : شرعاً رخصت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو بوجہ عذر کے مشروع ہوا اور عزیمۃ ہر وہ فعل جو بالاصالۃ مشروع ہو ۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو ۔

فائدہ صوفیانہ دراصل کپڑے کے صاف کرنے (کہ جس سے میل کچیل بزور قوّت دُور کی جاتی ہے) یا جسم کی صفائی (کہ معمولی سی کوشش سے اس کی میل کچیل دُھل جاتی ہے) سے دل کی طہارت مطلوب ہے جو باطنی امور کا خلاصہ ہے ۔ دل کی طہارت یہ ہے کہ اسے مذموم اخلاق کی نجاسات سے دُور رکھا جائے ۔ یہی حقیقی طہارت ہے ۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ یقین ہے کہ ظاہر کی صفائی باطن کی صفائی پر اثر انداز ہوتی ہے کہ اس سے دل کا نور چمک اٹھتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جس وقت انسان وضو یا دیگر کوئی ظاہری صفائی کرتا ہے تو دل میں ایک قسم کا نور وسرور محسوس ہوتا ہے ، اس سے قبل اسے یہ کیفیت حاصل نہ تھی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک اور ملکوت کو آپس میں تعلق ہے ۔ مثلاً جس طرح دل کے معارف و حقائق کے آثار ظاہری اعضاء پر نمودار ہوتے ہیں اسی طرح ظاہری بدن کی صفائی سے دل پر اثر پڑتا ہے بدن عالم ملک کا باشی ہے اور دل عالم ملکوت کی نماز میں اعضاء کو متحرک کرنے کا بھی یہی راز ہے کہ یہ اعضاء جو کہ عالم شہادت کے باشی ہیں متحرک ہوں گے تو عبادتِ الٰہی جس کا نام نماز ہے تو وہ ادا ہو گی ۔ اس وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کو دنیا اور دنیا کی اشیاء میں شمار فرمایا ۔ کما قال : مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں :

(۱) خوشبو
(۲) عورتیں
(۳) نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک۔

اس سے ثابت ہُوا کہ ظاہری طہارت سے باطن پر اثر پڑتا ہے۔ اس کے لیے نقلی دلیل بھی ہے۔
حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:
پانچ باتوں سے پانچ امور ظاہر ہوں گے:
(۱) سُودی کاروبار سے زلزلے۔
(۲) ظالم افسروں سے قحط۔
(۳) کثرتِ زنا سے کثرتِ اموات۔
(۴) زکوٰۃ نہ دینے سے جانوروں کی قلّت۔
(۵) اہلِ ذمّہ پر تعدّی سے دولت سمٹ کر ان کے پاس چلی جائے گی۔

نیز محسوسات سے بھی اس کی دلیل ملتی ہے کہ واقعی ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ سورج کے سامنے شیشہ رکھ دیا جائے تو سورج کا نور شیشہ میں پڑتا ہے پھر اسی شیشہ کے سامنے کوئی اور شئے رکھی جائے تو شیشے کی شعاع اس کے بالمقابل رکھی ہوئی شے پر پڑے گی۔

سبق: چونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمم اور وضو کو اسباب طہارت میں مقرر فرمایا ہے اس لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر طہارت کے لیے جد و جہد کرے۔ اگرچہ وہ بھی توفیقِ الٰہی سے نصیب ہو گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فیض ازل بزور زر ار آمدے بدست
آبِ خضر نصیبۂ اسکندر آمدے

ترجمہ: اگر بزور زر فیضِ ازلی حاصل ہوتا تو آبِ حیات خضر کے نہیں سکندر کے نصیب میں ہوتا۔

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم حُبِّ دنیا کے مرض میں مبتلا ہو جاؤ یا خواہشاتِ نفسانی کے سفر میں پھنس جاؤ یا تمہارے کسی نے شہوات نفسانی کے مطابق عمل کر لیا یا تم میں سے کسی ایک نے لذاتِ دنیویہ کو چکھ لیا پھر تمہیں توبہ و استغفار کا پانی بھی میسر نہیں ہوتا تو پھر مشائخ کرام اولیاءِ عظام کے قدموں کی گرد و غبار ہو جاؤ اور اُن کی خدمت کرو کیونکہ ان کی

خدمت سے قساوۃ قلبی اور بہت بڑے گناہوں سے پاک اور صاف ہوجاؤ۔ اور سب سے بڑا کبیرہ گناہ شرک ہے اور شرک میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود کے مقابلہ میں اپنے وجود کا دم مارا جائے۔ اور یہ گناہ اس وقت مٹتا ہے جب کسی کامل شیخ کے قدموں کی گرد وغبار کو حرزِ جاں بنایا جائے۔ ان حضرات اولیاء کے دروازوں کو کھٹکھٹانے سے یہ خرابی دُور ہوجاتی ہے ورنہ مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان امور کا حکم دے کر ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے اوپر اپنی رحمت و نعمت کی تکمیل کرے۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب تمہاری انانیت اور خودنمائی پگھل جائے، اور وہ مشائخ کرام اور اولیاءِ عظام کی خصوصی توجہ سے پگھلے گی اور اللہ تعالیٰ اس پر انوارِ ہُویت کی اکسیر ڈالے گا تو پھر تمہارے قلوب اکسیر ہوں گے **لعلکم تشکرون** یعنی انوارِ ہُویت کے صدقے ہی سے تمہیں انوارِ نعمت کی زیارت نصیب ہوگی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ نعمۃ سے یہاں اسلام مراد ہے۔ نعمت کی یاد سے منعم یاد آجاتا ہے نیز نعمت کی یاد سے منعم کا شکر کرنے کی رغبت ہوتی ہے۔

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اسلام کو بھی بھول جاتا ہے، حالانکہ یہ ناممکن ہے کیونکہ مسلمان ہوکر اسلام کو کیسے بھولتا ہے جبکہ اسلام کے متعلقات ہر وقت اس کے سامنے گھومتے رہتے ہیں۔

جواب: یہ ایک فطری اور طبعی امر ہے کہ جو شے کسی کے لیے بمنزلہ طبیعت کے بن جائے اور بار بار اس سے واسطہ پڑے اگرچہ وہ کتنی ہی اعلیٰ نعمت ہو لیکن بوجہ طبیعت میں یکجان ہونے کے یہ یاد نہیں رہتا کہ یہ نعمت ہے یا نہیں اس فطری امر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یاد دہانی فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ایسی نعمت کا طبعی طور شکر کرنا عبادۃ نہیں بنتا بلکہ ایسی نعمت پر شکر اس وقت عبادت بنتا ہے جب اسے امر ربی سمجھ کر ادا کیا جائے۔

وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ اور اللہ تعالیٰ کا وہ معاہدہ یاد کرو جو تم سے بڑی سخت تاکید سے لیا گیا۔ چنانچہ فرمایا **اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** جبکہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا اذ اور واثقکم کے متعلق ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ انہیں اس عہد کی یاددہانی سے تنبیہ ہو کہ وہ اس عہد و پیمان کو قبول کرکے پُورے طور پر اس کی محافظت اور نگرانی کریں۔ یہ وہی میثاق ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے بیعت لی کہ دُکھ اور سُکھ، اختیار و اکراہ میں احکامِ الٰہیہ کو قبول کرکے ان پر حتی الامکان عمل کریں **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** نعمتوں کو بھولنے اور عہد و پیمان الٰہی کو توڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** بے شک اللہ تعالیٰ سینہ کے اندر کے تمام پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔

سوال : ذات الصدور کیوں فرمایا حالانکہ اس سے سینے کے اندر کے پوشیدہ اسرار مراد ہیں۔
جواب : چونکہ ان اسرار مخفیہ کی جزا و سزا انسان کی ذات پر مرتّب ہوگی اس لیے ذات الصدور سے تعبیر کرنا مناسب ہوا۔
ف : جب وہ پوشیدہ اسرار کو جانتا ہے تو پھر کھلے بندوں گناہ کے ارتکاب کو بطریقِ اولیٰ جانتا ہے۔

انعاماتِ الٰہیہ کی تعداد (۱) سب سے پہلی اور بڑی نعمت یہ ہے کہ ہمیں ظلماتِ عدم سے نکال کر نورِ وجود سے نوازا جبکہ باقی موجودات کو ہمارے بعد نعمتِ وجود بخشی۔
(۲) دینِ قدیم کو قبول کرنے کے لیے احسن تقویم عطا فرمائی۔
(۳) الست بربکم فرما کر بلیٰ کہنے کی توفیق بخشی۔
(۴) اس خطاب کے قبول کرنے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس لیے کہ اگر اس کی توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو ہم کافروں کی طرح سمعنا وعصینا کہتے۔

حدیث شریف ۱ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نو یا آٹھ یا سات افراد تھے ہم اس وقت نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ہم نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرلیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : تم میری بیعت کیوں نہیں کرتے ؟ ہم نے عرض کی، ہم حاضر ہیں۔ اور یہ کہہ کر ہم نے بیعت کے لیے ہاتھ پھیلا دئے اور عرض کی کہ ہم کس بات کا عہد کریں ؟ آپ نے فرمایا : "صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ پانچوں نمازیں پڑھنا۔ اس کے تمام چھوٹے بڑے احکام کی پابندی کرنا، اور لوگوں سے کسی کام کا سوال نہ کرنا۔" اس کے بعد ہم نے مشاہدہ کیا کہ اگر کسی کی سواری پر سے ڈنڈا نیچے گر جاتا تو سواری سے اتر کر خود اٹھاتا، لیکن کسی سے اس کے اٹھا دینے کا سوال نہ کرتا۔

حدیث شریف ۲ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچوں نمازوں کی بیعت کی۔ اس پر مجھے سات بار تاکید فرمائی۔ اس کے بعد مجھ سے کلمۂ شہادت کی بیعت کی اور اس پر سات بار تاکید فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔

حدیث شریف ۳ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے ظاہر و باطن میں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اگر

تجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کے ساتھ فوراً نیکی کرنا اور کسی سے کسی بات کا سوال نہ کرنا اگرچہ ڈنڈا سواری سے گر جائے تو بھی کسی سے نہ کہنا اور کسی کی امانت نہ رو کے رکھنا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

وفا و عہد نکو باشد ار بیاموزے
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وفا و عہد کسی نیک سے سیکھو ورنہ جس کسی تو دیکھے گا وہ ستمگری ہی جانتا ہو گا۔

اے اللہ! ہمیں اُن لوگوں سے بنا جو وعدوں کو وفا کرتے ہیں۔ (آمین)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی کرو اور ان پر ثابت قدم رہو، بلکہ ان کی عظمت کو پہچانو اور ان کے حقوق کی پوری نگہداشت کرو شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ عدل و انصاف سے ان کی محافظت کرو یہ کُوْنُوْا کی دوسری خبر ہے وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ اور نہ ہی برانگیختہ کرے تمہیں شَنَاٰنُ قَوْمٍ مشرکین کا سخت بغض و عداوت عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا کہ تم اُن سے عدل و انصاف کرو۔ یعنی کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرو جو تمہارے لیے جائز نہ ہو مثلاً اُن کا مثلہ یا اُن پر بہتان تراشی کرو یا ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دو یا اُن سے معاہدہ توڑ دو تاکہ اس طرح سے تم اپنا جی بہلاؤ اِعْدِلُوْا هُوَ عدل و انصاف سے کام لو اس لئے کہ وہ عدل اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى تقویٰ کے قریب تر ہے کہ تمہیں اسی کا حکم ہے۔

سبق جب کفار کے ساتھ عدل و انصاف کی اتنی تاکید شدید ہے تو پھر اہلِ اسلام کے ساتھ کتنا ضروری ہو گا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس لیے کہ تمام امور کا سرتاج اور آخرت کا بہترین زادِ راہ یہی تقویٰ ہے اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ان سب کی تمہیں جزا و سزا دے گا۔

ربط: چونکہ مضمونِ بالا وعد و وعید کے لیے بمنزلہ علت کے ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اسے بھلائی کا وعدہ ہے جو اس کے خلاف کرتا ہے اسے جہنم کی وعید۔ اس لیے فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ فرمایا۔ ان نیک اعمال سے عدل و انصاف اور تقویٰ و طہارت بھی وعد کا مفعول ثانی محذوف ہے

یعنی الجنّۃ - چنانچہ متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ایسے لوگوں کے لیے گناہوں کی مغفرت وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور بہت بڑا اجر ہے - یعنی بہشت میں انہیں بہت بڑا اجر نصیب ہوگا - یہ اس الجنّۃ کی تفسیر ہے، سبب بول کر مسبّب مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ جنت مغفرت کا سبب ہے اور جسے اجر حاصل ہوگا اسے بہشت نصیب ہوگی -

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں منجملہ ان کے یہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ وہ لوگ نہ عدل انصاف کرتے ہیں نہ ہی تقویٰ اور طہارت - یہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا کہ وہ کفر و تکذیب کا ارتکاب کرتے ہیں اصحاب الجحیم وہ جہنمی ہیں یعنی وہ اس میں دائمی طور پر رہیں گے - اس میں مومنین کو مزید وعدہ سے نوازا گیا ہے اس لیے کہ جب اُن کے دشمنوں کو اتنے بڑے ڈر سنائے گئے تو انہیں خوشی نصیب ہوگی اور اپنے اندر جو حُزن و ملال رکھتے ہوں گے کہ کافروں نے انہیں دُکھ پہنچائے - اُن کے عذاب کی خبریں سُن کر دل ٹھنڈا کریں گے اس لیے کہ فطرت انسانی ہے کہ انسان اپنے دشمن کی ذلّت سے خوش ہوتا ہے -

ف : اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں مومنین کو صراحۃً بتایا ہے کہ عدل و انصاف کا شیوہ بناؤ اور یہ بھی بتایا کہ عدل تمہارے لیے بمنزلہ تقویٰ کے ہے اور فرمایا کہ ظلم و ستم سے دُور رہو اس لیے کہ یہ ظلم و ستم خواہش نفسانی سے سرزد ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا اصل موجب کسی سے بغض و عداوت ہے -

سبق : مسلمان پر لازم ہے اپنے پرائے سے نیک سلوک کرے بالخصوص اپنی آل و اولاد اور اپنے نفس کے لیے بھی - اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے :

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ - تم سب کے سب حاکم ہو اور ہر حاکم سے اپنی رعایا کے متعلق سوال ہوگا -

نسخۂ جہانبانی نوشیرواں کے تخت کے نیچے سے ایک مخطوط ملا جس پر لکھا تھا کہ بادشاہ امیری کو کہتے ہیں اور امیری رعایا سے ہوتی ہے اور رعایا کی کثرت اموال کی سہولت سے ہوتی ہے اور اموال رعایا پروری پر ہوتا ہے اور رعایا پروری کے لیے عدل ضروری ہے عدل و انصاف کے ترازو میں رعایا اور بادشاہ برابر کے دو پلڑے ہیں بادشاہ پر لازم ہے کہ اپنی ہر بھلائی میں رعایا کو شریک رکھے -

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

شاہ را بہ بود از طاعت صد سالہ و زہد
قدر یک ساعت عمرے کہ کہ در و داد کند

ترجمہ : بادشاہ کو سو سال کے زہد و عبادت سے وہ ایک گھڑی بہتر ہے جس میں انصاف کرے۔

حکایت حضرت محمد بن الواسع کے وصایا الفتوحات کے ترجمہ میں ہے کہ بلال بن بردہ ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ولی اللہ تشریف لایا۔ دیکھا کہ بادشاہ عیش و عشرت میں غرق ہے اُس کے آگے کھانے پینے کے بہترین پرفانی طعام و شراب پڑے تھے اور بادشاہ نہایت خوش و خرم بیٹھا تھا، اس ولی اللہ نے محمد بن واسع سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ گھر کیسا ہے؟ اس نے عرض کی بہترین گھر ہے۔ ولی اللہ نے فرمایا لیکن بہشت بدرجہا بہتر ہے اور معلوم ہو کہ دوزخ ایسے لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو ایسے گھروں میں ایسے غافل ہو کر گزارتے ہیں۔ بادشاہ نے اس ولی اللہ سے عرض کی فرمائیے تقدیر کیا شئے ہے؟ ولی اللہ نے فرمایا بات تو بتائی جائے گی لیکن تم ذرا گورستان والوں سے عبرت حاصل کرو کہ وہ کس حال میں ہیں، تمہیں تقدیر کے مسائل سے کیا واسطہ۔ بادشاہ پر ولی اللہ کی بات اثر کر گئی عرض کی: میرے لیے دُعا فرمائیے۔ ولی اللہ نے فرمایا: میری دُعا کیا اثر کرے گی جبکہ تیرے لیے بد دُعا کرنے والے مظلوم اتنے ہیں کہ ان کی بد دعا عرشِ الٰہی پر پہنچ چکی ہے وہ میری دعا کو آگے کیسے جانے دیں گے۔ تم ظلم کرنا چھوڑ دو میری دُعا کے بغیر ہی تیرے تمام مقاصد پُورے ہو جائیں گے۔

حکایت دیگر حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ سے ہارون الرشید بادشاہ نے پُوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو انہوں نے فرمایا تُو وہ ہے کہ اگر تیرے ملک کے مشرق میں کوئی ظلم کرے اور تو مغرب میں ہو تو اس کے متعلق بھی قیامت میں تجھ سے اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا۔ یہ سن کر ہارون رشید رو پڑا۔

نکتہ عین المعانی میں ہے کہ عالمِ دین اہل اللہ ظالمین کے ہاں نہیں جایا کرتے کہ کہیں ان کے لیے کوئی ایسی دُعا نہ کرنی پڑے جو کہ ظلم و ستم کی مؤید بنے، اس لیے وارد ہے کہ جو شخص ظالم کے ظلم کو جاننے کے باوجود اس کی بقا کی دُعا کرتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی نافرمانی کر رہا ہے۔

سبق : ظالم کو نصیحت کرے اس کے لیے خوشامد ہرگز نہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے: ما ترك الحق لعمر من صديق (جس نے حق گوئی کا شیوہ

اختیار نہ کیا اس کے دوست گھٹ جاتے ہیں)

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا،

لما ادمت النصح و التحقیقا

لم یترکا لی فی الوجود صدیقا

ترجمہ: جب سے مجھے نصیحت و تحقیق نصیب ہوئے اس وقت دنیا میں میرا کوئی دوست نہیں رہا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بگوے آنچہ دانی سخن سود مند

وگر ہیچکس را نیاید پسند

ترجمہ: وہ سخن جو تُو سود مند سمجھتا ہے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو وہ پسند نہ ہو۔

سبق: بہرحال عدل و انصاف بہترین عادت ہے۔

حکایت نوشیرواں جب فوت ہُوا تو اس کی میت صندوق میں بند کرکے اس کی تمام مملکت میں پھرائی گئی اور اعلان ہوتا رہا کہ نوشیرواں سے کسی نے کوئی حق لینا ہے تو بتائے باوجود اینہمہ کوئی ایک بھی ایسا نہ ملا جس نے نوشیرواں سے کچھ لینا ہوتا۔

سبق اس لیے حاتم کے جود و سخاوت کی طرح وہ عدل و انصاف میں مشہور ہوا اب بھی جو عدل و انصاف سے کام لیتا ہے اُسے نوشیرواں ثانی کہا جاتا ہے۔ اسے عادل محض مدح و ثنا کے طور پر نہیں کہا جاتا بلکہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے عدل و انصاف کا حق ادا کیا تھا۔

مسئلہ: ہمارے دَور کے حکام و آفیسران کو عادل کہنا (جبکہ وہ ظلم و ستم کے مرتکب ہوتے ہیں) گناہ ہے بلکہ ان کے ظلم و ستم کے جاننے کے باوجود ان کی عدل و انصاف سے تعریف کرنا جھُوٹ اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

نکتہ: کافر کو عدل سے موصوف کرنا اور ظالم مسلمانوں کو عدل سے موصوف نہ کرنا کوئی قباحت نہیں اس لیے کہ عدل اور ظلم و ستم دو متضاد صفات ہیں فلہٰذا ان کا اجتماع محال ہے۔

شانِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم قیامت میں صدق کا جھنڈا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا ہر سچ بولنے والا آپ کے جھنڈے تلے پناہ لے گا۔ عدل و انصاف کا جھنڈا عثمانِ غنی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا ہر عادل انہی کے

جھنڈے تلے آرام پائے گا۔ سخاوت کا جھنڈا عثمانِ غنی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہر سخی انکے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ سخاوت کا جھنڈا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا تمام شہداء آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ فقہاء کرام حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ تمام زاہد حضرت ابُوذر (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے تلے اور تمام فقراء حضرت ابو درداء (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے تلے اور تمام قاری اور درس دینے والے حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے تلے اور تمام مؤذن حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) اور مظلوم مقتول حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے حاضر ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یوم ندعو کل اناس بامامھم الآیۃ (کذا فی زہرۃ الریاض)

ف: عدل ہر اس فعل اور قول اور عادت کو کہتے ہیں جو متوسط و محمود ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے فاستقم کما امرت، جسے یہ دولت نصیب ہوتی ہے اسے کیمیا نصیب ہوا یا یوں سمجھو کہ اسے خالص عطر کی کان حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیں توفیق و ہدایت نصیب ہو۔ (آمین)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تمہیں عطا ہوئی۔ علیکم، نعمت اللہ سے متعلق ہے اِذْ هَمَّ قَوْمٌ جبکہ ایک قوم نے ارادہ کیا اذ نفس نعمت کے لیے ظرف ہے۔ یعنی یاد کرو اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو جبکہ کفار نے تمہارے لیے بُرے عزائم کیے ہوئے تھے اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ کہ تمہاری طرف ہاتھ پھیلائیں یعنی تمہیں قتل اور تباہ و برباد کریں۔ یہ محاورہ عرب میں مشہور ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: بسط الیہ یدہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ کوئی کسی چیز پر حملہ کرے۔ اور کہتے ہیں بسط الیہ لسانہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ کوئی کسی کو گالی دے۔ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تم سے اُن کا ہاتھ روک لیا۔ اس کا عطف هَمَّ پر ہے یہ وہی نعمت ہے جس کی تذکیر مطلوب ہے اور ان کے ارادہ سے خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت ہر لحظہ اہلِ اسلام کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہ فاء تعقیبیہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت مکمل طور پر تمہیں عنایت فرمائی بایں معنیٰ کہ مجرد اُن کے بُرے ارادے کے تمہارے اوپر حملہ کرنے سے انہیں روک دیا۔ یہ نہیں کہ انہوں نے حملہ کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا۔

ف: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام پر اپنی مکمل نعمت عنایت فرمائی

کہ جس میں دشمنوں کے خوف کا ذرہ بھر بھی خطرہ نہیں تھا اور نہ ہی مخالفین کو ایسا موقعہ میسر ہوا کہ جس سے اہلِ اسلام پر ہاتھ کھڑا کر سکیں۔ ہاتھ کھڑا کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو محفوظ فرما لیا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل روایات دلالت کرتی ہیں۔

حدیث شریف ۱ مشرکین نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو غزوہ ذی انمار (جسے غزوہ ذات الرقاع سے تعبیر کیا جاتا ہے) یہ حضور علیہ السلام کی ساتویں جنگ تھی، میں دیکھا کہ وہ ظہر کی نماز میں مشغول ہیں لیکن کفار کو ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو مشرکین کو افسوس ہوا کہ ہم حملہ کرنے سے کیوں باز رہے۔ انہیں کسی نے کہا کہ صبر کرو اب عصر کی نماز پڑھیں گے وہ نماز انہیں اپنے آباء وابنائے سے بھی زیادہ محبوب ہے اس نماز میں وہ مشغول ہوں گے تو تم ان پر حملہ کر دینا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نمازِ عصر سے پہلے صلوٰۃِ خوف کا حکم دیا اس طرح کفار کو حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام اس طرح سے ان کے غلط منصوبوں سے محفوظ ہو گئے۔

حدیث شریف ۲ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے یاروں سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر بنو قریظہ کے ہاں قرض لینے کے لیے تشریف لے گئے، جبکہ دو مسلمانوں کو عمرو بن امیہ ضمری نے خطاءً قتل کر دیا اس خیال پر کہ شاید یہ مشرکین ہیں، لیکن وہ مسلمان تھے اب ان کی دیت ادا کرنا پڑی۔ اسلام میں اتنی وسعت نہ تھی اس لیے قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے یاروں سمیت بنو قریظہ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے عرض کی تشریف رکھئے، ہم آپ کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں اور منہ مانگا قرضہ بھی پیش کرتے ہیں چنانچہ آپ کو آپ کے یاروں سمیت ایک صُفّہ میں بٹھا دیا لیکن ارادہ کیا کہ اُوپر سے کوئی ایسی بھاری چیز پھینکیں کہ جس کے صدمہ سے یہ حضرات جانبر نہ ہو سکیں۔ چنانچہ عمرو بن جحاش پتھر کی ایک بہت بڑی چکی اٹھا لایا تا کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے یاروں پر پھینکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت سے روک لیا اور جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ آپ جلدی سے یہاں سے اُٹھ کر گھر تشریف لے جائیں۔ آپ حکم ربانی بجا لائے اور فوراً چلے گئے اور اس طرح سے دشمنوں کی شرارت سے محفوظ ہو گئے۔

حدیث شریف ـــــ معجزہ مروی ہے کہ آپ جنگ سے فراغت پاکر مدینہ طیبہ واپس تشریف لا رہے تھے راستہ میں آرام کرنے کی خاطر قافلہ ایک جگہ رُکا اور ہر ایک اپنے اپنے مقام پر ایک ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی علیحدہ ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی اور سو گئے۔ ایک اعرابی نے موقعہ پاکر آپ کی تلوار کو اٹھا لیا اور نیام سے نکال کر آپ کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور آپ کو کہا بتائیے اب میری گرفت سے تمہیں کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ تعالیٰ مجھے بچا لے گا۔ آپ نے جب یہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے اعرابی سے تلوار چھین لی اور اسے نیچے گرا دیا۔ آپ اُٹھے اور وہی تلوار اُٹھا کر اُس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اب تو بتا تجھے کون بچائے گا؟ اس نے کہا کوئی نہیں لیکن میں مسلمان ہوتا ہوں، یہ کہہ کر پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وکرم وسلم)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو۔ اس کا عطف اذکروا پر ہے یعنی نعمت کے حقوق پر پوری پوری نگہداشت رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی شکر گزاری میں کسی قسم کا خلل واقع ہو **وَعَلَى اللّٰهِ** اور مستقل طور پر بلا اشتراک احد سے صرف اللہ تعالیٰ پر **فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** مومنوں کو توکل کرنا چاہیئے اس لیے صرف وہی بھلائی پہنچاتا اور ضرر دفع کرتا ہے۔

توکّل کی تحقیق جمیع امور میں صرف اللہ تعالیٰ کا سہارا کرنے کا نام توکّل ہے اس کا محل قلب ہے، ظاہری اسباب کی تلاش توکّل کے منافی نہیں، جبکہ اسلامی عقائد میں ہے کہ ہر بُرائی اور بھلائی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ توکّل کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ہر امر کے سامنے ایسے ہو جیسے مردہ بدست زندہ۔ لیکن یہ اسے نصیب ہوتا ہے جس کا یقین کامل ہو، جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے کہ جب آپ پر نمرود اور دوسرے کفّار نے آپ کو اٹھا کر آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کوئی ضرورت ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: ضرورت ہے تو سہی لیکن تجھ سے مجھے کیا غرض، میرا اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے وہی میرے حال کو زیادہ جانتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا کہ آپ پر مشرکین عرب نے طرح طرح کے حملے کئے لیکن کیا مجال کہ وہ آپ کو ذرہ برابر نقصان پہنچا سکتے بلکہ الٹا خود قسم قسم کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوئے گویا اُن کے بُرے ارادوں کی انہیں سزا ملی۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

قصۂ عاد و ثمود از بہر چیست
تا بدانی کہ انبیاء را نازکیست

ترجمہ : قصۂ عاد و ثمود کس لیے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کا معاملہ نازک تر ہے۔

ف : توکل ایک بہت بڑے بلند مرتبے کا نام ہے اور یہ صرف مقربانِ الٰہی کو نصیب ہوتا ہے۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہونے کی جد و جہد کرے اور وہ ایسے راستہ پر چلنے کی کوشش کرے جسے راہِ حق کہا جا سکے۔

حکایت ایک حکیم صاحب کسی شخص کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے وہ مکان جدید طریقے سے تیار کیا اس میں بہترین فرش و فروش بچھائے۔ لیکن گھر کا مالک ایسے گھر کے لائق نہیں تھا۔ حکیم صاحب نے گھر والوں کو دیکھ اس شخص کے منہ پر تھوک پھینکا۔ اس شخص نے کہا یہ کیا حماقت ہے؟ حکیم صاحب نے فرمایا عین دانائی ہے اس لیے کہ تھوک مکان کی گندی جگہ پر ڈالی جاتی ہے اور اس مکان میں سوائے تیرے اور کوئی زیادہ گندی شے نہیں اس لیے کہ تو اس گھر میں رہنے کا اہل نہیں اور تیرے اندر اچھے اوصاف بھی نہیں۔ یہ سُن کر صاحبِ مکان چونکا اور متنبہ ہوا کہ دنیا میں اس جیسا گندا کوئی نہیں، اس لیے کہ وہ شخص لذاتِ نفسانی میں منہمک اور ہر وقت ظاہری سجاوٹ میں لگا رہتا تھا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قلندرانِ حقیقت بنیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ : قلندرانِ حقیقت اس کی قبائے اطلس کو جَو کے برابر نہیں سمجھتے جو ہُنر سے خالی ہو۔

مسئلہ : ہر شے اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اپنی تقدیر سے جیسے چاہتا ہے آزمائش کرتا ہے۔

سبق : بندوں پر لازم ہے کہ ہر دُکھ اور سُکھ اور اختیار و اکراہ میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے۔

حکایت ابوعثمان سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے آپ کے ہاں ابلیس لعین حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ ہر شے تقدیرِ الٰہی سے وابستہ ہے تو آپ ابھی پہاڑ سے چھلانگ لگائیے تقدیرِ الٰہی میں ہوگا تو آپ کو نقصان پہنچے گا ورنہ نہیں۔ آپ نے فرمایا اے بدبخت! بندوں کا کام نہیں کہ وہ اپنے رب کا امتحان لیں بلکہ یہ صرف اسی کا کام ہے کہ وہ اپنے

(باقی صفحہ ۱۵۳ پر)

وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ إِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَ
قَالَ اللّٰهُ إِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ
وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ
قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ
تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا إِنَّا نَصٰرٰۤى أَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا
مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ
يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ يٰۤأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ
كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِيْنَ قَالُوْۤا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا إِنْ
أَرَادَ أَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يٰۤأَهْلَ
الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ
تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ع

ترجمہ : اور بیشک ، اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ سردار قائم کئے اور اللہ
نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں

پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرضِ حسن دو بیشک میں تمہارے گناہ اتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا تو ان کی کیسی بدعہدیوں پر ہم نے انہیں لعنت کی اور اُن کے دل سخت کر دیئے اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدلتے ہیں اور بھلا بیٹھے بڑا حصّہ ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں اور تم ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے سوا تھوڑوں کے تو انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو بے شک احسان والے اللہ کو محبوب ہیں اور وہ جنہوں نے دعوٰی کیا کہ ہم نصارٰی ہیں ہم نے ان سے عہد لیا تو وہ بھلا بیٹھے بڑا حصّہ ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں تو ہم نے ان کے آپس میں قیامت کے دن تک بَیر اور بُغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں بتا دے گا جو کچھ کرتے تھے اے کتاب والو بیشک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے ہیں بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب، اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اُسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے ساتھ اور انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے بیشک کافر ہوئے وُہ جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی ہے تم فرما دو پھر اللہ کا کوئی کیا کر سکتا ہے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو، اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی، جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے، اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرما دو پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے بلکہ تم آدمی ہو اس کی مخلوقات سے جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اور اسی کی طرف پھرنا ہے اے کتاب والو بیشک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں اور اللہ کو سب قدرت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۱)

بندوں سے جس طرح چاہے امتحان لے، بندے پر لازم ہے کہ اس پر توکل کرے اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائے۔

ف: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک نعمت بندے پر یہ ہے کہ کُن فرما کر اسے عدم سے وجود کی دولت سے نوازا پھر بندوں کو عدم کی راہ پر لائے گا۔ لیکن اس کا بندوں کو علم نہیں کہ کب لائے گا اور کیسے لائے گا۔ اور نہ اس کا انہیں اختیار ہے اور یہ بھی اسی کے لفظِ کُن سے ہوگا، جب چاہے گا کُن فرمائے گا اور خاص بندوں کو ارجعی الیٰ ربك الخ فرمائے گا۔

سبق: بندوں پر لازم ہے کہ وہ اس کے فضل وکرم پر بھروسا کریں تاکہ وہ کریم انھیں اپنی عنایات و الطاف کے جذبات کی طرف راہ دکھلائے۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۱۵۲)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ سے وعدہ لیا، یہاں قسم محذوف ہے وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا اور ان پر بارہ سردار مقرر فرمائے۔

سوال: پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اسم ظاہر اور اب صیغہ متکلم استعمال فرمایا ہے یہ کیوں؟

جواب ۱: علم معانی کے قاعدہ کے مطابق اسے التفات کہتے ہیں اور یہ صاحبانِ جاہ وجلال عموماً ایسے کرتے ہیں کہ پہلے نام ظاہر کر دیتے ہیں پھر اس کے بعد اپنا رُعب ڈالتے ہوئے صیغہ جمع متکلم کا بولتے ہیں۔

جواب ۲: چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے یہ کام ہوا تھا اور انہوں نے بشرکتِ غیر یہ کام کیا اس لیے اسے صیغہ جمع متکلم سے تعبیر فرمایا۔ اس کی مزید تشریح آئے گی یعنی ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا گیا تاکہ وہ اپنی قوم کی ذمہ داری اٹھائے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۂ عقبہ میں انصار کے بارہ سردار مقرر فرمائے[۱]

نکتہ: ہر برادری کا علیحدہ سردار مقرر کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جب برادری دیکھے گی کہ ہم میں بھی ایک سردار ہے تو وہ دین میں استقامت واستقلال سے کام کریں گے۔

ف: نقیب وعریف کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک نقیب عریف سے مرتبہ میں

---

[۱] یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کرتا ہے اس کا سبب انبیاء علیہم السلام کو بتایا ہے پھر ان کا کام اپنا کام بتاتا ہے کما ہو مذہبنا ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

بلند ہوتا ہے۔

ف : الشرعۃ میں ہے کہ العریف بروزنِ فعل بمعنے مفعول ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی برادری کا سردار اور اُن کے جملہ امور کا ذمہ دار ہو اور اپنی برادری اور قوم کی ضروریات کے متعلق حاکمِ وقت کو آگاہ کرے (جیسے دورِ حاضرہ میں اسمبلی وغیرہ کے ممبر) اور "یہ رئیس" سے درجہ میں کم ہوتا ہے (جیسے آج کل کے ممبر جو وزراء سے درجہ میں کم ہیں)

خلاصہ یہ کہ عرافۃ سیادۃ کے ہم وزن اور ہم معنیٰ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ "العرافۃ حق یعنی قوم کی سرداری کرنا شرعاً جائز ہے بلکہ امور کی اہمیت کے پیشِ نظر عرفاء کا ہونا لازمی امر ہے لیکن بہت سی برادریوں کے سردار جہنم میں ہوں گے۔"

خلاصہ یہ کہ قوم کی سیادت (نمائندگی) شرعاً جائز ہے اس لیے کہ اس طرح سے اُن کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور اُن کے امور کا نظام صحیح رہتا ہے اور لوگوں کو بھی سہولت ہوتی ہے اور ان میں بعض سرداروں کا جہنمی ہونا اس معنی پر ہے کہ اکثر لوگ اس میں ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اگر وہ ظلم و ستم سے ہٹ کر عدل و انصاف سے کام لیں تو پھر بہشت میں بہت بڑے درجات و مراتب سے نوازا جائیگا۔ لیکن چونکہ اکثر ان میں ظالم اور ستمگار ہوتے ہیں اس لیے حضور علیہ السلام نے لاکثر حکم الکل کی بناء پر فرمایا کہ العرفاء فی النار۔ کذا فی شرح المصابیح۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ریاست بدست کسانے خطاست — کہ از دستشاں دستہا بر خداست
مکن ناتوانی دل خلق ریش — وگر میکنی میکنی بیخ خویش
نماند ستمگار بد روزگار — بماند برو لعنت پائیدار
مہا زور مندی مکن بر کہاں — کہ بر یک نمط می نماند جہاں
دل دوستاں جمع بہتر کہ گنج — خزینہ تہی بہ کہ مردم برنج
بقومی کہ نیکی پسندد خدائے — دہد خسرو عادل نیک رائے
چو خواہد کہ ویراں کند عالمے — کند ملک در پنجۂ ظالمے

توجمہ : (۱) افسری (حکومت) اس شخص کے ہاتھ میں دینا خطا ہے کہ جس کے ہاتھ (ظلم) سے خدا تعالیٰ کے آگے (بددعا کرتے) ہوں۔

(۲) حتی الامکان کسی کا دل زخمی نہ کر، اگر کرتا ہے تو (سمجھ لے کہ) اپنی جڑ کاٹ رہا ہے۔

(۳) ظالم بد دنیا میں نہ رہے گا (مگر) اس پر ہمیشہ لعنت (برستی) رہے گی۔
(۴) اے سردار غریبوں (چھوٹوں، ماتحتوں) پر ظلم نہ کر، کیونکہ جہان ایک طریقے پر نہیں رہتا۔
(۵) دوستوں کا دل خوش رکھنا خزانہ سے بہتر ہے، خزانہ خالی ہو جائے بہتر ہے، لوگ رنج میں نہ ہوں۔
(۶) جس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی پسند کرتا ہے اسے عادل نیک بادشاہ عطا کرتا ہے۔
(۷) جب چاہتا ہے کہ فلاں ملک ویران ہو تو اس ملک کو ظالم کے پنجے میں گرفتار کر دیتا ہے۔

وَقَالَ اور اللہ تعالیٰ نے صرف نبی سے فرمایا کیونکہ اس وقت ترغیب و ترہیب کے صرف وہی محتاج تھے **اِنِّیْ مَعَکُمْ** بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت علم و قدرت اور نصرت کے لحاظ سے ہوتی ہے یعنی میں تمہارا کلام بہت زیادہ سُنتا اور تمہارے اعمال کو دیکھتا اور تمہارے دل کے راز جانتا ہوں اس بنا پر میں تمہارے اعمال کی تمہیں جزا و سزا دوں گا۔ یہاں پر کلام ختم کر کے آگے صرف شرط سے جملہ شرطیہ لایا گیا ہے تاکہ بنی اسرائیل اس شرط پر پورے اُترے تو انہیں بہترین صلہ نصیب ہوگا۔ **لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ** اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے تمام پیغمبروں پر ایمان لائے۔ لئن اقمتم الخ کی لام قسم محذوف کی تمہید کے لیے ہے **وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ** اور اگر تم نے انبیاء علیہم السلام کی عزت اور احترام کیا اور اُن کے دین کی امداد کی اور ان کے دینی امور میں تقویت پہنچائی۔ تعزیر کا حقیقی معنی الذب یعنی المنع والدفع ہے۔ اس وجہ سے شرعی حدود کو تعزیر سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس سے مجرم کو آئندہ غلطیوں کے ارتکاب سے روکا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو دشمن سے کوئی شخص بچائے تو اس کے لیے بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: عزرت فلانا یعنی میں نے اس سے وہ سلوک کیا ہے کہ اس سے وہ قباحت دُور ہو گئی جس کے ارتکاب سے اس کی مذمت ہوتی۔ **وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ** اور تم نے اللہ کو قرض دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی کار خیر میں خرچ کریں اور صدقات و خیرات دیں اس سے معلوم ہوا کہ اس سے زکوٰۃ مراد نہیں اس لیے کہ اس کی ادائیگی تو واجب ہے **قَرْضًا حَسَنًا** قرض حسن دیں۔ قرض حسن سے وہ صدقات مراد ہیں جو حلال، پسندیدہ اور بہترین مال سے دیئے جائیں دلی رغبت سے نہ کہ اکراہاً و اجباراً، اور خلوص سے کہ اس میں ریاء اور شہرت کو ہرگز دخل نہ ہو اور نہ ہی دے کر کسی کا دل دُکھایا جائے، اور اس کا منصوب ہونا بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے کیونکہ وہ اسم مصدر بمعنے اقراضاً کے ہے جیسے انبتها نباتاً حسناً میں نباتاً بمعنے انباتاً ہے یا قرضاً

مفعول بہ ہے جبکہ اسے مصدر نہ بنایا جائے بلکہ ایسے مال کا نام ہو جو بطور قرض کے دیا جائے لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ البتہ میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔ یہ قسم کا جواب ہے یعنی قسم محذوف ہے جس پر لام دلالت کرتی ہے اور یہی شرط کی جزا کے قائم مقام بھی ہے وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ البتہ میں تمہیں بہشت کے باغات میں داخل کروں گا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جن کے نیچے نہریں یعنی ان کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ انھٰر سے چار نہریں مراد ہیں۔

سوال : بہشت کی خوشخبری کو موٴخر کیوں کیا گیا ؟

جواب :۔ اس لیے کہ پہلے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سنائی گئی اس طرح سے بندہ کی صفائی ہو گئی، پھر بہشت کا مژدہٴ بہار سنایا گیا۔ اس طرح اسے گویا زیورات سے مزین کیا گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ پہلے صفائی ہوتی ہے پھر تزئین۔

فَمَنْ كَفَرَ پس جو شخص میرے پیغمبران عظام سے کفر کرتا ہے۔ اسی طرح اس سے قبل جتنے امور کا ذکر فرمایا ہے اس ترتیب سے انکار کے امور کا بیان فرمایا تاکہ ترغیب و ترہیب کی مناسبت پوری ہو بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی ان شرائط کے بعد کہ جن کی سخت تاکیدیں کی گئیں اُن کے نہ کرنے پر سخت سزا اور کرنے پر بہترین جزاء کہ جن سے ایمان کو تقویت حاصل ہو مِنْكُمْ فعل محذوف کے فاعل سے حال ہے یعنی تم میں سے جو بھی ان شرائط پر عمل نہ کرے گا فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ پس بے شک وہ سیدھے راستہ سے واضح طور پر بھٹک گیا اور وُہ بہت غلط روی کا شکار رہا۔ اس پر اس کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا بخلاف اس کے جو اس سے قبل غلطی کا مرتکب ہوا، اس لیے کہ اس کی وہ غلطی بوجہ اشتباہ کے تھی اور ایسے آدمی کا عذر بھی مسموع ہو سکتا ہے۔

عُوج بن عنق اور اسرائیل کا واقعہ جب بنی اسرائیل فرعون کے غرق ہونے کے بعد مصر میں رہنے سہنے لگے تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اریحا جو شام میں واقع ہے کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس اریحا کو ارضِ مقدس سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے متعلق ہزار دیہات تھے اور ہر دیہہ[1] میں ہزار ہزار باغات تھے، ان میں کنعانی جبّارین مقیم تھے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے وہاں کی سکونت مقرر فرمائی ہے تم وہاں چلے جاؤ اور ان جبارین سے جہاد کر کے انہیں وہاں سے نکال دو۔ اُن کی بڑی قوت و طاقت کے نہ رُعب میں آنا اور نہ ہی خوف کھانا اس لیے کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ان کی قوم میں بارہ[12] سردار

---

[1] دیہہ، دیہات کا واحد یعنی گاؤں۔

مقرر فرمائیں جو کہ ہر برادری کا علیحدہ علیحدہ نمائندہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیانت دار ہو اور ان سب کی ذمہ داری اسی کے سپرد ہو اور جو احکام صادر کیے جائیں ان کا اجرا ان کے سرداروں کے ذمہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنے بارہ سردار منتخب کیے اور ان سرداروں نے اپنی اپنی برادری کی کفالت کا ذمہ لیا اور چل پڑے۔ جب ارضِ کنعان کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو جاسوسی کے طور پر ارضِ کنعان میں بھیج دیا تاکہ معلوم کریں کہ ان کا چال چلن کیسا ہے۔ انہوں نے کنعانیوں کو دیکھ کر حالات سنائے کہ وہ بڑے بڑے موٹے اور قد آور لوگ ہیں اور بہت طاقت ور ہیں۔ وہ سردار کنعانیوں کے یہ حالات دیکھ کر گھبرا گئے اور آتے ہی تمام حالات اپنی برادری میں پھیلا دئے، حالانکہ انہیں موسیٰ علیہ السلام نے روکا تھا کہ ان کے حالات اپنی اپنی برادری کو نہ بتانا۔ لیکن انہوں نے عہد شکنی کی، صرف دو حضرات اس معاہدہ پہ مستحکم رہے:

(۱) حضرت کالب بن یوقنا جو کہ یہودا کی اولاد کے نقیب تھے۔

(۲) یُوشع بن نُون جو افرائیم بن یوسف صدیق علیہ السلام کی اولاد کے سردار تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب یہ سردار کنعانیوں کی طرف جاسوسی کرنے جا رہے تھے تو راستہ میں انہیں عوج بن عُنق ملا جس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس (۳۳۳۳) گز لمبا تھا اور اس نے تین ہزار سال دنیا میں زندگی بسر کی، اس کا قد بادلوں سے آگے بڑھا ہوا تھا، پانی کی ضرورت پڑتی تو اسی بادل سے پانی لے لیتا تھا، آسمان پہ چلنے والے دریا سے مچھلی لے کر سورج کی حرارت سے اسے بھون کر کھا لیتا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں طوفان اُٹھا تو زمین کے چپّے چپّے پر پھیل گیا اور پہاڑوں کو ڈبو دیا۔ عوج بن عُنق ایک پہاڑی پہ کھڑا ہو گیا جسے طوفان کا پانی صرف گھٹنوں تک پہنچا، اس کی ماں کا نام عُنق تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی بیٹی تھی وہ بھی اتنی ہی جسیم تھی کہ اس کے بیٹھنے کے وقت وہ زمین کے پُورے ایک جریب کو گھیر لیتی تھی۔ بنی اسرائیل کے یہ سردار جب جا رہے تھے تو عوج بن عنق نے ان بارہ سرداروں کو پکڑ کر اپنی جمع کردہ لکڑیوں کے گٹھے میں باندھ لیا اور لے جا کر اپنی عورت کے آگے دے مارا اور کہنے لگا یہ ہیں وہ جو ہمارے ساتھ جنگ کرنے آئے ہیں، اور پھر اپنی عورت سے کہا کہ میں انہیں پیروں کے نیچے دبا کر پیستا ہُوں۔ عورت نے کہا: انھیں چھوڑ دیجئے تاکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بتائیں۔

جبابرہ کا مختصر تعارف

مروی ہے کہ عوج بن عنق نے ان تمام سرداروں کو پکڑ کر اپنی آستین میں چھپا لیا اور انہیں لے جا کر بادشاہ کے آگے ڈال دیا۔ بادشاہ

نے کہا : اے سردارو ! تم واپس چلے جاؤ اور اپنی قوم کو ہمارے ساتھ لڑنے سے باز رکھو ورنہ وہ ہمارے مقابلہ میں پس جائیں گے ۔ ان کی ہر شئ بنی اسرائیل کے لیے موجبِ دہشت بنی ۔ چنانچہ منقول ہے کہ باغات کے انگوروں کا ایک گُچھا اتنا بھاری تھا کہ اسے چار یا پانچ آدمی لکڑی پر رکھ کر اُٹھاتے ۔ ان کے انار کے ایک چھلکے میں اتنی وسعت تھی کہ اس میں پانچ آدمی بآسانی چُھپ کر بیٹھ سکتے تھے ۔ اسی طرح ان کے ہر ہر معاملہ کو بنی اسرائیل کے نمائندوں نے دیکھا اور واپس چلے گئے ۔ آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا کہ یہ حالات سوائے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے کسی کو نہ بتانا ، وہ جیسے چاہیں گے کرینگے ۔ ایک دوسرے سے پختہ معاہدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہُوئے ان کے جبابرہ کے باغ کے انگور کا صرف ایک دانہ موجود تھا جس کا بوجھ ایک اُونٹ کے برابر تھا ۔ واپسی پر کالب و یوشع کے سوا سب نے معاہدہ توڑ دیا اور اپنی اپنی قوم کو جبابرہ کی لڑائی سے روک دیا اور جبابرہ کی تمام قوت و طاقت کی سب کو خبر دے دی ۔

عُوج بن عُنق کی ہلاکت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر کئی میلوں تک پھیلا ہُوا تھا ۔ عُوج بن عُنق جبابرہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کا معائنہ کرنے کے لیے آیا ۔ لشکر کو دیکھ کر پہاڑ سے لشکر کے طول و عرض کے مطابق ایک ٹکڑا اٹھایا تاکہ یک دم ان پر وہ پتھر دے مارے اور سب کے سب فنا ہو جائیں ۔ جب وُہ پہاڑی کا ٹکڑا سر پر رکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو فنا کرنے کے لیے چل پڑا تو اللہ تعالیٰ نے ہُدہُد کو حکم دیا کہ عُوج بن عنق کے سر پر رکھے ہوئے پتھر میں سوراخ کر دے ۔ جب ہُدہُد نے اس پتھر میں سوراخ کیا تو وہی پتھر عوج بن عنق کے گلے کا ہار بن گیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک دس گز اور آپ کے عصا مبارک کا طول بھی دس گز تھا (اور آپ دس گز اونچی پہاڑی پر کھڑے تھے) آپ نے اپنا عصا مبارک عوج بن عنق کو مارا تو اس کے ٹخنے تک پہنچا بمجرد عصا مبارک کے لگنے کے عُوج بن عُنق بیہوش ہو کر گر پڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قتل کر دیا ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور ساتھی بھی تھے جن کے پاس خنجر تھے ۔ جب اسے بیہوش ہو کر گرتا دیکھا تو سب نے یکبارگی حملہ کر دیا جس سے عوج بن عنق مارا گیا ۔

سبق : اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کی اس طرح مدد فرماتا ہے جو عقل و قیاس میں نہیں آ سکتی ۔ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں ہوتی ہیں ۔

ابدالِ اُمّت کا اثبات

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے بوجہ مخلوق کی ضرورت کے بارہ[۱۲] نقباء مقرر فرمائے تاکہ لوگ بوقتِ ضرورت اُن کی طرف رجوع کر سکیں اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّت میں بھی ہر زمانہ میں چالیس[۴۰] اولیاء مقرر فرمائے جنہیں ابدال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

یکون فی الامۃ اربعون علی خلق ابراھیم وسبعۃ علی خلق عیسی وواحدۃ علی خلقی۔	میری اُمّت میں چالیس ایسے مرد ہوتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت پر اور سات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر اور ایک میری سیرتِ مبارکہ پر۔

وہ اپنے اپنے مقامات ومراتب پر مشرف ہوتے ہیں اور وہ اس امت کے امین ہیں۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بھم ترزقون وبھم تمطرون وبھم یدفع اللہ البلاء۔	ان کے طفیل تمہیں روزی ملتی ہے اور انہی کے صدقے جنگوں میں فتحیاب ہوتے ہو انہی کے طفیل تمہیں بارش نصیب ہوتی ہے اور انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دُور فرماتا ہے۔

ف: حضرت ابوعثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ابدال چالیس ہیں اور اُمناء سات اور خلفاء من الائمہ تین اور ان میں ایک قطب ہوتا ہے جسے ان تمام کے متعلق پُورے معلومات ہوتے ہیں اور وہ ان سب کا نگران ہوتا ہے لیکن انہیں اس کا علم نہیں ہوتا۔ وہ ان تینوں ائمہ میں خلفاء کا امام ہوتا ہے وہ انہیں جانتا ہے لیکن وہ اسے نہیں جانتے۔ اسی طرح پھر ان ساتوں امناء کو وہی تین جانتے ہیں۔ لیکن وہ سات ان تینوں کو نہیں جانتے۔ اسی طرح وہ ساتوں امناء ان چالیس ابدال کو جانتے ہیں لیکن وہ ان امناء کو نہیں جانتے۔ اور وہ چالیس ابدال دنیا کے تمام اولیاء کرام کو جانتے ہیں۔ لیکن اولیاء کرام ان ابدال کو نہیں جانتے۔ جب ابدال میں سے کوئی ایک کم ہوتا ہے تو عام اولیاء میں سے ایک کو اس کی جگہ پر مقرر کیا جاتا ہے۔ اور جب ان ساتوں امناء میں سے ایک کم ہوتا ہے تو ابدال میں سے ایک لے لیا جاتا ہے۔ اور جب قطب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو امناء میں سے

ایک کو لیا جاتا ہے اور اسی قطب سے نظامِ عالم کو وابستگی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ قطب نگرانی کرتا ہے اور اس کے ماتحت جو ائمہ ہیں ان میں دائیں جانب والا عالمِ ارواح کا محافظ ہے۔ اور اوتاد اربعہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی نگرانی کرتے ہیں اور سات ابدال تمام اقالیم کے علوی و سفلی کرّوں کی حفاظت کرتے ہیں (کتاب العظمۃ للشیخ الاکبر قدس سرہٗ)

ف: (حضرت اسماعیل حقی صاحب رُوح البیان قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ) میں نے اپنے شیخ کامل رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا کہ جب قطب الوجود اس دنیا سے مستقل ہو کر دارِ آخرت میں تشریف لے جاتا ہے تو بائیں جانب والا خلیفہ اس کا قائم مقام مقرر کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہی فرشتہ اس کی دائیں جانب ہوتا ہے جب وہ قوم کی طرف منہ کر کے بات کرتا ہے تو اسی طرف اشارہ ہے باری تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کا و اصحٰب المیمنۃ مااصحٰب المیمنۃ و اصحٰب المشئمۃ ما اصحٰب المشئمۃ۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ ما نافیہ ہے۔ بائیں جانب والے اہلِ جلال و فنا اور دائیں جانب والے اہلِ جمال و بقا ہیں۔

سبق: اس عجیب و غریب راز و رموز کو پورے طور پر یاد کیجئے اس لیے کہ اسے وہ یاد رکھتا ہے جو صاحبِ ذوق اور بندۂ حق ہوتا ہے وہ منکر اور اولیاء کی شان سے غافلِ حق سے کوسوں دور ہے۔

؎

بسر وقت شان خلق کے رہ برند
کہ چوں آب حیوان بظلمت درند

ترجمہ: ان کے حالات (اسرار) پر کون آگاہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ (اولیاء) آبِ حیات کی طرح تاریکی میں ہیں۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

سخن عشق با خرد گفتن
بر رگ مردہ نیشتر زدنست

ترجمہ: عشق کی بات عقل کو کہنا ایسے ہے جیسے مُردے کو نشتر مارنا۔

تفسیرِ صوفیانہ لئن اقمتم الصّلوٰۃ سے نماز کی مداومت مراد ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنی نمازوں کو معراج الی الحق بناؤ کہ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کیلئے ترقی کرتے جاؤ یہاں تک کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہو، جیسے یومِ میثاق میں مشاہدہ ہُوا۔ یاد رہے کہ اس معراج کے چار درجات ہیں :

۱۔ قیام
۲۔ رکوع
۳۔ سجود
۴۔ تشہد

جس قدر رسائی ہوتی ہے اسی قدر بندے کو ترقی نصیب ہوتی ہے اور یہ درجات عالم علوی سے نازل ہوئے انہیں حق تعالیٰ کا قرب نصیب تھا۔ صرف ہمارے لیے اعلیٰ علیین سے اسفل سافلین کی طرف نزولِ اجلال فرمایا۔ اسفل سافلین سے انسانی قالب مراد ہے جسے اربع عناصر سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ انہی سے انسانی ڈھانچہ کی ترکیب ہُوئی۔ پھر اُن سے جتنی اشیار تیار ہُوئیں وہ بھی چار قسم ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے کئی ظلمات و حجابات ہیں جو مشاہدۂ حق سے حاجب ہوتے ہیں ان اربع عناصر کے اقسام یہ ہیں :

۱۔ جمادیہ، اس کی خاصیت تشہد ہے۔
۲۔ نباتیہ، اس کی خاصیت سجدہ ہے۔
۳۔ حیوانیہ، اس کی خاصیت رکوع ہے۔
۴۔ انسانیہ، اس کی خاصیت قیام ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے تمام حجابات انسانی سے پاک اور صاف ہو، اور اس کے سب سے بڑے گندے اوصاف میں تکبّر ہے اور تکبّر کا خاصہ نا رہے۔ اور رکوع میں اشارہ ہے کہ سالک صفاتِ حیوانیہ سے نجات حاصل کرنے اور حیوانات کے سب سے گندے اوصاف میں سے شہوت ہے اور یہی ہوا کا خاصہ ہے۔ اور سجدہ سے اشارہ ہے کہ نباتیہ کی طبیعت سے جان چھڑائے اور اس کے قبیح ترین صفات سے یہ ہے کہ نباتیہ چاہتی ہے کہ جلدی سے اشیار کو اپنے گھیرے میں لے لے اور خود آگے بڑھ جائے یہ پانی کا خاصہ ہے اور تشہد میں اشارہ ہے کہ جمادیہ کی طبیعت سے چھوٹے اور جمادیت کی سب سے بڑی گندی عادت ہے بے حس و حرکت ہو کر رہنا، یہی مٹی کا

خاصہ ہے یا رہے کہ انہی اوصاف سے بشریت کے تمام صفات پروان چڑھتے ہیں۔ جب انسان اور عادات و خصائل اور ان کے حجابات سے نجات پالیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی جوار کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے قربت نصیب ہوتی ہے اور اس سے تمام حجابات اُٹھ جاتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے باریاب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اعبد اللّٰہ کانک تراہ۔ — اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ پس بوجہ ان کی عہدشکنی کے۔ ان کی عہدشکنی یہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد انہوں نے رسل کرام علیہم السلام کو شہید کر ڈالا اور آسمانی کتب میں تحریف اور احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کی۔ اور فبما میں کلام کی تاکید ہے اور مضبوط کرنے کی وجہ سے ما زائدہ ہے لَعَنّٰهُمْ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا، یا ہم نے انہیں بندر وخنزیر بنا دیا، یا ہم نے ان پر جزیہ قایم کر کے ذلیل وخوار کیا وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اور ہم نے انہیں ایسا سخت دل بنایا کہ وہ آیات اور وعیدوں کو کچھ نہ سمجھے۔ حجر قاسیہ اس پتھر کو کہا جاتا ہے جس میں نرمی بالکل نہ ہو يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو اپنے مقام سے بدل ڈالتے تھے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے، ان کی سخت دلی کا بیان کرنا مطلوب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنے اور اس پر افتراء بازی سے سخت تر قسوۃ قلبی اور کیا ہوسکتی ہے۔ تحریف سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پاک کی تبدیلی یا مضامین کی بے جا تاویل مراد ہے اس کا مفصل بیان سورۃ بقرۃ میں گزرا ہے وَنَسُوْا حَظًّا اور انہوں نے اپنا بہت بڑا وافر حصہ ضائع کر دیا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ جس کی انہیں نصیحت کی گئی یعنی تورات سے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے رُوگردانی کر کے اپنا وافر حصہ ضائع کر دیا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ انھوں نے تورات میں تحریف کی اور جو کچھ ان پر نازل ہوا انہوں نے ضائع کر دیا کہ انھیں کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ انہوں نے تورات میں تحریف کی جس کی نحوست یہ ہوئی کہ بہت سی باتوں کو انہوں نے بھلا دیا۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گناہ کی نحوست سے انسان کو بہت سی

نیک باتیں بھول جاتی ہیں۔ اس کی دلیل میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔

اعجوبہ اللہ تعالیٰ نے امیہ بن ابی الصلت سے علم چھین لیا حالانکہ وہ بہت فصیح و بلیغ شاعر تھا۔ مروی ہے کہ ایک وقت وہ سو رہا تھا کہ ایک پرندے نے آکر چونچ اس کے منہ میں ڈالی اور اُڑ گیا۔ جب جاگا تو وہ تمام علوم و فنون بھول چکا تھا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نہ من زبے علمی در جہاں علوم و بس
ملالت علماء ہم زعلم بے عملست

تفسیر صوفیانہ ہر زمانے میں باعمل علماءِ کرام و مشائخ عظام یوم میثاق اور اُن سے اللہ تعالیٰ کا جو خطاب ہوا تھا اسے یاد کرتے آئے اور انہیں اس خطاب کی ہر وقت مستی اور وجد رہتا تھا اور اسی شوق میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اس خطاب کو سُن کر بہت سے حضرات آج کی دُنیا و آخرت سے رُوگرداں رہتے ہیں۔ پھر وہ اس روش سے اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز بن جاتے ہیں۔ انہیں مقبول درگاہ کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا سرچشمہ بھی وہی ہوتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے روگرداں بھی ہوتے ہیں جو اپنے مولیٰ سے منہ پھیر کر دُنیا کے امور میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے مولیٰ سے کسی قسم کا واسطہ نہیں رہ جاتا۔ یہی وہ ہیں جو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے انہیں مردود و ملعون کہا گیا انہوں نے ہی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے توڑ ڈالے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) بے وفائی چوں سگاں را عار بود — بے وفائی چوں روا داری نمود
(۲) حق تعالیٰ فخر آورد از وفا — گفت اوفیٰ بعھد غیرنا

ترجمہ: (۱) جب کتوں کو بے وفائی عار ہے تو پھر تو کیوں بیوفائی کو روا رکھتا ہے۔
(۲) حق تعالیٰ کو وفاء پر فخر ہے چنانچہ خود فرمایا کہ میں اپنے غیر کا عہد پورا کرتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اور آپ ہمیشہ اُن کی خیانت سے مطلع ہوتے رہتے ہیں۔ خائنۃ، لاغیۃ کاذبۃ کی طرح مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لاتسمع فیھا لاغیۃ۔ یہاں پر لاغیۃ بمعنے لغوٌ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھوکا اور خیانت اُن کی عادت بن چکی ہے اور نہ صرف اُن کی عادت ہے بلکہ اُن کے اکابر بھی یونہی تھے کہ دھوکا بازی دغداری ان کی عادت بن چکی تھی یا یہ معنیٰ ہے کہ اگرچہ وہ لوگ اپنی خیانت اور دھوکا بازی کو لاکھ چھپائیں لیکن آپ کو معلوم ہو جاتا ہے اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ہاں ان میں بہت تھوڑے ہیں جو خیانت نہیں کرتے۔ ان سے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی مراد ہیں، یہ خائنۃ منھم

کی ضمیر مجرور سے مستثنیٰ ہے فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ پس انہیں معاف فرمائیے اور ان کی سزا اور گرفت سے درگزر فرمائیے بشرطیکہ وہ ایمان لائیں اور سچے دل سے تائب ہوجائیں یا آپ سے پکّا معاہدہ کریں اور جزیہ ادا کریں تو آپ اُن سے درگزر فرمائیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ آیت، آیت السیف سے منسوخ ہے۔ آیت سیف قاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰہ ولا بالیوم الاٰخر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے، درگزر کرنیکا حکم دے کر اب اس کی علّت بتائی گئی ہے اور اس میں فرمانبرداری کی طرف ترغیب بھی مطلوب ہے اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ جب ایک کافر خائن سے درگزر کرنا مستحسن ہے تو پھر اس کے غیر سے تو بطریق اولیٰ درگزر کرنا چاہیئے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) عدو را بہ الطاف گردن بہ بند — کہ نتواں بریدن بتیغ و کمند
(۲) چو دشمن کرم بیند و لطف وجود — نیاید دگر خبث از و در وجود
(۳) وگر خواجہ با دشمنان نیک خوست — بسی بر نیاید کہ گردند دوست

ترجمہ: (۱) دشمن کی گردن الطاف سے باندھ کیونکہ یہ تلوار و کمند سے نہیں کاٹی جا سکتی۔
(۲) جب دشمن لُطف و کرم اور جُود دیکھے گا پھر اس کے وجود سے خباثت نہ آئیگی۔
(۳) اگر سردار دشمنوں کے ساتھ خوش خلق ہے تو دیر نہ ہو گی تو وہ دوست بن جائینگے۔

ف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکارمِ اخلاق کے جامع تھے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ و اوصاف جمیلہ کا بیان واصفین کے دائرۂ امکان سے باہر ہے۔

حکایت مثنوی در خلق نبوی: مثنوی شریف میں مولانا روم قدس سرہٗ کی حکایات میں سے ایک یہ ہے: ؎

کافران مہمان پیغمبر شدند — وقت شام ایشان بمسجد آمدند
گفت اے یاران من قسمت کنید — کہ شما بر از من و خوے منید
ہر یکے یاری یکے مہمان گزید — درمیان یک زفت بود و بی ندید
جسم ضخمی داشت کس او را نبرد — ماند در مسجد چو اندر جامہ درد
مصطفےٰ بردش چو واماند از ہمہ — ہفت بز شیرده بر در رمہ

که مقیم خانه بودندے بزان ‌‌ بهر دوشیدن برائے وقت خوان

نان و آش و شیر آن هر هفت بز ‌‌ خورد آن بوقحط عوج ابن غز

جمله اهل بیت خشم آلو شدند ‌‌ که همه در شیر بز طامع شدند

معده طبلے خوار همچون طبل کرد ‌‌ قسم هجده آدمی تنها بخورد

وقت خفتن رفت و در حجره نشست ‌‌ پس کنیزک از غضب در را ببست

از برون زنجیر در را در فگند ‌‌ که ازو بد خشمگین و دردمند

گبر را از نیم شب تا صبحدم ‌‌ چون تقاضا آمد و درد شکم

از فراش خویش سوئے در شتافت ‌‌ دست بر در چو نهاد او بسته یافت

در گشادن حیله کرد آن حیله ساز ‌‌ نوع نوع و خود نشد آن بند باز

شد تقاضا بر تقاضا خانه تنگ ‌‌ ماند او حیران و بے درمان و دنگ

حیله کرد و او بخواب اندر خزید ‌‌ خویشتن در خواب در ویرانه دید

زانکه ویرانه بد اندر خاطرش ‌‌ شد بخواب اندر همانجا منظرش

خویش در ویرانهٔ خالی چو دید ‌‌ او چنان محتاج و اندر دم برید

گشت بیدار و بدید آن جامه خواب ‌‌ پر حدث دیوانه شد از اضطراب

گفت خوابم بدتر از بیداریم ‌‌ که خورم آن سو و این سو می ریم

بانگ می زد واثبورا واثبور ‌‌ همچنانکه کافر اندر قعر گور

منتظر که کی شود این شب بسر ‌‌ یا برآید در گشادن بانگ در

تا گریزد او چو تیری از کمان ‌‌ تا نبیند هیچکس او را چنان

مصطفی صبح آمد و در را کشاد ‌‌ صبح آن گمراه را او راه داد

جامه خواب پر حدث را یک فضول ‌‌ قاصدا آورد در پیش رسول

که چنین کرد ست مهمانت ببین ‌‌ خندهٔ زد رحمة للعالمین

که بیار آن مطهره اینجا به پیش ‌‌ تا بشویم جمله را با دست خویش

او بجد می شست آن احداث را ‌‌ خاص ز امر حق نه تقلید و ریا

کز دلش می گفت کین را تو بشو ‌‌ که در اینجا هست حکمت تو بتو

کافرک را هیکلے بد یادگار ‌‌ یاوه دید آن را و گشت او بیقرار

گفت آن حجرہ کہ شب جاداشتم | ہیکل آنجا بے خبر بگذاشتم
گرچہ شرمین بود شرمش حرص برد | حرص اژدرہاست بی چیزست خرد
از پی ہیکلش تاب اندر دوید | در وثاق مصطفیٰ وانرا بدید
کان ید اللہ ان حدث راہم بخود | خوش ہمی شوید کہ دورش چشم بد
ہیکلش ازیاد رفت و شد بدید | اندر وشوری گریبانرا درید
می زد او دو دست را بر رو وسر | کلہ را میکوفت بر دیوار و در
انچنانکہ خون زبینی و سرش | شد روان و رحم کرد ان مہترش
چون زحد بیرون بارزید و طپید | مصطفیٰ اش درکنار خود کشید
ساکنش کرد و بسی بنواختش | دیدہ اش بکشادہ داد اشناختش
آب بر روزد در آمد در سخن | کی شہید حق شہادت عرضہ کن
گشت مؤمن گفت اورا مصطفیٰ | کامشب ہم باش و تو مہمان ما
گفت واللہ تا ابد ضیف توام | ہرکجا باشم بہر جا کہ روم
یا رسول اللہ رسالت را تمام | تو نمودی ہمچو شمع بے غمام

ترجمہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں مسجد میں شام کے وقت چند کافر مہمان ہوئے آپ نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ ایک ایک کافر کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ان کی خوب خاطر تواضع کرو۔ تمام مہمان کافروں کو صحابہ کرام لے گئے ان میں سے ایک رہ گیا جو بہت جسیم اور فربہ اور بسیار خور تھا، اسے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس ٹھہرالیا۔ سات بکریاں گھر میں تھیں وہ سب کا دودھ پی گیا اور سب گھروالوں کا طعام چٹ کر گیا جیسے قحط کے زمانے میں عوج ابن عنق نے طعام کھایا تھا۔ سب اہلِ خانہ اس کے اس فعل پر سخت نالاں تھے۔ کھا کھا کر اس کا پیٹ طبل کی طرح ہوگیا وہ اٹھارہ آدمیوں کا کھانا تنہا کھاگیا سونے کے وقت حضور علیہ السلام نے اپنی کنیز سے فرمایا اسے فلاں حجرے میں سُلادو۔ کنیز نے اُسے سُلاکر باہر تالا لگادیا تاکہ اسے زیادہ طعام کھانے کی سزا ملے۔ چنانچہ وہ حجرے میں سوگیا لیکن چند گھنٹے بعد اس کے پیٹ میں درد اٹھا اور اسے پاخانہ پھرنے کی حاجت ہوئی۔ دروازہ بند تھا، مجبور ہوگیا۔ اس نے بہت شور مچایا۔

کسی نے دروازہ نہ کھولا، وہ بے قرار و مضطرب ہو کر سو گیا، خواب میں ویرانے اور جنگلات کے تصوّرات میں کھو گیا اور سمجھا کہ وہ کہیں جنگل میں پاخانہ کر رہا ہے۔ بیدار ہوا تو اپنی اس قبیح حرکت پر سخت نادم ہوا۔ صبح کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازہ کھولا تو وہاں آنکھ چُرا کر وہاں سے بھاگ گیا۔ حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہُوئے تو خادم نے رات والے کافر مہمان کی رپورٹ پیش کی کہ اس نے بستر کو غلاظت سے بھر دیا ہے۔ آپ نے اسے لے آؤ تاکہ اس غلاظت کو مل کر دھو ڈالیں۔ خادم بستر کو لے آیا۔ آپ اپنے ہاتھوں سے اس بستر کو دھوتے جا رہے تھے اور خادم پانی ڈال رہا تھا، اور یہ حکمِ ایزدی پر مبنی تھا کہ آپ ایسے کریں تو دین کا فائدہ ہے۔ اس کافر کو شہر سے باہر نکل کر یاد آیا کہ جہاں سویا تھا وہاں اس کا یادگاری ہیکل رہ گیا۔ چونکہ وہ ہیکل اسے جان سے پیارا تھا اس لیے مجبوراً لَوٹا تو دیکھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم غلاظت سے بھرے بستر کو خود اپنے مبارک ہاتھوں سے دھو رہے ہیں۔ یہ حالت دیکھتے ہی وُہ کافر زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا: قربان جاؤں آپ مجھ جیسے گندے بندے کی غلاظت کو کیوں دھو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے دین کے اخلاق کے یہی تقاضے ہیں۔ اس کافر نے کہا: تو پھر مجھے کلمۂ شہادت پڑھا دیجئے۔ آپ نے اُٹھ کر اُسے گلے سے لگا لیا اور اسے اسلام سے مشرف فرمایا اور اسے ارشاد ہوا کہ آج کی شب ہمارے ہاں ٹھہریئے تاکہ ہم تمہاری خدمت کریں۔ عرض کی: سرکار! اب تو میں جہاں بھی ہُوں گا آپ کی نوازشات سے پرورش پاؤں گا۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ أَخَذْنَا مِيثَٰقَهُمْ اور ان میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصارٰی ہیں ہم نے اُن سے یعنی اُن کے اکابر سے یہود کے اکابر کی طرح عہد لیا تھا اور یہ مِن، اخذنا کے متعلق ہے اس کی متعلق سے تقدیم اہتمام کی وجہ سے ہے۔

سوال: من النصارٰی کہنا چاہئے تھا انّا نصارٰی کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: وہ خود اپنا نام نصارٰی رکھتے تھے اس لیے اُن کا دعوٰی تھا کہ صرف انہیں نصرتِ الٰہی حاصل ہے، اپنے دعوے کی دلیل عیسٰی علیہ السلام کے اس قول سے پیش کرتے تھے کہ انہوں نے فرمایا نحن انصار اللہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالٰی نے ہی انھیں نصارٰی سے موصوف فرمایا ہے۔

ف : اُن سے عہد لینے سے یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں ان سے وعدہ لیا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنا اور ان کے فضائل ومناقب اور اوصاف عوام سے بیان کرنا۔

فَنَسُوْا حَظًّا پھر انہوں نے اپنے بہتر فریضہ کو بھلا دیا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ اس میں سے جس کی انہیں نصیحت کی گئی کہ عہد وپیمان کو یاد کرکے ایمان کو تازہ کریں اور انھیں اعمال صالحہ کی زیادہ سے زیادہ رغبت ہو فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ پھر ہم نے ان پر لازم کردیا اور چمٹا دی۔ غری بالشئ سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے کسی کو لازم ہو اور اسے چمٹ جائے۔ اور کہتے ہیں اغراہ یعنی فلاں نے اسے فلاں شئے لازم کردی اور چمٹا دی۔ بینھم (ان کے مابین) اغرینا کے متعلق ہے الْعَدَاوَةَ دشمنی یعنی ایک دوسرے کے قلوب آپس میں ایک دوسرے سے دُور ہوجانا۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے نیّتوں میں تبدیلی آجانا وَالْبَغْضَآءَ اور بُغض اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ تا قیامِ قیامت۔ یہ اغراء کی غایت ہے یا عداوت اور بُغض کی۔ یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض وعداوت میں قیامت تک بھرپور رہیں گے وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں قیامت میں خبر دے گا بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ان کے گندے کردار کی ہم انہیں قیامت میں خبر دیں گے۔

ف : اس میں انہیں سزا کی وعید شدید سنائی گئی ہے یہ محاورہ عرب میں مشہور ہے کہ جو شخص کسی کو ڈراتا دھمکاتا ہے تو اسے کہتا ہے :

ساخبرك بما فعلت۔ یعنی میں تجھے تیرے کئے پر عنقریب بتاؤں گا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے جو عہد شکنی کی اور نصیحت کو بھلایا تو اللہ تعالےٰ انہیں قیامت میں دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ لفظ سوف وعید کی تائید کے لیے ہے۔

سوال : ان کے افعال کو صنع (یصنعون) سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب : انہیں وہ افعال ایسے راسخ ہو گئے تھے کہ گویا وہ افعال اُن کی صنعت ہیں۔

ف : جس شخص نے نصارٰی کے مابین بغض وعداوت ڈالی اس کا نام بولس تھا۔

نصارٰی کے مابین بُغض وعداوت کی ابتداء

بولس نامی شخص کی نصارٰی سے جنگ چھڑی تو اس نے ان کے بہت سے آدمی قتل کردئے۔ اسے خیال آیا کہ ایسی تدبیر سوچی جائے کہ یہ آپس میں لڑ مریں۔ چنانچہ

ایک دن ان کے ہاں یک چشم بن کر حاضر ہوا اور کہنے لگا: جانتے ہو میں کون ہُوں ؟ سب نے کہا ؛ تُو وہی ہے جس نے ہمارے ساتھ لڑائی کی اور ہمارے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ اس نے کہا: اب میں نے غلط کاری سے توبہ کرلی ہے، اس کا سبب یُوں ہُوا کہ آج رات حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے اُترے اور میرے منہ پر بڑے زور سے طمانچہ مارا اور فرمایا کہ تُو نے میری قوم کو سخت ستایا۔ آپ کے طمانچہ سے میری آنکھ پھُوٹ گئی، میں نے ان کے سامنے توبہ کی اب میں تمہارے ہاں حاضر ہوگیا ہُوں تاکہ میں تمہاری دینی خدمات سرانجام دُوں اور تادمِ زلیست عیسٰی علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کی نشر واشاعت کروں۔ سب نے اس کے فریب سے دھوکا کھالیا اور اس کی چکنی چُپڑی باتوں میں آگئے اور اُسے ایک حجرہ تیار کردیا، اُس کا ایک دریچہ رکھا جس سے وہ راز و نیاز کی باتیں بتائے ورنہ اندر ہی اندر عبادت میں مشغول رہے۔ وہ لوگ کبھی کبھی اس کے ہاں حاضر ہوکر اس سے دین کی باتیں سُنتے اور اس کے ارشادات پر عمل کرنے کا دم بھرتے۔ کبھی وہ اس دریچہ سے انہیں بلاکر بظاہر غلط کلمات کہتا لیکن جب وہ قریب پہنچتے تو انہیں ان کلمات کی بہترین توجیہ بتاتا جس سے وہ خوش ہو جاتے۔ اس سے اس کے بہت زیادہ عقیدتمند ہو گئے، پھر جیسے حکم دیتا وہ سرِ تسلیم خم کر دیتا۔ ایک دن انہیں کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہیں سب نے تصدیق کی تو کہا کہ پھر شراب و خنزیر بھی تو انہی اشیاء سے ہیں فلہذا انہیں کھاؤ پیو۔ چنانچہ اس کے کہنے پر شراب اور خنزیر کو کھانا پینا شروع کر دیا اور انہیں اپنے لیے حلال وطیب کرلیا۔ چند روز توقف کے بعد پھر انہیں بلایا اور کہا کہ آج مجھے خصوصی علم عطا ہُوا ہے وہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہُوں۔ جب وہ اس کے گرد جمع ہوگئے تو کہنے لگا کہ سورج کہاں سے طلوع ہوتا ہے ؟ سب نے کہا: مشرق سے۔ پھر پوچھا کہ چاند ؟ سب نے کہا کہ مشرق سے۔ پھر پوچھا کہ ستارے کہاں سے ؟ سب نے کہا مشرق سے۔ پھر پوچھا کہ انہیں کون بھیجتا ہے ؟ سب نے کہا اللہ تعالیٰ۔ اس نے کہا جب اللہ تعالیٰ جہتِ مشرق میں ہے تو پھر اسی طرف منہ کرکے نماز پڑھنی چاہیے۔ اس دن سے انھوں نے شرقی جانب نماز پڑھنی شروع کر دی۔ پھر چند روز کے بعد ان کے ایک مخصوص گروہ کو بلایا اور کہا کہ میں کسی ایک رات حضرت عیسٰی علیہ السلام پر قربان ہو جاؤں گا اس لیے کہ آج رات کو حضرت عیسٰی علیہ السلام میرے ہاں تشریف لائے اور مجھ سے بہت راضی ہُوئے اور فرمایا کہ تُو نے میرے دین کی بہت خدمت کی ہے اس لیے اپنا رحمت بھرا ہاتھ انہوں نے میری آنکھ پر پھیرا تو میری آنکھ ٹھیک ہوگئی ہے۔ چنانچہ اُس نے سب کو اپنی تندرست آنکھ دکھائی تو سب کو یقین آگیا کہ واقعی عیسٰی علیہ السلام نے اسے

زیارت سے مشرف فرمایا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے مجھے چند راز کی باتیں بتائی ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک گروہ سے کہا کہ مُردے کون زندہ کرتا ہے؟ سب نے کہا، اللہ۔ اس کے بعد پوچھا کہ مادرزاد اندھوں کو آنکھیں کون دیتا ہے؟ سب نے کہا اللہ۔ پھر پوچھا کہ برص والے کو تندرست کون کرتا ہے؟ سب نے کہا اللہ۔ اس نے کہا یہ تمام امور عیسیٰ علیہ السلام نے کر دکھلائے فلہذا انہیں خدا ماننا لازمی ہے۔ آج کے بعد میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم عیسےٰ علیہ السلام کو خدا مانو۔ پھر دوسرے گروہ کو بُلایا، اس کو بھی یہی تقریر کی۔ لیکن انہیں یہ کہا کہ وُہ خدا کے بیٹے ہیں فلہذا آج کے بعد انہیں خدا کا بیٹا کہا جائے۔ ایک تیسرے گروہ سے یہی تقریر کر کے کہا کہ وُہ تیسرے خدا ہیں۔ یہ کہہ کر اعلان کر دیا کہ آج کے بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قربان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ رات کے بعد چوری چُھپے کہیں نکل گیا۔ دوسرے روز ہر ایک نے اپنا اپنا عقیدہ ظاہر کیا تو ایک دوسرے کے برعکس نکلا اور ہر ایک دوسرے کو جُھٹلانے لگا اور کہنے لگا کہ انہوں نے یہ عقیدہ بتایا ہے، دُوسرا کہتا نہیں یہ بتایا ہے، تیسرا کہتا نہیں یُوں بتایا ہے اس طرح وہ آپس میں لڑنے مرنے لگے اور ہزاروں جانیں تلف ہوگئیں۔ اور قیامت تک ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ ان کے تین فرقے بن گئے:

(۱) نسطوریہ۔ یہ کہتے ہیں کہ عیسےٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

(۲) ملکانیہ۔ یہ وہ ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں:

(i) اللہ

(ii) عیسےٰ علیہ السلام

(iii) ان کی والدہ (مریم علیہا السلام)

(۳) لیعقوبیہ۔ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں (معاذ اللہ) ؎

در تصوّر ذات او را کنج کو   تا در آید در تصور مثل او

ترجمہ: اس کی ذات کا تصور کہاں کہ اس کے مثل کا تصور پیش کیا جا سکے۔

---

(۱) گر بغایت نیک و گر بد گفتہ اند   ہر چہ زد گفتند از خود گفتہ اند

(۲) می مکن چندیں قیاس لے حق شناس   زانکہ ناید ذات بیچون در قیاس

ترجمہ: (۱) جو کچھ اچھا یا بُرا کسی نے کہا تو کچھ کہا از خود کہا (ورنہ اس کی حقیقت کو کون جانے)

(۲) اے حق شناس! ایسے قیاس نہ کر اس لیے کہ وہ ذات بے مثل ہے قیاس میں کیسے آسکتی ہے۔

سبق: مومن کو لازم ہے کہ قولِ باری تعالیٰ و سوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون پر غور کرے۔

حدیث شریف میں ہے:

قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک سے بات کرے گا اس وقت نہ کوئی ترجمان ہوگا نہ ہی درمیان میں کوئی حجاب۔ پس بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اسے صرف وہی نظر آئے گا جو اس نے زندگی بھر عمل کیا ہوگا۔ پس اے بندگانِ خدا! نارِ جہنم سے ڈرو اگرچہ ایک ٹکڑا خیرات کرکے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کرو۔

یعنی جو شخص کوئی ایسی فرصت نہیں رکھتا جس سے وہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا حاصل کرسکے تو اسے چاہئے کہ جہنم سے بچنے کے لیے میٹھی گفتگو کو اپنا شعار بنائے تاکہ اس کی گفتگو سے مسلمان کا دل ٹھنڈا ہو اس لئے کہ میٹھی گفتگو بھی صدقہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یومِ میثاق میں اہلِ اسلام کی طرح یہود و نصاریٰ سے بھی توحید کا عہد لیا۔ جب دونوں گروہ نفس کے قابو میں آئے تو وہ یومِ میثاق کا عہد و پیمان بھلا بیٹھے۔ پھر وہ استعداد فطری کہ جس سے انسان کو فیض ربانی ہوتا ہے سے محروم ہوگئے۔ اسی بنا پر وہ جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہوگئے یعنی ان کی حالت درندوں جیسی ہوگئی کہ جیسے وہ آپس میں بغض و عداوت رکھتے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں ویسے ہی یہ بھی ہر وقت لڑائی جھگڑے اور فسادات میں پڑے رہتے ہیں۔ اُن کی یہ حالت قیامت تک برقرار رہے گی اس لیے کہ اہلِ غفلت کو اُلفت کی دولت سے محروم رکھا جاتا ہے اور اہل اللہ کو آپس میں وحشت ہوتی ہی نہیں۔ یہ حال سابقہ اُمم کا تھا۔ رہی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت، تو اُسے تو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے، یومِ میثاق میں الست بربکم کے قلم سے اُن کے دلوں پر ایمان لکھ دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی امداد سے انہیں نوازا۔ اس لیے ان سے اپنا نیک نصیبہ فراموش نہ ہوسکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

وذکّر فان الذکرٰی تنفع المؤمنین۔

اور چونکہ ان حضرات نے یومِ میثاق کو یاد رکھا اور اس کے نیک نصیبہ سے بہرہ ور ہوئے اس لیے کہ

انہیں فرمایا ؛

فاذکرونی اذکرکم۔

حالانکہ اللہ تعالےٰ تو انہیں پیدا کرنے سے پہلے ہی یاد فرما چکا تھا۔ محض سادہ الفاظ سے یاد نہیں فرمایا بلکہ محبّت بھرے الفاظ سے یاد فرمایا۔ چنانچہ فرمایا ؛

و یحبّھم و یحبّونھم۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ **یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ** اے اہلِ کتاب۔ یعنی اے یہود و نصاریٰ۔ کتٰب اسم جنس ہے اس سے تورات و انجیل دونوں کتابیں مراد ہیں۔ **قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا** بیشک تمہارے ہاں ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تشریف لائے۔ یہ اضافت تشریفی ہے اس میں اشارہ ہے کہ اُن کی اطاعت واجب ہے **یُبَیِّنُ لَکُمْ** رسولنا سے حال ہے، یعنی وہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم باقتضائے مصلحت تمہیں تھوڑا تھوڑا کرکے بیان فرمائیں گے **کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ** بہت سی باتیں جنہیں تم اپنی کتاب سے چُھپا دیتے ہو، یعنی تمہارا دائمی طور طریقہ رہا ہے کہ تم اپنی کتاب سے مسائل چُھپا دیتے ہو۔ کتٰب سے مراد تورات و انجیل ہے اور خطاب ان کے ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے کا دم بھرنے والوں سے ہے۔ اور "چُھپانے" سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات اور آیتِ رجم اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بیان کو چھپانا مراد ہے **وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ** اور بہت سی باتیں وہ تمہیں معاف فرما دیتے ہیں۔ یعنی وُہ امور جو تم مخفی رکھتے ہو انہیں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ظاہر نہیں فرماتے بمجبوری اس وقت خبر دیتے ہیں جب کہ میرے دین کو نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، وہ اس لیے نہیں بتاتے تاکہ تم شرمسار نہ ہو **قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ** بیشک تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب آئی ہے۔ نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید مراد ہے اس لیے کہ اس سے ظلمات شرک اور شک واضح ہُوئے اور بہت سی حق کی باتیں جو لوگوں پر مخفی تھیں قرآن مجید سے ظاہر ہُوئیں یا اس لیے کہ اس میں اعجاز واضح ہے۔

سوال : واؤ مغایرت چاہتی ہے اور ان دونوں یعنی نور و کتاب سے صرف کتاب مراد لینے سے عطف کا تقاضا پُورا نہیں ہوتا۔

جواب : چونکہ قرآن مجید کے دو مختلف عنوان ہیں ؛

(۱) کشف الشبہات للشرک والشرک۔

(۲) ابانۃ الاخفار من الحق وغیرہ۔

ان دونوں عنوانوں کو مغایرت ذاتی پر محمول کر کے عطف ڈالا ہے اور ایسا کلام عرب میں عام ہوتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ نُور سے حضور علیہ السلام اور کتٰب سے قرآن مجید[1] مراد ہے۔

---

[1] اہلِ حق کے نزدیک یہی تفسیر راجح واولیٰ ہے۔ چنانچہ عالمِ اسلام کے جملہ مفسرین ومحدثین وفقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے آیت میں نور سے حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس مراد لی ہے۔ چنانچہ چند ایک حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

سمی نورا لانہ ینور البصائر ویھدیھا للرشاد ولانہ اصل کل نور حسّی ومعنوی۔ (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۳۹)	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اس آیت میں نُور رکھا گیا اس لیے کہ حضور عقول کو روشن کرتے ہیں اور ان کو رشد کے لیے ہدایت کرتے ہیں اور اس لیے کہ آپ ہر حسی ومعنوی نور کی اصل ہیں۔

سیدنا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قد جاءکم من اللہ نورٌ رسولٌ یعنی محمدًا۔ (تفسیر ابن عباس مطبوعہ مصر ص ۷۲)	یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیا

اسی طرح تفسیر کبیر، تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر مدارک، تفسیر سراج المنیر، تفسیر ابو السعود، تفسیر جلالین، تفسیر ابن جریر، تفسیر روح المعانی، تفسیر صاوی، تفسیر حسینی، تفسیر مظہری، تفسیر القاسمی، شفا شریف، موضوعات کبیر للملا علی قاری میں بھی نور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک مراد لی گئی ہے۔

سردار الوہابیہ مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

قد جاءکم من اللہ نور وکتٰب مبین۔ (تفسیر ثنائی سورہ المائدہ ص ۱۱ مطبوعہ امرتسر)	تمہارے پاس اللہ کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور روشن کتاب قرآن شریف آئی۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ہدایت دیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مفسر الوہابیہ حافظ محمد صاحب لکھوکے والے کہتے ہیں:

نور سے مراد محمد یا اسلام جو دین ربانی۔ (تفسیر محمدی ص ۲۳ منزل دوم)

غیر مقلدین وہابیہ کے مستند عالم مولوی وحید الزمان رقمطراز ہیں:

نور سے مراد حضرت محمد یا دین یا اسلام۔ (تبویب القرآن ص ۱۴۹)

وہابیہ کے مستند اور محقق مولوی قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

اس آیت میں وجود باجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بتلایا گیا ہے۔ (شرح اسماء الحسنیٰ ص ۱۵۱)

سردار الوہابیہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا کہ مراد نور سے حضرت ہیں یا اسلام یا قرآن۔ (تفسیر ترجمان القرآن ج ۱ ص ۸۵۷)

دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

شاید نور سے خود نبی کریم صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۴۳ برحاشیہ قرآن پاک، تاج کمپنی)

طائفہ دیوبند کے نہایت ہی مقتدر فرد، محدث، مفسر، مجدد، حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ ایک مختصر سی آیت ہے اس میں حق سبحانہ نے اپنی دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے ایک کو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے اور یہ توجیہ اس آیت کی تفسیر کی بنا پر ہے یعنی جبکہ نُور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود موجود مراد لیا جائے۔ (اشرف المواعظ ص ۱۴۸)

مولوی اشرف علی تھانوی ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:

..... اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لیا جائے تو توجیہ بدل جائے گی۔ (ماہنامہ انوار العلوم لاہور، اکتوبر ۱۹۵۳ء ص ۲۵ و مواعظ میلاد النبی ص ۱۲)

مولوی ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(تفسیر معارف القرآن ج ۴ ص ۴۲)

مولوی مشتاق احمد دیوبندی رقمطراز ہیں:

بے شک آیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین۔ اس جگہ حسب روایت شفا، قاضی عیاض نور سے مراد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ (التوسل ص ۲۲)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ قول کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے "ھذا ضعیف" (یہ ضعیف ہے)۔
(تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۵۶۶)

عطفِ تفسیری کا مسئلہ

کچھ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کی نفی میں ایسے دلائل پر تادیل کا پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اِس آیت میں بھی واؤ کو تفسیری قرار دے کر لفظِ نُور سے قرآن مجید ہی مراد لیتے ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ قرآن مجید اپنی جگہ نور ہے مگر اس آیت میں لفظِ نُور سے قرآن مجید مراد لینا بعید سی بات ہے کیونکہ عطف کا اصل تغایر ہے یعنی واؤ کا موضوع لہٗ درحقیقت مغایرت ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف ایک دوسرے کے غیر ہوں، اس کے علاوہ واؤ جن معنوں میں استعمال ہوگا وہ سب مجازی ہیں۔ اور یہ مسلّم ہے کہ جب تک حقیقت ممکن ہو مجاز مراد لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ توضیح میں ہے:

اذا استعمل اللفظ یجب ان یحمل علی المعنی الحقیقی فاذا لم یمکن فعلی المجازی۔ (توضیح ص ۱۲۹)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یعنی به اللہ کی بجائے بهما اللہ ہونا لازمی ہے ۔

جواب : چونکہ حضور علیہ السلام اور قرآن مجید مقصد کے لحاظ سے ایک ذات ہیں، یا چونکہ ان دونوں کا حکم ایک ہے اس لیے ۔ دونوں کا حکم ایک ہے دونوں کا مقصد ایک ہے ۔ دونوں کا مقصد دعوۃ الخلق الی الحق ہے اس لیے کہ ایک رسولِ الٰہی ہیں دوسرا اُن کا معجزہ بن کر اُن کا مؤید ہے اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں اُن کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے، بنا بریں واحد کی ضمیر لانا موزوں ہے ۔

مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ اور جس نے حضور علیہ السلام پر ایمان لا کر اُن کو خوش کیا **سُبُلَ السَّلٰمِ** اس سے عذاب سے سلامتی اور عقاب سے نجات کے طریقے مراد ہیں جبکہ سلام بمعنے سلامتی اور عقاب سے نجات کے طریقے مراد ہیں جبکہ سلٰم بمعنے سلامت ہو جیسے لذاذ بمعنے لذاذۃ ، اور رضاع بمعنے رضاعت استعمال ہوتے ہیں ۔ یا سلٰم بمعنے سبیل اللہ ہے ۔ اس سے شریعتِ مقدسہ مراد ہے کہ جس پر اہلِ اسلام کو چلانا مقصود ہے یا سلٰم سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے اس لیے کہ سلٰم اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام بھی ہے اور سُبل السلٰم کا منصوب ہونا بنزع الخافض ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یعنی جب کوئی لفظ استعمال ہو تو واجب ہے کہ اسے حقیقی معنی پر ہی محمول کیا جائے اور جب یہ ناممکن ہو تو مجازی پر ۔

اسی طرح نورالانوار وغیرہ اصول کی مسلّم کتابوں میں صاف ظاہر ہے کہ جب ایک لفظ اپنے موضوع لہٗ یعنی معنی میں استعمال ہو سکتا ہے تو اس کا وہی حقیقی معنیٰ لینا واجب ہوگا ۔ اور جب حقیقی معنی کسی وجہ سے ناممکن ہو تب مجازی معنیٰ لینا جائز ہے ۔ اب آیت مذکورہ پر غور کیا جائے کہ واؤ جس کا حقیقی معنیٰ مغایرت ہے اپنے موضوع لہٗ پر محمول کی جا سکتی یا نہیں ۔ بر تقدیر اثبات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا ثابت ہو گیا ۔ یہی ہمارا مقصود ہے اور بر تقدیر نفی وجہ استحالہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ وجہ استحالہ یہاں کوئی نہیں، کیونکہ اگر استحالہ ہوتا تو مفسرین لفظِ نُور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس مراد نہ لیتے ، حالانکہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کر آج تک مفسرین نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو مراد لیتے چلے آرہے ہیں، لہٰذا نُور سے مراد صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہے ۔ سو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے آپ کا نور ہونا ثابت و مسلّم ہو گیا ۔ علاوہ ازیں یہ قول کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے امام رازی فرماتے ہیں هذا ضعیف ۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۵۶۶) (اویسی غفرلہٗ)

سوال : جب یھدی خود متعدی بدو مفعول ہوتا ہے تو پھر اسے نزع الخافض کی تاویل میں لیجانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب : یھدی کا دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہونا الیٰ اور لام کے واسطہ سے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان ھذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم۔

اور چونکہ یہاں ان دونوں واسطوں کے بغیر واسطہ استعمال ہوا ہے اس لیے نزع الخافض کی ضرورت لاحق ہوئی۔

وَيُخْرِجُهُمْ اور انہیں نکالتے ہیں۔ ھُم کی ضمیر مَن کی طرف راجع ہے۔ اس کا جمع ہونا مَن کے معنیٰ کی وجہ سے ہے کہ اس میں جمع کا معنیٰ ہوتا ہے اور اتّبع واحد کا صیغہ لایا گیا ہے کہ مَن لفظاً مفرد ہے **مِّنَ الظُّلُمٰتِ** اندھیروں میں سے یعنی کفر و گمراہی کی مختلف راہوں سے **اِلَى النُّوْرِ** نور کی طرف۔

سوال : ایمان کو نُور سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب : اس لیے کہ جب بندہ ایمان قبول کرتا ہے تو اس کے لیے نجات کی راہ منکشف ہوجاتی ہے جسے وہ طلب کرتا ہے اور اس کے لیے تباہی و بربادی کی راہ بھی کھل جاتی ہے جس سے وہ بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

بِاِذْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے حکم سے، یعنی اُس کے آسان کر دینے اور اس کے ارادہ سے ،
وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے یعنی ان کو وہ راستہ دکھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب تر اور اس کے ہاں یقیناً پہنچانا۔ صراط مستقیم اور سبل السّلٰم کا ایک ہی مفہوم ہے۔

سوال[1] : جب وہ ایک شے ہیں تو پھر درمیان میں صرف عطف لانے کا کیا مطلب ، یا اسے پھر دوبارہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : چونکہ یہ دونوں وصفاً متغایر ہیں اس لیے اس تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کے قائم مقام کر کے حرفِ عطف لایا گیا ہے جیسے آیت فلما جاء امرنا نجینا شعیبا والذین اٰمنوا معہ

---

[1] متعلقہ صفحہ ہذا یہ اعتراض وہابیہ کرسکتے ہیں۔

برحمۃ مناو نجینا ھم من عذاب غلیظ میں ہے۔

حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نورانیّت کی عجیب و غریب تحقیق

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو نور بنا کر بھیجا اس لیے کہ آپ حظِ انسانی کی حقیقت بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے انہیں نصیب ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی نُور بتایا ہے کما قال :

اَللّٰہ نور السمٰوٰت و الارض۔

اس لیے کہ آسمان و زمین ملک عدم میں مخفی تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہر فرمایا۔ اور حضور علیہ السلام نُور اس لیے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عدم سے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ کے نور کو پیدا فرمایا چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا :

اول ما خلق اللہ نوری ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور

پھر تمام عالم کو اُسی نور سے پیدا فرمایا۔ چونکہ تمام موجودات آپ کے نُور سے پیدا ہوئے اس لیے آپ کا نام نور رکھا گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شیٔ اختراع سے اقرب ہو اُسے نور کہنا مناسب تر ہوتا ہے۔ مثلاً عالمِ ارواح تخلیق کے لحاظ سے عالمِ اجساد سے پہلے سے ہے اس لیے اسے عالمِ انوار سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح عالمِ علویات عالمِ سفلیات سے مقدم ہے اس لیے اسے نُور کہا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ تخلیقی اعتبار سے جو شیٔ مقدم ہوگی وُہ نور ہوگی اس معنے پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نور کہنا لازم ہُوا۔

احادیث در ثبوتِ نورانیّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہٖ وآلہٖ وسلّم

حدیث شریف ۱ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انا من اللہ والمؤمنون منّی۔ میں اللہ تعالیٰ سے ہُوں اور مومنین مجھ سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ قد جاءکم من اللہ نور و کتٰب مبین۔

حدیث شریف ۲ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کنت نوراً بین یدی ربّی قبل خلق آدم باربعۃ عشر — میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ کے

الف عام وکان یسبح ذلك النور وتسبح الملائکة بتسبیحه فلما خلق الله آدم الفی ذلك النور فی صلبه۔

ہاں نور تھا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا تھا ان کو دیکھ کر ملائکہ کرام ان کی تقلید میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ نور حضرت آدم کی پشت میں رکھا گیا۔

حدیث شریف ۳: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو عالم علوی سے زمین کی طرف اتار کر آدم علیہ السلام کی پشت میں بطور امانت رکھا اس کے بعد مجھے حضرت نوح علیہ السلام کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ جب ان کی کشتی طوفان سے کنارے لگ رہی تھی میں اُن کے ساتھ تھا، پھر مجھے ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں منتقل کیا گیا۔ اسی طرح میں پاک پشتوں سے پاک شکموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا اپنے ماں باپ کے ہاں تشریف لایا اور مجھے ایسی پشتوں اور شکموں میں منتقل کیا گیا جو زنا کے نزدیک بھی نہ بھٹکے۔

حضرت عرفی مرحوم اپنے قصیدہ نعتیہ میں لکھتے ہیں: ؎

(۱) این بس شرف گوہر تو منشی تقدیر — آن روز کہ بگذاشتی اقلیم قدم را

(۲) تا حکم نزول تو درین دار نوشته است — صدره بعبث باز تراشید ظلم را

ترجمہ: (۱) تیرے جوہر کو یہ شرف کافی ہے کہ منشیٔ تقدیر کے ہاتھوں تو نے اقلیم قدم کو چھوڑا۔
(۲) تا حکم نزول اسی دار میں رہنا لکھا کئی بار بیکار کر کے ظلمات کو تجھ سے ہٹایا۔

حدیث شریف ۴: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی: یا اللہ! میں تجھے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیتا ہُوں میری لغزش معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ تا حال میں نے انہیں (عالم اجساد میں) پیدا بھی نہیں فرمایا۔ عرض کی: یا اللہ! تُو نے مجھے جب اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی رُوح پھُونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پایہ پر لکھا دیکھا تھا لا الٰہ الا اللّٰہ

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں نے اس سے معلوم کیا کہ تُو نے اپنے نام کے ساتھ محبوب ترین نام کو جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تم سچ کہتے ہو واقعی وہ میرے محبوب ہیں ان کے وسیلہ سے میں نے تمہیں بخش دیا ہے، اور یقین کیجئے اگر وُہ نہ ہوتے تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بے شک کافروں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہے اُس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو اہل عرب کہتے ہیں الکرم ھوالتقوٰی۔

شانِ نزول یہ آیت نجران کے نصارٰی کے حق میں نازل ہُوئی، یہ یعقوبیہ فرقہ کے لوگ تھے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے بدن یا رُوح میں حلول کرتا ہے۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں خاموش کُن جواب دیجئے کہ اگر ایسے ہے جیسا کہ تمہارا ظنِ فاسد ہے فَمَنْ یہ استفہام انکاری ہے يَّمْلِكُ ملك بمعنے ضبط اور حفظ تام ہے مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے شَيْـًٔا کسی شے اور اس کی حقیقت کو، یعنی کس کی طاقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اسے روک سکے اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اگر اللہ تعالیٰ کا مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور ان تمام لوگوں کو جو زمین میں رہتے ہیں کے ہلاک کرنے کا ارادہ ہو جائے۔

ف : اس میں اُن کے غلط عقیدہ کی تردید کی گئی ہے اس کی تفصیل یُوں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے قبضہ میں ہیں اور وُہ دوسرے ممکنات کی طرح فنا ہونے کے قابل ہیں جس کی یہ حالت ہو وُہ الوہیت کے لائق نہیں وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے جو ہلاکت اور تباہی کو نہ اپنے سے روک سکے اور نہ دوسروں کو بچا سکے۔

ازالہ وہم : یہاں ہلاکت بمعنے موت و فنا مراد ہے نہ کہ وہ ہلاکت و تباہی جو غیظ و غضب سے ہوتی ہے۔

سوال : آیت میں بی بی مریم صاحبہ کے ذکر کی مناسبت کیا ہے جبکہ وہ تو پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں؟

جواب : نصرانیوں کے مُنہ بند کرنے کی تاکید مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے تو اُسے کوئی نہیں روک سکتا، جیسے عیسٰی علیہ السلام کی والدہ کو موت دی تو کوئی مانع نہ ہُوا۔ جب مریم کی موت پر اپنی قدرت ظاہر فرما چکا ہے تو اے نصرانیو! جانتے ہو تو

باقیوں کی موت اس کے لیے کب ناممکن ہے!

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین جو کچھ ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ ان سب پر قدرتِ تامہ اور مکمل قبضہ رکھتا ہے وہی تمام اشیاء پر ایجاداً و اعداماً و احیاءً و اماتۃً مطلقاً تصرف کا مالک ہے اس کے سوا کسی کو نہ استقلالاً تصرف کا حق ہے نہ اشتراکاً۔ بنا بریں صرف وہی الوہیت کا مستحق ہے۔ کسی کو اس کے سوا یہ استحقاق نہ حاصل ہے نہ ہوسکتا ہے۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وہ انواع مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یہ ما نکرہ موصوفہ اور محلاً منصوب علی المصدریۃ ہے مفعول بہ نہیں۔ اب عبارت یوں ہوگی: یخلق ای خلق یشاءہ۔ یعنی جس طرح کی مخلوق پیدا کرنا چاہے وہ پیدا کرسکتا ہے اگر چاہے تو اصل کے بغیر پیدا کرے جیسے آسمان وزمین کے اندر کی چیزیں۔ چاہے تو کسی اصل سے لیکن اس کی جنس سے نہیں۔ جیسے آدم علیہ السلام اور دیگر بہت سے حیوانات کی تخلیق۔ اسی طرح کسی ایسی اصل سے جو اس کی ہم جنس ہو۔ لیکن نر سے، جس میں مادہ کو دخل نہ ہو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق دونوں کو دخل ہو، جیسے باقی تمام انسانوں کی تخلیق، یا اس کی تخلیق میں کسی غیر کا واسطہ نہ ہو، جیسے عام مخلوق کی تخلیق یا اپنی تخلیق میں کسی کو واسطہ بنائے جیسے معجزے کے طور پر پرندوں کی تخلیق اور مُردوں کو زندہ کرنے اور کوڑھیوں اور مادرزاد اندھوں وغیرہ میں عیسیٰ علیہ السلام کو واسطہ بنایا۔ لیکن ان سب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی نہ کہ کسی اور کی طرف۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔ یہ ذیلی جملہ معترضہ ہے ماقبل کے مضمون کی تقریر ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) دامن او گیر اے یار دلیر کو منزہ باشد از بالا وزیر

(۲) نے چو عیسیٰ سوئے گردوں بر شود نے چو قارون در زمین اندر رود

ترجمہ: (۱) اے یار بہادر! اس کا دامن پکڑ وہ زیر و بالا سے منزّہ ہے۔
(۲) نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر ہے نہ قارون کی طرح زمین کے اندر۔

ربی الاعلاست ورد آن مہان

رب ادنیٰ درخور این ابلہان

ترجمہ: ربی الاعلیٰ محبوبوں کا ورد ہے رب ادنیٰ ان بے وقوفوں کے لائق ہے۔

احادیثِ مبارکہ

(۱) حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحد لا شریک ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول اور اس کے کلمہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں مریم کو عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی رُوح ہیں۔ اور گواہی دے کہ جنت و دوزخ حق ہے تو اسے اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرمائے گا وہ جس عمل میں بھی زندگی بسر کرے۔"

(۲) حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی طرف پانچ کلمات نازل فرمائے اور فرمایا کہ وہ ان پر عمل کریں، اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ ان پر عمل کریں۔ یحییٰ علیہ السلام کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آپ نے ان کلمات پر عمل کرنے میں تاخیر فرمائی ہے، اگر تم بنی اسرائیل کو نہیں بتا سکتے تو میں ہی انہیں بتا دُوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے برادرِ محترم! مجھے بتانے دیجئے ممکن ہے میں نہ بتاؤں تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا تمام لوگ جمع ہوئے یہاں تک کہ مسجد بھر گئی۔ سب ایک جگہ بیٹھ گئے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم فرمایا ہے کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تمہیں بھی ان کی تلقین کروں تاکہ تم بھی ان پر عمل کرو۔ وہ پانچ باتیں یہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اس لیے کہ مشرک کی مثال اس مرد کی سی ہے جو اپنے خالص مال سونے یا چاندی سے ایک غلام خریدے اور اسے حکم دے کہ میں تجھے اپنے گھر ٹھہراتا ہوں لیکن مزدوری کر کے میرے پیش کرنا۔ وہ غلام مزدوری کر کے اس کے غیر کو پیش کر دے، بتائیے اس غلام کو کون اچھا کہے گا۔ یُونہی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کر کے رزق بھی عطا فرمایا، پھر اس کے ساتھ

دوسرے کو شریک ٹھہراؤ۔

(ii) نماز ادا کرتے وقت ادھر ادھر نہ دیکھو اس لیے کہ نماز کے وقت اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ہوتا ہے، اس بندے سے منہ پھیر لیتا ہے جو نماز میں ادھر ادھر دیکھتا ہے۔

(iii) روزہ رکھو۔ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس عطر کی شیشی ہو اور وہ بہت بڑی جماعت میں ہو تو ہر شخص چاہے گا کہ یہ عطر والا میرے پاس ہو، اسی طرح روزہ بھی ایک بہترین خوشبو ہے۔

(iv) زکوٰۃ ادا کرو۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جیسے دشمن گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیں اور چاہیں کہ اسے قتل کر دیں لیکن وہ کہے کہ مجھے قتل مت کرو میرے پاس جتنا مال ہے میں تمہیں دیتا ہوں۔ پھر وہ اپنا مال دے کر اُن سے اپنی جان بچا لے۔

(v) اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ اسے دشمن گرفتار کرنا چاہیں لیکن وہ بھاگ کر ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جائے اسی طرح انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے اس سے نجات پانے کا واحد ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے :ے

ذکرِ حق کن بانگ غولاں را بسوز
چشمِ نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ : ذکرِ الٰہی سے اُلوؤں کو جلا دے، نرگس کی آنکھ گدھ سے سی دے۔

---

(۱) ذکرِ حق پاک است چوں پاکی رسید | رخت بر بندد بروں آید پلید
(۲) مے گریزد ضدہا از ضدہا | شب گریزد چوں بر افروزد ضیا
(۳) چوں در آید نامِ پاک اندر دہان | نی پلیدی ماند و نی آن دہان

ترجمہ : (۱) ذکرِ حق پاک ہے جب پاک کو پہنچتا ہے تو پلید بستر گول کر جاتا ہے۔
(۲) ضد ضد سے بھاگتی ہے شب بھاگ جاتی ہے جو روشنی آتی ہے۔
(۳) جب پاک نام منہ پر آتا ہے پھر نہ پلیدی رہتی ہے نہ بدبو۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
"میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:
(i) حق کو بدل و جان قبول کرنا۔
(ii) طاعت
(iii) جہاد۔
(iv) ہجرت
(v) جماعت (تقلید)، اس لیے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہوتا ہے اس نے اسلام کی رسّی اپنی گردن سے ہٹا دی جب تک کہ پھر جماعت میں شامل نہ ہو۔"

ف: الربقۃ بکسر الراء وفتحہا وسکون الباء الموحدۃ الربق کی جمع ہے۔ وہ رسّی کہ جس سے جانوروں کو باندھا جاتا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محب ہیں۔ یعنی یہودیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے حضرت عزیر علیہ السلام کی جماعت ہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو بادشاہوں کے قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں کہ نحن الملوك (ہم بادشاہ ہیں) یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں جیسے بیٹے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوتے ہیں، اور ہمیں اس سے ایسے قرب حاصل ہے جیسے بیٹوں کو باپ سے۔ اور ہماری اس سے محبت اور بغض اس سے ایسے ہے جیسے باپ بیٹے سے محبت بھی کرتا ہے اور کبھی ناراض بھی ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُن کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ اور بہت بڑی فضیلت حاصل ہے جو دُوسروں کو نصیب نہیں، اُن کے رَد میں حضور علیہ السلام سے کہا گیا کہ **قُلْ** (اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) ان کو الزامی طور پر خاموش کن جواب دیجئے **فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ** یعنی تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ کہ تمہیں یہ سزائیں کیوں ملیں کہ کبھی تمہیں قتل کیا گیا، کبھی تم قیدی بنے، کبھی تمہاری شکلیں بدل گئیں، اور پھر اس کا بھی تمہیں اقرار ہے کہ کل قیامت میں تمہیں عذاب میں مبتلا کیا جائیگا اگرچہ (بقولِ شما) وُہ گنتی کے دن کہ جتنی تمہارے آباء و اجداد نے بچھڑے کی پرستش کی تم اپنے گمان فاسد میں سچے ہو تو پھر تم سے ایسی غلطیاں کیوں سرزد ہوئیں اور تمہیں ایسے عذاب میں کیوں مبتلا کیا گیا **بَلْ** بلکہ بات کچھ اور ہے وُہ یہ کہ **اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ** تم عام انسان ہو جیسے دوسرے اللہ تعالٰی

کی عام مخلوق ہے اور تمہیں کسی قسم کی بزرگی اور شرافت حاصل نہیں یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جسے چاہتا ہے بخشتا ہے، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ اور جنہیں وہ چاہتا ہے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے۔ وَ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے اندر جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے موجودات میں ہر شے اسی کی ملکیت ہے اور سب اسی کے بندے ہیں سب اُسی کے قبضہ و تصرف میں ہیں وُہ جسے چاہے مارے یا زندہ رکھے، ثواب دے یا عذاب، یہود و نصاریٰ کی صرف باتیں ہیں وَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے، یعنی آخرت میں سب نے فقط اسی کی حاضری دینی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی استقلالاً مالک ہے نہ اشتراکاً۔ وہ ہر ایک کو جزاء و سزا ہوگی، اسے کوئی روکنے والا نہیں صرف لفظی دعویٰ کا نام محبت نہیں بلکہ محبت کے لیے بھی چند علامتیں ہیں۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب فرمایا: ؎

تعصی الالٰہ وانت تظھر حبہ ۔۔۔ ھذا لعمری فی الفعال بدیع

لوکان حبك صادقا لاطعتہ ۔۔۔ ان المحب لمن یحب مطیع

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے پھر اس کی محبت کا دم بھرتا ہے، مجھے اپنی عمر کی قسم یہ تیری عجیب کارروائی ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچے ہوتے تو تم ان کی اطاعت کرتے اس لیے کہ محب وُہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں کسی ایک بات کی مخالفت کرتا ہے۔ فرض ہو یا سنّت، حلال ہو یا حرام، اس لیے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔

ف: بشری صورت کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں، اگر فرق ہے تو علم و عمل کے اعتبار سے ہے جسے قُربِ الٰہی نصیب ہے وہی افضل و اعلیٰ ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

راہ راست باید نہ بالائے راست

کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: راہِ راست چاہیئے نہ کہ بلند سواری یا مکان ورنہ کافر بھی بظاہر ہماری شکل میں ہے۔

اور یہ فرق آخرت میں ظاہر ہوگا اس لیے کہ وہی جزا کا دن ہے۔

سبق: مبارک ہو اس شخص کو جو اپنے حال و مآل میں فکر کرتا ہے پھر وہ وقت گزرنے سے پہلے زہد و طاعت میں رغبت کرتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) گر ببینی میل خود سوئے سما — پر دولت برکشا ہمچون ھما

(۲) ور ببینی میل خود سوئے زمین — نوحہ میکن ہیچ منشین از حنین

(۳) عاقلان خود نوحہا پیشین کنند — جاہلان آخر بسر بر می زنند

(۴) ز ابتداء کار آخر را ببین — تا نباشی تو پشیمان روز دین

ترجمہ: (۱) اگر تم اپنا میلان آسمان کی طرف دیکھو تو پھر چاند کی طرح دولت کے پر کھول۔

(۲) اگر تیرا میلان زمین کی طرف ہے تو ماتم کر۔

(۳) سمجھدار لوگ گزشتہ لوگوں پر افسوس کرتے ہیں جاہل تو خالی سر ہی مارتے رہتے ہیں۔

(۴) ابتداء میں ہی اپنے کام کا انجام دیکھ تاکہ تجھے قیامت کے دن پشیمانی نہ ہو۔

حکایت رعشہ کی بیماری میں مبتلا ایک آدمی زرگر کے ہاں آیا اور کہا کہ ترازو دیجئے تاکہ میں اپنے سونے کے ریزوں کو تولوں۔ سنار نے کہا: میرے پاس چھلنی نہیں۔ اس نے کہا: مذاق مت کیجئے، مجھے ترازو دیجئے۔ کہا: میرے پاس جھاڑو نہیں۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں میں تجھ سے چھلنی یا جھاڑو نہیں مانگتا ترازو مانگتا ہوں۔ سنار نے کہا مذاق نہیں حقیقت ہے میں تمہاری حیثیت کے پیشِ نظر جواب دے رہا ہوں۔ اس نے کہا وہ کیسے؟ سنار نے کہا تیرے ہاتھ میں رعشہ ہے جب تو سونے کے ٹکڑے تولے گا تو وہ رعشہ کی وجہ سے زمین پر گر کر مٹی میں مل جائے گا، اس پر تجھے جھاڑو اور چھلنی کی ضرورت پڑے گی اور وہ میرے پاس نہیں اس لیے میں نے ان کے متعلق انکاری جواب دیا ہے ؎

من ز اول دیدم آخر را تمام
جائے دیگر رو ازینجا والسلام

ترجمہ: میں نے اول سے آخر تک سب کچھ دیکھا ہے، یہاں سے کسی دوسری جگہ چلا جا۔

ف: اللہ تعالیٰ کے حقیقی محبوب اولیاء اللہ ہیں، لیکن ان کے مختلف درجات و طبقات ہیں:

(۱) عوام

(۲) خواص

(۳) اخص الخواص

پھر وہ درجۂ محبت میں مختلف مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

حکایت حضرت معروف کرخی قدس سرہ کو کسی نے عرشِ معلّٰی کے نیچے دیکھا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پُوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کی: یا اللہ! تُو ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا محبوب ہے جو میری محبت میں مدہوش ہے، اس کا مطمحِ نظر صرف میرا دیدار ہے۔

نسخہ محبتِ الٰہی کی تکمیل تزکیۂ نفس سے ہوتی ہے اس لیے کہ جب کسی کے نفس پر غضبِ الٰہی ہو تو وہ رحمت کا مستحق کہاں! البتہ ایسے شخص کے آگے حجاب ہوتا ہے وہ اس حالت میں محبتِ الٰہی میں رہتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں اُن لوگوں سے بنا جو تیری محبت میں مبتلا رہتے ہیں، پھر وہ اس محبت سے سیدھے راستے کو پالیتے ہیں۔

يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا اے اہلِ کتاب تمہارے ہاں ہمارے رسول تشریف لائے۔ اُن کا یہ حال ہے کہ يُبَيِّنُ لَكُمْ وہ تمہیں شرائع و احکامِ دینی بیان کرتے ہیں جو وعدہ وعید پر مشتمل ہیں عَلٰى فَتْرَةٍ اور منقطع ہو جانے سلسلہ مِّنَ الرُّسُلِ آمد و فت رسولوں کے، یعنی دین کی تبلیغ کا وہ سلسلہ جو اُن سے شروع ہُوا وہ اب منقطع ہو گیا۔ علیٰ فترۃ ظرف ہے اور قد جاءکم کے متعلق ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے وقت تشریف لائے ہیں کہ اس وقت رسلِ کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اور وحی کی آمد بھی منقطع تھی۔ گویا آپ کے تشریف لانے کی اشد ضرورت تھی۔ فترۃ کا مادہ فتر الشئ یفتر فتورًا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کی حرکت ہی ختم ہو جائے اور اپنی سب سے پچھلی حالت کی طرف لوٹ آئے اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی اس حالت کو فترۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ عمل صالح کے وہ اسباب انہی کی شرائع سے معلوم ہوتے تھے وہ منقطع ہو گئے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت تشریف لائے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا سلسلہ ختم ہوا۔ ورنہ یہ صُورت ہوتی تھی کہ انبیاء علیہم السلام سے جبکہ ایک واصلِ بحق ہوتے تو دوسرے تشریف لے آتے یہ سلسلہ رفعِ عیسٰی علیہ السلام تک ایسے ہی رہا اَنْ تَقُوْلُوْا حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی علّت کا بیان ہے اور یہاں مضاف محذوف ہے ای کراھۃ ان تقولوا یعنی بوجہ اس کراہت کے

کہ رعایت احکامِ دین سے کوتاہی کرنے میں عذر کرتے ہوئے تم کہو مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ ہمارے ہاں کوئی صاحب تشریف نہیں لائے جو ہمیں بہشت کی خوشخبری سناتے وَّلَا نَذِيْرٍ اور نہ ہی کوئی ڈرانے والا جو ہمیں دوزخ سے ڈراتا، اس لیے کہ شرائع سابقہ کے نشانات مٹ چکے اور اُن کی باتیں معدوم ہوگئیں فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ اس کا تعلق محذوف فعل سے ہے جیسا کہ اس کی فاء بتاتی ہے کہ یہ جملہ معلل بہ ہے۔ معنیٰ یہ ہوا کہ اب عذرمت کرو اس لیے کہ تمہارے ہاں بہتر سے بہتر خوشخبری سنانے والے اور اعلیٰ سے اعلیٰ ڈرانے والے تشریف لائے۔ بشیرٌ و نذیرٌ میں تنوین تفخیم کی ہے۔

مسئلہ: آیت میں اُن پر اظہارِ احسان ہے کہ تمہارے ہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں تشریف لائے جبکہ آثارِ وحی بھی ختم تھے اور تم اس وقت اس کی بہت شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شَے پر قادر ہے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو پے در پے بھیجے، جیسا کہ مروی ہے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ تھا۔ اس اثناء میں ایک ہزار انبیاء علیہم السلام تشریف لائے۔ اور اس بات پر بھی قادر ہے کہ سلسلہ انقطاع نبوت کے بعد پیغمبر بھیجے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سید الانبیاء علیٰ نبینا علیہم السلام کے لیے ہُوا، تو ان کے درمیان ۶۹۶ سال یا ۵۶۹ھ سال گزرے۔ لیکن اس اثناء میں صرف چار پیغمبر تشریف لائے۔

ف: کلبی کی روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل سے تین اور عرب میں ایک نبی حضرت خالد بن سنان العیسی نبی علیٰ نبینا و علیہ السلام تشریف لائے۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان کوئی پیغمبر تشریف نہیں لایا۔ یہی قول زیادہ مناسب ہے اس کے کئی وجوہ ہیں:

(۱) فترۃٍ کی تنوین تفخیم سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر فترۃ سے اپنا احسان جتلایا ہے پھر یہ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے پہلے اور عیسےٰ علیہ السلام کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔

(۳) عرصۂ دراز گزر جانے پر ہی انہیں سخت ضرورت محسوس ہُوئی ہو تاکہ اُن کی اس ضرورت کے پورا کرنے میں وہ سمجھیں کہ اب ہمارے اُوپر نعمت و رحمت کا دروازہ کھُلا ہے۔

(۴) فترۃ کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ورنہ اگر درمیان میں کوئی اور پیغمبر ہوتا تو پھر ان پر حجت بازی کیونکہ اگر ان کے ہاں کوئی اور رسول و نبی علیہ السلام ہوتا تو ان کے عذر کہ ہمارے ہاں

کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا، کا رد نہ کیا جاتا۔ (کذا فی الارشاد)

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

انا اولی الناس بعیسی ابن مریم فانہ لیس بینی و بینہ نبی۔	میں حضرت عیسٰی ابن مریم (علیہ السلام) کے قریب تر ہوں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا۔

ف : ابن الملک نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد ان کے حواری نبی تھے اس لیے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہو اور شریعت کا اجراء کرے۔

سوال : خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی نبوت تو مسلّم ہے اس کا کیا جواب ہے ؟

جواب : خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ نہیں فرمایا، انہوں نے صرف اتنا فرمایا کہ مرنے کے بعد میں تمہیں برزخ (قبر) کے حالات سناؤں گا۔

خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا واقعہ عجیبہ مروی ہے کہ حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام علاقہ عدن میں اپنی قوم کے ساتھ قیام پذیر تھے کہ غار سے ایک بہت بڑی آگ نکلی جس نے کھیتیاں جلا ڈالیں اور جانوروں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ قوم حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئی اور اس بلاء سے نجات کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے اپنا عصا اٹھایا اور اس کے پیچھے پڑ گئے اور ہٹاتے ہوئے اسی غار میں اسے دھکیل دیا جس سے وہ آگ نکلی تھی۔ آپ نے اپنی اولاد سے فرمایا کہ میں اس آگ کے پیچھے اس غار میں داخل ہو کر اسے بجھاتا ہوں تاکہ مکمل طور بجھ جائے۔ لیکن تین دن مکمل گزر جانے سے پہلے مت بلانا۔ اگر تم نے مجھے پہلے بلا لیا تو میں اس غار سے باہر تو آ جاؤں گا لیکن چند گھڑیوں بعد مر جاؤں گا۔ چنانچہ یہ فرما کر غار کے اندر تشریف لے گئے۔ دو دن گزرے تو اُن سے رہا نہ گیا، ادھر شیطان نے بھی انہیں پکارنے پر اکسایا۔ چنانچہ شیطان کے کہنے پر انہوں نے حضرت خالد بن سنان کو پکارا۔ آپ باہر تشریف لائے لیکن سر پر زخم تھا، فرمایا : یہ تمہارے جلد تر بلانے کی نحوست ہے اگر تم جلد تر نہ بلاتے تو میں یہ صدمہ نہ دیکھتا، تم نے مجھے اور میری وصیت کو ضائع کر دیا لیکن یاد رکھو کہ اب میں مر جاؤں گا مجھے قبر میں دفن کر دینا لیکن چالیس دن تک میری قبر کی نگرانی کرنا۔ چالیسویں دن میری قبر پر بکریوں کا ایک ریوڑ آئے گا اُن کے آگے ایک کان کٹا گدھا ہو گا، جب دیکھو کہ وہ میری قبر پر آ گیا ہے تو تم میری قبر کو کھودنا۔ میں تمہیں قبر کے تمام حالات منکشف

کروں گا۔ تمہیں اُن کے متعلق ایسا یقین ہو جائے گا گویا تم نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت خالد کے مزار پر چالیس ایام تک پہرہ دیا یہاں تک کہ چالیسویں دن وہی بکریوں کا ریوڑ آ پہنچا اور اُن کے آگے آگے وہی کان کٹا گدھا بھی تھا اور وہ گدھا آ کر آپ کے مزار کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اہل ایمان نے چاہا کہ آپ کے مزار کو آپ کے حکم کے مطابق کھود دیں لیکن آپ کی اولاد کو جاہلیت کی عار آڑے آئی اور مزار کو کھودنے نہ دیا اور کہا کہ ہمیں لوگ کہیں گے کہ قبر کھودے ہوئے کی اولاد ہیں اس طرح سے آپ کی دوسری وصیت کے بھی خلاف کیا اور آپ کے ارشاداتِ گرامی کے استفادہ سے محروم ہو گئے۔

حدیث و حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی صاحبزادی حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا: مرحبا (خوش آمدید) یہ ایک نبی کی صاحبزادی ہے جن کی قوم ان کے استفادہ و استفاضہ سے محروم ہوئی۔

سوال: حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے یہ حکم کیوں دیا کہ اُن کی قبر کھودیں تاکہ وہ انہیں برزخ (قبر) کے حالات سے آگاہ کریں۔

جواب: (۱) تاکہ عوام کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارشادات پر یقین ہو کہ جو کچھ وہ قبر کے ثواب و عذاب کو حق فرما گئے وہ یقیناً حق ہیں۔

(۲) حضرت خالد علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی اصل غرض یہ تھی کہ دنیا کے باشی انبیاء علیہم السلام کے تمام احکام کو حق مان کر ایمان لائیں اور اُن پر ثابت قدم رہیں بالخصوص قبر کے حالات کہ وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں لیکن جب انبیاء علیہم السلام نے بتائے ہیں تو اَن دیکھی بات پر یقین کر لیں۔ اس طرح وہ اہلِ دنیا پر رحمت کرنا چاہتے تھے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ انہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ کے قُرب کا شرف نصیب ہوا۔

ف: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ دنیا داروں کے لیے رحمت ہی رحمت تھے۔

ف: نیز یہ بھی واضح ہوا کہ وہ نبی یا رسول نہیں تھے البتہ وہ اپنی اس کارگزاری سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید کر کے اپنا مرتبہ بڑھانا چاہتے تھے ورنہ وہ تبلیغ احکام کے لیے مامور من اللہ نہ تھے نیز ان کا یہ ارادہ تھا کہ برزخ کے حالات بتا کر مقامِ رسالت سے کچھ حصہ لے لیں تاکہ مخلوق اس عقیدہ میں معلومات حاصل کر کے اپنے عقائد میں پختگی حاصل کرے۔ لیکن آپ کی قوم آپ کے علوم و فیوض سے محروم ہو گئی۔

سوال: اگر خالد بن سنان نبی نہیں تھے تو حضور علیہ السلام نے انہیں وصفِ نبوت سے کیوں سرفراز فرمایا

کما قال اضاعوا نبیھم الخ۔

جواب: نبی بایں معنی کہ وہ پیغامات نبی سے اپنی قوم کو مستفیض و مستفید فرمانا چاہتے تھے۔ ان کی قوم محروم ہوگئی۔ ان کی اس پیغام رسانی کی بنا، پر انہیں نبی کے لفظ سے موصوف فرمایا۔ کذا فی الفصوص و شروحہ۔

ف: تمام علماء کا اتفاق ہے حضور علیہ السلام کی ولادت پیر کی رات دسویں ربیع الاول کو ہُوئی اور عام الفیل وہی سال تھا جب آپ کا ظہور ہُوا۔ تمام کائنات آپ کے ظہور سے فیضیاب ہُوئی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق انسانی کے قلوب منوّر ہوئے۔ پھر جسے ہدایت نصیب ہُوئی وہ خوش قسمت ہُوا، اور جس نے آپ سے منہ پھیرا وہ گمراہ ہوگیا ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
آتش کرا بسوزد گر بُولہب نباشد

ترجمہ: عشق کے کارخانہ میں کُفر ناگزیر ہے، اگر ابُولہب نہ ہو تو آگ کسے جلائے گی۔

سوال: آیۂ ہٰذا میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی علیہ السلام کو اپنی طرف مضاف فرمایا کما قال رسولنا الخ

جواب: چونکہ یہاں پر رسالت کا فائدہ قوم کی طرف راجع نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا مگر جب اس کا فائدہ قوم کی طرف راجع ہونا مطلوب تھا تو فرمایا لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ۔ اس لئے کہ اس مقام پر رسالت کا فائدہ انہی کی طرف راجع ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے اور ہر وقت وعدہ وعید پر نگاہ رکھے اس لیے کہ وہ بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے ہیں۔ پھر کل قیامت میں کسی طرح کا عذر قابلِ قبول نہ ہوگا۔

حدیث شریف حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ میں جمع تھے تو فرمایا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہُوں، اور یہ بھی مانتے ہو کہ قرآن (پاک) اللہ تعالیٰ سے نازل ہوا ہے"۔ سب نے کہا: ہاں، ہم سب کا ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا: تو تمہیں مبارک ہو اس لیے کہ قرآنِ پاک کا ایک کنارہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھ میں ہے تمہیں لازم ہے کہ تم اس قرآن پاک کا دامن خُوب تھامو، اس طرح سے نہ تم ہلاک ہو گے نہ گمراہ ہو گے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ
أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوكًا ۖ وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ
ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى أَدْبَارِكُمْ
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰى إِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَإِنَّا لَنْ
نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَإِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ
أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَإِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَ
عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰى إِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا
أَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝
قَالَ رَبِّ إِنِّيْ لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِيْ وَأَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝
قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ
عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ: اور جب موسٰی نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر کئے اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وُہ دیا جو آج سارے جہان میں کسی کو نہ دیا اے قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے اور پیچھے نہ پلٹو کہ نقصان پر پلٹو گے، بولے اے موسٰی اس میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں اور ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم وہاں جائیں دو مرد کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اللہ نے انہیں نوازا، بولے کہ زبردستی دروازے میں ان پر داخل ہو اگر تم دروازے میں داخل ہو گئے تو تمہارا ہی غلبہ ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے بولے اے موسٰی ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں ہیں تو آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں موسٰی نے عرض کی کہ اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو ان بے حکموں سے جُدا رکھ فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم ان بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اے قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام یاد کرو اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ جبکہ تمہاری برادری سے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پیدا فرمائے۔ انہوں نے تمہیں راہِ حق بتایا اور تم ان کی وجہ سے عوام میں معزز مکرم سمجھے جاتے ہو۔ عالمِ دنیا میں یہ شرف صرف بنی اسرائیل کو نصیب ہوا کہ اُنہیں میں بکثرت انبیاء پیدا ہوئے۔ اور قاعدہ ہے کہ برادری میں انبیاء کا پیدا ہونا ان کی قوم کی بہت بڑی شرافت و بزرگی ہے، اور نبوت کی شرافت سے بڑھ کر اور کون سی بزرگی ہوگی وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اور تمہاری برادری اور قوم سے ہی بادشاہ ہوئے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح ان میں بادشاہ بھی بہت پیدا ہوئے۔ بادشاہت بھی منّت و احسان ہے اس لیے کہ بادشاہوں کی برادری کے لوگ دوسروں پر فخر و ناز سے کہتے ہیں کہ ہم تو بادشاہ ہیں۔

ف : حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہاں پر ملوکًا بمعنے احرار ہے۔ یعنی فرعون کی شاہی میں تم قبطیوں کے غلام تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزاد و خود مختار بنایا حالانکہ اس سے قبل قبطیوں کے تابع ہو کر انہیں جزیہ ادا کرتے تھے۔

ف : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ملوکًا بمعنے اصحاب خدم وحشم ہیں، اس لیے کہ سب سے پہلے انہوں نے اپنے لیے خدام اور نوکر مقرر کیے۔ ورنہ ان سے پہلے یہ رسم نہ تھی۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ملوك سے وہ لوگ مراد ہیں جو آراستہ محلات و بلڈنگوں والے ہوں کہ وہاں آکر سکون و قرار پائیں اور ان کے خدّام بھی ہوں جن سے وہ خدمت کرائیں۔ اور ان اشخاص کو بھی ملوك کہا جاتا ہے کہ جن کی بہت بڑی کوٹھیاں ہوں کہ ان میں باغات لگے ہوں اور ان میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہو۔

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اور تمہیں وہ نعمتیں بخشیں جو دنیا میں اور کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ مثلاً دریا کا پھٹ کر راستہ دے دینا۔ تمہارے دشمنوں کا ڈوب کر مر جانا، اور تمہارے سروں پر بادل کا سایہ کرنا، منّ و سلوٰی کا نزول، اور دیگر وہ بڑے بڑے امور اللہ تعالیٰ نے صرف تمہیں عطا فرمائے۔

ف : العلمین سے ان کے زمانہ سے پہلے گزر جانے والے لوگ مراد ہیں۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ اے میری قوم اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ۔ اس سے بیت المقدس مراد ہے۔ اسے مقدس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین شرک سے پاک تھی، اور

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء کرام کی قیام گاہیں وہیں پر تھیں الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ اللہ نے
تمہارے لیے فرض فرمایا ہے یعنی لوحِ محفوظ میں پہلے لکھ دیا تھا کہ اگر تم ایمان لاؤ اور اطاعت کرو تو وہ تمہارا
مسکن رہے گی۔ چنانچہ آیت محرمۃ علیہم سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انہوں نے نافرمانی شروع کی تو پھر انہیں
وہاں سے نکال دیا اور پھر وہاں کا داخلہ اُن کے لیے حرام فرمایا وَلَا تَرْتَدُّوْا اور نہ لوٹو عَلٰٓی
اَدْبَارِکُمْ اپنے گٹوں پر، یعنی جبابرہ کے خوف سے وہاں جانے سے پیچھے نہ ہٹو کہ اس طرح سے تم
نافرمانوں میں ہو جاؤ گے۔

ف : یہ لا ترتدوا کے فاعل سے حال ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ اس کے متعلق ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ
کی نافرمانی کر کے پیچھے نہ ہٹ جاؤ۔

فَتَنْقَلِبُوْا پس جب تم لوٹو گے تو تمہارا حال یہ ہوگا خٰسِرِیْنَ کہ تم خسارہ والے ہو گے۔ یعنی
تم ثوابِ دارین سے محروم ہو جاؤ گے قَالُوْا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوامر و نواہی سنانے پر بے فرمانی
کے طور پر کہا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ اے موسیٰ علیہ السلام وہاں تو بہت بڑی
سرکش قوم بستی ہے۔ یعنی وہ ایسے قوت والے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ دراصل جبّار اسے
کہتے ہیں جو تمام لوگوں پر غلبہ رکھتا ہو اور وہ اپنی مرضی سے ان سے جس طرح چاہے کام لے۔ اسی طرح
جبار العالی بھی وہی ہے جو کسی پر غلبہ پا کر اپنی من مانی کرے۔

ف : ان کے اس انکار کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ برادری کے بارہ[۱۲] نمائندے جبابرہ کے حالات
کو دیکھ کر سخت مرعوب ہوئے اور واپس جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قوت و شوکت کا حال سُنایا
کہ وہ بڑے قدآور اور جسیم ہیں۔ ہمارا ایک آدمی تو ان کے قدموں کے برابر نہیں، یعنی ہم بالکل ضعیف و نحیف
اور چھوٹے قد والے ہیں اور وہ بہت بڑے، طویل القامت اور جسیم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ
اسے تم اپنے تک محدود رکھنا، کسی کو نہ بتانا کہ وہ کون ہیں کیا ہیں اور کس طرح ہیں لیکن وہ چونکہ آنکھوں سے مشاہدہ
کر چکے تھے اس لیے سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ اور اپنی برادری کو بھی ان کے حالات سے آگاہ کر دیا۔ صرف دو[۲]
بزرگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشادِ گرامی پر عمل کیا کہ کسی کو کوئی بات نہ بتائی، ان میں ایک یُوشع بن نون بن
افرائیم بن یوسف علیہ السلام، دوسرے کالب بن یوقنا جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی تھے اس لیے کہ وہ
بی بی مریم بنت عمران کے شوہر گرامی تھے اور وہ یہودا کی اولاد سے تھے۔ بہرحال دیگر سب نے بنی اسرائیل کو جبارین
کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا اس لیے سب نے یہی کہا کہ بیت المقدس میں تو بہت سرکش لوگ رہتے ہیں۔
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا اور ہم خود بخود تو اس میں ہرگز داخل نہیں ہونگے

اس لیے کہ ہمیں ان کے نکالنے کی طاقت نہیں فَاِنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡہَا ہاں اگر وہ کسی سبب سے یہاں سے نکل جائیں کہ اُن کے نکالنے میں ہمارا کسی قسم کا دخل نہ ہو فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ان کے نکل جانے کے بعد ہم داخل ہوں گے قَالَ رَجُلٰنِ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس انکار میں سب متفق تھے یا کوئی ان میں موسیٰ علیہ السلام کی حامی بھرنے والا تھا تو جواب میں فرمایا کہ ان میں دو مردوں نے کہا وہ یوشع اور کالب تھے مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ یعنی وہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جو دشمن سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، اور انہیں خوف تھا کہ ہم کہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مخالف نہ ہو جائیں۔ یہ رَجُلان کی صفت ہے اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمَا ان پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا کہ انہیں ثابت قدم رکھا اور انہیں شانِ الوہیت کی معرفت عنایت ہوئی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا بھروسہ تھا یہ رَجُلان کی دوسری صفت ہے ادۡخُلُوۡا عَلَیۡہِمُ الۡبَابَ ان پر دروازہ سے داخل ہو جاؤ۔ دروازہ سے جبابرہ کے شہر کا دروازہ مراد ہے اور وہ وہی اریحا ہے۔ علیہم پر تقدیم اہتمام کے لیے ہے کہ ذوالحال دروازہ ہے اس لیے کہ جبابرہ تک پہنچنا اسی دروازہ سے ہوگا فَاِنَّکُمۡ غٰلِبُوۡنَ بے شک تم ہی غلبہ پاؤ گے جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی اس لیے کہ ہم نے انہیں غور و خوض سے دیکھا کہ وہ دل کے نہایت ہی کمزور ہیں اگرچہ جسموں کے لحاظ سے موٹے ہیں ان سے بالکل نہ گھبراؤ بلکہ اُن پر تنگ راستوں میں حملہ کر دو کہ اس طرح سے انہیں بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکے گی وَعَلَی اللّٰہِ اور صرف اللہ تعالیٰ پر فَتَوَکَّلُوۡۤا اسباب جنگی تیار کرکے صرف اسی اللہ تعالیٰ پر سہارا کرو، باقی تمام اعتمادات ختم کرو اس لیے کہ دوسرے تمام اسباب میں کسی قسم کی تاثیر نہیں کچھ فتح و نصرت ہوگی تو اللہ تعالیٰ سے ہوگی اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ اگر تم مومن ہو۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہو تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس پر لازماً توکل کرو قَالُوۡا ان دونوں مذکوروں کی بات کی پروا کئے بغیر اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہنے لگے یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَہَاۤ اے موسیٰ ہم تو جبابرہ کے شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے اَبَدًا ہمیشہ تک یعنی بہت عرصہ دراز تک مَّا دَامُوۡا فِیۡہَا جب تک وہ اس میں ٹھہرے رہیں گے یہ ابدًا سے بدل البعض واقع ہوا ہے اس لیے کہ ابدًا غیر منتہی زمانہ کا مقتضی ہے اور جبابرہ کا بیت المقدس میں رہنا اس کا بعض حصہ ہے فَاذۡہَبۡ یہ فاء فصیحہ ہے یعنی جب ہماری یہ بات ہے تو تم جاؤ اَنۡتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اور تمہارا رب جائے اور تم دونوں جا کر لڑو۔ یہ بات انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استہزاء اور اہانت کے طور کہی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی قدر و منزلت اُن کے دلوں سے

اُٹھ گئی تھی۔ اس کا حقیقی معنیٰ اُن کی مراد ہرگز نہیں تھی اس لیے کہ سوائے مجسمہ فرقہ کے باقی کسی سے ثابت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرتے، اور جانا آنا جسمانیت کو مستلزم ہے جس سے معلوم ہُوا کہ انہوں نے حقیقی معنیٰ مراد نہیں لیا تھا بلکہ استہزاء اور اہانت کی اِنَّا ھٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان سے یہ سرکشی اور ہٹ دھرمی دیکھی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں رقیق القلب ہو کر نہایت ہی حزین وغمگین ہو کر عرض کیا اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آتا اور بندے کو جلد تر فتح ونصرت نصیب ہو جاتی ہے رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ اے میرے رب اب تو صرف میں اپنا اور اپنے بھائی کے لیے دم بھر سکتا ہُوں کہ صرف ہم دو ہی آپ کے ارشاد کی تعمیل کیلئے حاضر ہیں فَافْرُقْ بَيْنَنَا اس سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنا اور اپنے بھائی کا ارادہ فرمایا۔ اور فاء ترتیب کے لیے ہے اور دُعا کا اصلی منشاء وہی مضمون سابق ہے وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ یعنی ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان جُدائی ڈال دے جو کہ تیری اطاعت سے نکل کر نافرمانی پر ڈٹے ہوئے ہیں اب وہ کیجئے جس کے ہم مستحق ہیں اور جس کے وہ مستحق ہیں قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنَّهَا وُہ بیت المقدس مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ان پر حرام ہے۔ اس سے عدم داخلہ مراد ہے نہ کہ عبادت کی حرمت کہ اب وہ بیت المقدس میں داخل ہونگے نہ اس کے مالک ہونگے۔ اس لیے کہ اس کا داخلہ اور ملکیت مشروط بالایمان والجہاد تھی جبکہ انہوں نے ایمان وجہاد سے انکار کیا، اور وعدہ خلافی کی، تو اس کے داخلہ سے محروم ہو گئے اور خائب وخاسر ہو کر لوٹے۔

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً چالیس سال تک۔ یہ محرّمة کا مفعول فیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان پر بیت المقدس کی تحریم مُوقت تھی جس کی مدّت چالیس سال تھی نہ کہ دائمی۔

سوال: کتب اللّٰہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرمت ان پر دائمی تھی۔

جواب: کتب اللّٰہ سے بھی یہی مراد ہے کہ مدت مذکورہ میں ان میں کوئی بھی بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکے گا، اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ اس مدّت کے بعد بھی اُن کے بعض داخل ہوں گے نہ کہ تمام (اس لیے کہ اس مدّت میں بعض لوگوں کو موت بھی آئیگی)

يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ زمین یعنی جنگل میں حیران پھرتے رہیں گے۔ محرومی کی مدّت کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے فَلَا تَاْسَ غم نہ کھائیے اسیٰ بمعنے الحزن ہے۔ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن پر دُعا مانگنے سے غمگین ہُوئے کہ میں نے ان پر بد دعا کر کے اچھا نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملال نہ کیجئے آپ نے جو کچھ کیا درست کیا اس لیے کہ وہ اس کے مستحق تھے کہ وہ اس فسق کی سزا میں چالیس سال تک جنگل میں حیران پھرتے رہیں۔

ف : مروی ہے کہ چھ سو جنگی تھے اور حیران پھرنے کا جنگل میں اٹھارہ میل کا احاطہ تھا سارا دن چلتے رہتے تھے صبح کو آگے کی منزل کا ارادہ کرتے لیکن جہاں سے کل صبح کو روانہ ہُوئے تھے آج بھی ان کے لیے وہی کل والی منزل ہوتی یعنی تیلی کے بیل کی طرح اُن کی منزل کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سورج کی گرمی سے ان کے سروں پر بادل سایہ کرتا تھا اور رات کے وقت ان کے لیے ان کے ایک ستون روشن ہو جاتا تھا اور کھانے پینے کے لیے ان پر من وسلوٰی اُترتا تھا۔ اس سفر میں ان کے بال بھی نہیں بڑھتے تھے اور ان کا کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس پر ناخن کی طرح ایک کپڑا ہوتا تھا جو اس بچّے کے قد کے مطابق ہوتا تھا اور اُن کے لیے پانی انہی پتھروں سے نکلتا تھا جو وہ اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تھے باوجودیکہ سزا یافتہ تھے لیکن ان پر انعامات بھی تھے اس لیے کہ لبطور ادب سکھانے کے تھا، نہ کہ لبطور سزا کے۔

ف : بعض روایت میں ہے کہ حضرت موسٰی و ہارون علٰی نبینا وعلیہما السلام بھی ساتھ تھے، لیکن ان کے لیے راحت وفرحت تھی اور دوسروں کے لیے سزا جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لیے نارگلزار اور سلامتی و راحت و سرور بن گئی اور دُوسروں کی نظروں میں وہ آگ تھی۔

اعجوبہ حضرت موسٰی وحضرت ہارون علیہما السلام بنواسرائیل کی نحوست سے اُن کے ساتھ چالیس سال جنگل میں رہے اور بنواسرائیل حضرت موسٰی وحضرت علیہما السلام کی برکت سے بادلوں نے سائے کئے اُن پر مَن وسلوٰی نازل ہوا تاکہ واضح ہو جائے کہ بزرگوں کی صحبت میں کیا برکت ہوتی ہے، اور بدبختوں کی صحبت میں کتنی نحوست (کذا فی التاویلات)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ملول ہمرہاں بودن طریق کاردانی نیست
بکس دشواریٔ منزل بیاد عہد آسانی

ترجمہ : رفقاء کے ساتھ ملال سے سفر کرنا اچھا کام نہیں عہد کی یاد سے دشوار راہ بھی آسانی سے طے ہوتے ہیں۔

واقعہ فتح بیت المقدس

مروی ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام چالیس سال کے بعد اس جنگل سے بیت المقدس کو روانہ ہُوئے۔ لشکر جتنا باقی رہا وہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ حضرت یُوشع بن نُون آپ کے لشکر کے آگے آگے تھے اور جاتے ہی جبابرہ سے جنگ چھیڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یُوشع کو فتح عطا فرمائی پھر وُہ اپنی باقیماندہ زندگی گزار کر فوت ہوئے اُن کا مزار بالکل مخفی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

ف : عوج بن عنق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا۔ اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کا واقعہ

حضرت سدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کی وفات کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں ہارون پر موت طاری کرنا چاہتا ہوں فلہذا انہیں فلاں پہاڑ پر لائیے۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام دونوں پہاڑ کی طرف چل پڑے، وہاں پہاڑ پر ایک درخت تھا کہ اس جیسا نہ کسی نے کبھی دیکھا اور نہ کوئی درخت اس جیسا پیدا ہوا، نیچے ایک بہترین کوٹھی تھی جس میں ایک عجیب پلنگ بچھا ہوا تھا، اس پر ایک عجیب بستر تھا اس میں سے بہت خوشبو آرہی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اسے دیکھ کر بہت پسند کیا اور کہا میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس پلنگ پر تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سو جائیے۔ جب ہارون علیہ السلام اس پلنگ پر سوئے تو آپ کے پاس ایک فرشتہ آسمان سے اُترا اور رُوح قبض کرنے لگا۔ جب ہارون علیہ السلام کی رُوح قبض کر لی گئی تو نہ وہ گھر رہا نہ وہ درخت جس تخت پر حضرت ہارون علیہ السلام آرام فرمارہے تھے وہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہاں اکیلے واپس تشریف لائے تو سب نے کہا کہ آپ نے بر بنائے حسد ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے اس لیے کہ وہ ہماری طرفداری کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: بے وقوفو! وہ میرے بھائی تھے، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں انہیں قتل کر دوں گا۔ سب نے کہا: ہمارا تو ایسا ہی گمان ہے۔ اور اسی پر بضد ہوئے۔ آپ نے دوگانہ پڑھا اور دُعا مانگی تو آسمان سے ہارون علیہ السلام کا تخت اترا، جس سے انھیں تصدیق ہُوئی۔

ف : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام پہاڑ پر چڑھے تو وہاں پر ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہاں واپس آئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ آپ نے ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر آپ کو بنی اسرائیل نے بہت زیادہ ستایا۔ آپ نے دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ہارون علیہ السلام کا تخت اُٹھا کر بنی اسرائیل کے سامنے لے چلیں اور فرشتے ان کے سامنے بولیں کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں۔ اس سے بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے قصور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت فرمائی۔ پھر ہارون علیہ السلام کو ملائکہ نے ایک جگہ دفنا دیا۔ آپ کے مزار کا علم سوائے رخم یا فی کے کسی کو نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے گونگا بہرہ بنا دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسٰی علیہ السلام نے زندہ کیا

حضرت عمرو بن میمونہ سے مروی ہے کہ ہارون و موسٰی علیہما السلام جنگل میں فوت ہوئے لیکن ہارون علیہ السلام موسٰی علیہ السلام سے پہلے فوت ہوئے۔ دراصل وہ دونوں اکٹھے غاروں کی طرف چل دئے۔ ہارون علیہ السلام پر موت واقع ہوئی، موسٰی علیہ السلام نے اسے دفنا دیا اور اکیلے بنی اسرائیل کے ہاں تشریف لائے تو سب نے آپ پر الزام لگایا کہ آپ نے ہی انہیں قتل کیا ہے اس لیے کہ وہ ہماری طرفداری کرتے تھے۔ آپ کو اس کا دُکھ ہُوا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سب کو ہارون علیہ السلام کے مزار پر لے جایئے ان کی تسلی ہو جائے گی۔ آپ ان کو ہارون علیہ السلام کے مزار پر لے گئے اور مزار پر کھڑے ہو کر کہا: اے ہارون (علیہ السلام)۔ یہ سُنتے ہی ہارون علیہ السلام مزار سے سر جھاڑتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا: اپنے مزار میں واپس تشریف لے جایئے۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل واپس چلے گئے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام کے وصال کا واقعہ

ابن اسحاق نے فرمایا کہ موسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب تھے اور انھیں موت ناگوار تھی اور سمجھتے کہ موت کوئی سخت معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ انہیں موت سے محبت ہو جائے اس لیے حضرت یوشع کو نبوت کی خبر دی گئی، اور وہ روزانہ صبح و شام موسٰی علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوتے۔ موسٰی علیہ السلام نے یُوشع سے پُوچھا: بتایئے آپ کے ہاں اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے، اس کا مضمون کیا کیا ہے؟ یوشع نے عرض کی: میں نے آپ کے ہاں عرصۂ دراز بسر کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عنایت فرمایا میں نے اسے کبھی نہیں پُوچھا بلکہ آپ خود ہی بیان کرتے ہیں مَیں بھی اپنی بات ابھی آپ کو نہیں بتاتا۔ اس لیے اب موسٰی علیہ السلام کو زندہ رہنا پسند نہ آیا اور چاہتے کہ موت آجائے۔

عزرائیل علیہ السلام کو حضرت موسٰی علیہ السلام کو تھپڑ مارنے کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے حضرت موسٰی علیہ السلام کے ہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بلاتا ہے۔ موسٰی علیہ السلام نے اسے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ نکال دی۔ چنانچہ عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا اللہ! آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا جو موت چاہتا ہی نہیں، اُلٹا تھپڑ مار کر میری آنکھ نکال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: واپس جا کر میرے بندے سے عرض کیجئے کہ آپ اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے

نیچے آئیں گے اتنے سال آپ کو عمر عطا کی جائیگی۔ عزرائیل نے کہا: پھر موت تو ضرور آئے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، تو پھر ابھی جان لے لیجئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے عرض کی، اے اللہ العالمین! مجھے ارض مقدسہ کے تیر پھینکنے کی مقدار قریب کر دے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور آپ کا وصال ہو گیا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں کثیب احمر کے نزدیک بجانب شارع عام اُن کا مزار دکھاتا۔

اہلِ بدعت کی علامت اور وہابیت کا رد حضرت محمد بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ نکالنے کا واقعہ صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے اس کا انکار صرف بدعتی کرتے ہیں[1] (کذا فی تفسیر الثعلبی)۔

حدیث شریف: ایک اور حدیث شریف میں ہے:

ان ملك الموت كان يأتي الناس عيانا حتی اتی موسی لیقبضه فلطمه ففقأ عينه فجاء ملك الموت بعد ذلك خفية۔

ملک الموت رُوح قبض کرنے کے لیے کھلم کھلا تشریف لاتے، ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے لیکن جب سے انہوں نے ان کی آنکھ نکالی تو اب پوشیدہ طور پر رُوح نکالنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ حضرت وہب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر تشریف لے گئے، دیکھا کہ ملائکہ کرام ایک قبر کھود رہے ہیں۔ آپ نے اس جیسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اس لیے کہ انہیں اس قبر کے اندر سے بہترین باغات اور سبزیاں اور رونقیں نظر آئیں۔ آپ نے ملائکہ کرام سے پوچھا کہ یہ قبر کس کے لیے کھودی جا رہی ہے؟ ملائکہ نے عرض کی: ایسے نیک بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر وہ کتنا خوش نصیب ہو گا جسے ایسے حسین منظر میں رہنا نصیب ہو گا۔ ملائکہ کرام نے عرض کی: آپ چاہیں تو آپ کو ہی یہ منظر نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا: میں تو چاہتا ہوں۔ ملائکہ کرام نے عرض کی، تو پھر تشریف لائیے اور اس میں لیٹ جائیے اور اپنے رب تعالیٰ سے عرض کیجئے تاکہ

---

[1] ہم نے تجربہ کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کا دیوبندیہ انکار کر جاتے ہیں۔ حقیقۃً بدعتی فرقہ دورِ حاضرہ میں یہی ہیں ۱۲ اویسی غفرلہٗ

آپ کی رُوح قبض فرمالے اور آپ کو یہی جگہ دے دے ۔ چنانچہ آپ اس قبر کے اندر تشریف لے گئے اور مجرد سونے کے چند سانس نکلے اور آسانی سے رُوح پرواز کر گئی ، اس کے بعد ملائکہ کرام نے آپ کی قبر کے اوپر مٹی ڈال دی ۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ عزرائیل علیہ السلام آپ کے ہاں بہشت کا ایک خوشبودار پھول لائے جسے آپ نے سُونگھا تو رُوح پرواز کر گئی ۔

حضرت یُوشع کی نبوت کا واقعہ

مروی ہے کہ حضرت یُوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آپ نے اُن سے پُوچھا کہ موت کی کیفیت کیسی ہے ؟ انہوں نے کہا : بہت سخت ہے ۔ یُوں سمجھئے کہ جیسے زندہ بکری کی کھال اُتار دیجئے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال کی عمر میں فوت ہُوئے ، اس کے چالیس سال بعد حضرت یوشع علیہ السلام کو اظہارِ نبوت کا حکم ہُوا اور ساتھ ارشاد ہُوا کہ جبارہ سے جنگ کیجئے ۔ آپ نے اپنی قوم کو حکم سنایا تو بنی اسرائیل نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کے حکم کی تابعداری کا دم بھرے ۔ آپ جبارہ کی جنگ کے لیے اریحا کی طرف روانہ ہُوئے آپ کے ساتھ عہد و پیمان کا صندوق بھی تھا ۔ چھ ماہ تک جبارہ کے شہر کا محاصرہ کیا ۔ جب ساتواں مہینہ شروع ہُوا تو قرن پھُونکے جس سے شہر کے کنارے حرکت میں آ گئے ۔ اس سے شہر کی دیواریں گر پڑیں تو آپ شہر میں داخل ہو گئے اور جبارہ سے لڑائی ہوئی ۔ جبارہ مارے جا رہے تھے بنی اسرائیل باوجودیکہ ان کی نسبت قد میں چھوٹے تھے لیکن ان کی گردنوں سے چمٹ جاتے ۔ جتنا زور لگا کر اس کی گردن کاٹتے لیکن گردن کاٹی نہ جاتی ۔ جمعہ کے دن جنگ ہُوئی شام تک لڑائی جاری رہی اُدھر سُورج ڈُوبنے کو آیا ۔ ہفتہ کی شب شروع ہونے لگی لیکن جبارہ کے کچھ آدمی باقی تھے انہیں قتل کر لیں تو مکمل فتحیابی ہو ۔ اس لیے یوشع علیہ السلام نے کہا : یا اللہ ! سُورج لَوٹا دے ۔ اُدھر سورج سے خطاب فرمایا کہ اے سُورج ! تو اپنی جگہ پر رہ تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی پُورے طور پر بیخ کنی کر لوں ۔ چنانچہ سورج گھڑی بھر ٹھہر گیا ، یہاں تک کہ آپ نے جبارہ کا مکمل طور پر خاتمہ کیا ۔ اُس کے بعد شام کے اکتیس بادشاہوں نے خود بخود اپنے آپ کو حضرت یُوشع کے حوالے کر دیا اس طرح پُورے ملک پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا ۔

یُوشع بن نُون کا وصال اور خیانت کی سزا

حضرت یُوشع علیہ السلام نے شام کو قبضہ کرتے ہی بنی اسرائیل کے علاقے تقسیم کر دئے اور مالِ غنیمت جمع فرمایا ۔ لیکن اُن کے صدقات کو کھانے کے لیے بدستور آگ نازل ہوئی ۔ آپ حیران ہُوئے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اندر ایک بدقسمت نے خیانت کی تھی ۔ اس کا ہاتھ یوشع علیہ السلام سے چمٹ گیا ۔ آپ نے فرمایا ، اے بدبخت !

(باقی برصفحہ ۲۰۴)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ
يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ لَئِنْۢ
بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ
رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ
ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۚ ○ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ○ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ
قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ
مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚۛ ○ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ
اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ
ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ○ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ
يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ع

ترجمہ : اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک کی نیاز پیش کی
تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی ، بولا قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا ، کہا اللہ اسی
سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا
ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں ، میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا
میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تو دوزخی ہو جائے اور
بے انصافوں کی یہی سزا ہے ، تو اس کے نفس نے اُسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو
رہ گیا نقصان میں تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے
بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا
اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں

فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جِلا لیا اس نے گویا سب لوگوں کو جِلا لیا اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بے شک ان میں بہت اس کے بعد زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سُولی دئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دُور کر دئے جائیں یہ دنیا میں ان کی رُسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب، مگر وہ جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۲۰۴)

تیری نحوست سے ہم تنگ آگئے، جاکر اپنی خیانت کا تمام مال لا۔ وُہ جاکر ایک بیل کے سر کے برابر سونا لایا جس پہ چند یاقوت و جواہر جڑے ہُوئے تھے۔ آپ نے اُسے قربان کرنے کے لیے فرمایا۔ آگ آئی اور اُس خیانتی سمیت جلا کر راکھ بنا گئی۔ اس کے بعد حضرت یُوشع کا وصال ہُوا اور جبل افرائیم میں مدفون ہُوئے۔ آپ کی عمر اس وقت ایک سو چھبیس [۱۲۶] سال تھی۔ اور بنی اسرائیل میں موسٰی علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ نے ستائیس [۲۷] سال بسر کیے۔

ے جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفرین بند و بس

ترجمہ: اے بھائی! یہ جہان کسی کے ساتھ نہ رہے گا، خالق کے ساتھ ہی وابستگی رکھ۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۲۰۳)

تفسیر عالمانہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اہلِ کتاب کو پڑھ کر سنا یئے نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ آدم کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کا واقعہ بِالْحَقِّ جو کہ حق یعنی سچا واقعہ ہے۔

حقیقی بہن سے نکاح کا بیان علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بی بی حوّا ایک وقت دو بچّے نر و مادہ (لڑکا اور لڑکی) جنتی تھیں، صرف شیث علیہ السلام تنہا پیدا ہوئے۔ بی بی حوّا کے ہاں ایک بچّہ قابیل اور اس کی بہن اقلیما پیدا ہوئے پھر ہابیل اور اس کی بہن لیوذا پیدا ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اقلیما کا نکاح ہابیل سے اور لیوذا کا نکاح قابیل سے کر دیجئے۔ یہ اس لیے کہ اس وقت سوائے ایسی صورت بنانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چونکہ

اقلیما لیوذا کی نسبت زیادہ حسین تھی قابیل نے چاہا کہ اس سے میں خود نکاح کروں اس لیے آدم علیہ السلام سے ناراض ہُوا اور کہا کہ یہ حکمِ الٰہی نہیں، آپ نے خود اپنی طرف سے فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں قربانیاں پیش کرو جس کی قربانی قبول ہو جائے وہی اقلیما سے نکاح کرے۔ چنانچہ دونوں نے قربانی کی۔ ہابیل کی قربانی کو آگ کھا گئی اور قابیل کی قربانی پڑی رہی۔ اس سے قابیل کے حسد کی آگ بھڑکی تو بھائی سے وہی سلوک کیا جو اوپر مذکور ہُوا۔ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا اِذ ظرف ہے اور نبأ کے متعلق ہے۔ قربان اس شئے کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قُرب اور اس کی رضا کی خاطر خرچ کی جائے، جانور ذبح کرکے یا صدقہ کے طور کوئی اور شئے۔

سوال: قربانیاں دو تھیں لیکن یہاں واحد کا ذکر ہے۔

جواب: قربان مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد تثنیہ اور جمع سب پر برابر ہوتا ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ جبکہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی پیش کی تو۔

فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہُوئی۔ اس سے حضرت ہابیل مراد ہیں۔ آپ چونکہ جانوروں والے تھے اس لیے ایک موٹا اُونٹ یا دُنبہ اور دُودھ مکھن قربانی کے طور پر پیش کیا۔ آسمان سے دھوئیں کے بغیر ایک سفید آگ اُتری اور اسے کھا گئی۔ لیکن ان دونوں کی قربانیوں کو پیش کرنے پر حضرت آدم علیہ السلام نے دعا مانگی: "یا اللہ! جس کی قربانی تیرے ہاں قبول ہو اس کے لیے آگ بھیج تاکہ وہ مقبول قربانی کو کھا جائے۔" اُن کے لیے دستور بھی یہی تھا کہ قربانیوں میں سے جو قبول ہوتی اس کے لیے آگ آسمان سے اُترتی اور اُسے کھا جاتی اور جس کی قربانی قبول نہ ہوتی تو آگ نہ اُترتی اور وہ ویسے ہی پڑی رہتی جسے پرندے اور درندے کھا جاتے۔

سوال: اس طرح سے تو تضییعِ مال ہے اور یہ ہر طرح ناجائز ہے پھر یہ کیسے بنا۔

جواب: چونکہ اس وقت کوئی محتاج اور فقیر نہ تھا جسے ایسی قربانی کھانا روا ہو اس لیے اس کی قبولیت کی علامت یہی تھی کہ آگ آئے اور اُسے کھا جائے۔

اعجوبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہابیل کی قربانی کو وہ آگ اڑا کر بہشت میں لے گئی اس کی تربیت ہوتی رہی جو پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے فدیہ بنی۔

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قابیل کی قربانی نامنظور ہُوئی، وہ کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا اس نے اپنے مال سے گندم کے دانے قربانی کے لیے پیش کئے لیکن آگ نے اُسے چھُوا تک نہیں اس لیے کہ اس پر اللہ تعالیٰ ناراض تھا، ویسے قربانی کے وقت اس کی نیت بھی خالص نہیں تھی اس لیے قربانی کے وقت بھی گندی اور خراب گندم پیش کی۔ اس کے بعد دونوں پہاڑ سے اُترے۔ قابیل غصہ سے بھرا ہُوا تھا کہ

اُس کی قربانی کیوں نامنظور ہوئی، الٹا اس کے بعد اس کے حسد کا مرض بڑھتا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام مکہ معظمہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جب اپنے باپ کو غیب پایا تو اپنے بھائی ہابیل کو جو اس وقت بکریاں چرا رہا تھا قتل کرنے کے لیے چلا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَ جس کی قربانی نامنظور ہوئی اُس نے کہا لَاَقْتُلَنَّكَ بخدا میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ ہابیل نے کہا: وہ کیوں ؟ قابیل نے کہا اس لیے کہ تیری قربانی کیوں منظور ہوئی اور میری نامنظور۔ دوسرے تُو نے میری حسین وجمیل بہن سے نکاح کیا اور مجھے تُو نے اپنی قبیح صورت اور کالی کلوٹی بہن سے بیاہ دیا۔ اب لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے تُو مجھ سے افضل واعلیٰ ہے اسی طرح سے تیری اولاد میری اولاد پر فخر کرے گی، یہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گا فلہٰذا میں تجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ قَالَ اس نے کہا جس کی قربانی قبول ہوگئی تھی یعنی ہابیل نے کہا اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ اس میں میرا کیا قصور ہے اللہ تعالیٰ تو اس کی قربانی قبول کرتا ہے مِنَ الْمُتَّقِيْنَ جو متقین سے ہو۔ دوسروں کی قربانی اس کے ہاں نامنظور رہوتی ہے۔ قبولیت وعدمِ قبولیت تقوی وعدمِ تقوی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ حقیقی تقویٰ یہی ہے کہ انسان ہر وقت خوفِ الٰہی میں رہے اور اپنی کوتاہی سے ہر وقت ڈرتا ہے اور سمجھے کہ مُجھ سے طاعتِ الٰہی میں ہزاروں کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ طاعات بھی اس غرض پر نہ بجا لائے کہ اس سے کوئی دُنیوی و اُخروی فائدہ حاصل ہو گا بلکہ صرف رضائے الٰہی مدِ نظر ہو اور بس، ورنہ اگر کوئی تصور سامنے رکھا تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ لیکن سُن لے اے بھائی! بیشک اگر تُو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تاہم میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا، اس لئے کہ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا۔

مروی ہے کہ ہابیل قابیل سے قوت وطاقت میں کئی گنا زیادہ تھا لیکن اس کے باوجود قابیل پر جوابی کارروائی نہ کی اور نہ ہی قتل سے بچنے کی کوئی تدبیر کی بلکہ الٹا سرِ تسلیم خم کر دیا، صرف اس لیے کہ کہیں اللہ تعالے ناراض نہ ہو جائے۔

سوال: یہ تو حرام موت اور خودکشی ہوئی اس لیے کہ انسان کو جان بچانا فرض ہے۔

جواب: اس وقت ان کی شریعت کا حکم یُونہی تھا کہ اگر کوئی قتل کرنے کے لیے آمادہ ہو تو وہ بجائے جوابی کارروائی کرنے کے سر جُھکا دے۔

مسئلہ: حضرت بغوی نے فرمایا کہ اب بھی ہماری شریعت میں یہی حکم ہے کہ اجر وثواب کے لیے بجائے جوابی

کارروائی کرنے کے، قاتل کے سامنے سر جھکا دے جیسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

إِنِّىٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓأَ بِإِثْمِى وَإِثْمِكَ ہابیل نے جوابی کارروائی سے رُک جانے کا سبب بتایا کہ اگرچہ حقیقی طور پر مجھے خوفِ الٰہی نے روک دیا ہے لیکن دُوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میں چاہتا ہُوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی پلے پڑے۔

سوال : انّی ' اخاف اللہ الخ پر عطف ڈالنے کے لیے حرف عاطفہ کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب : تاکہ اشارہ ہو کہ اس کی جوابی کارروائی نہ کرنا دونوں علیحدہ مستقل سبب ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں اس لیے سر جھکا چکا ہوں اور تجھ سے لڑنے سے اس لیے باز رہا ہُوں کہ میرے گناہوں کی شامت بھی تیرے سر ہو کر میں تیرے لیے جوابی کارروائی کروں اور تیرے گناہوں کا بوجھ بھی تیرے سر ہو کر تو مجھے قتل کر کے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے ؛

المستبان ما قالا فعلی البادی مالم یعتد المظلوم۔	دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو گالی دینے والے گناہ میں برابر کے شریک ہیں پھر ابتداء کرنے والا جو دوسرے کو گالی دیتا ہے اگر مظلوم (جسے گالی دی گئی ہے) جوابی کارروائی میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

یعنی گالی دینے والے پر اپنا گناہ بھی ہے اور مظلوم نے جتنی گالیاں اسے دیں اُن کا گناہ بھی، اس لیے کہ دوسرے کی گالی کے گناہ کا سبب یہی بنا ہے بإثمی و اثمك دونوں منصوب علی الحالیۃ ہیں، دراصل عبارت یُوں ہے ترجع متلبسا بالاثمین حاملا لهما یعنی تُو میرے قتل سے دو گناہوں میں ملوث ہوگا اور ان دونوں کا گناہ تیرے سر پہ ہوگا۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں گناہ سے ملوث ہونا نہیں چاہتا۔ اس سے یہ مفہوم لینا ناموزوں ہے کہ وُہ اپنے بھائی کو گناہ میں ملوث کرنے کی بات کر رہا تھا۔

فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ پھر تُو آخرت میں جہنمیوں میں سے ہوگا وَذَٰلِكَ اُس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصحابِ نار میں سے کیوں ہے، وہ اس لیے کہ جَزَٰٓؤُا۟ ٱلظَّٰلِمِينَ جو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے حکم سے راضی نہیں، اس ظالم کی سزا یہی ہے کہ وہ جہنم میں جائے۔ فَطَوَّعَتْ لَهُۥ نَفْسُهُۥ قَتْلَ أَخِيهِ بالآخر اس قابیل کو اپنے بھائی ہابیل کے قتل پر اُس کے نفس نے اُبھارا۔ فطوعت : لہٗ. طاع له المرتع سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کسی معاملہ میں وسعت اور سہولت

حاصل ہوا سے نہ تو اس میں تنگی ہو اور نہ کوئی حرج، اس لیے کہ انسان جب غور و فکر سے کام لے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے بھائی کو ناحق قتل کرنا شرعاً و عقلاً ناجائز بلکہ اس سے طبعی طور پر بھی بہت نفرت و کراہت ہوتی ہے جس سے الٹا خود نفس ایسے کام کرنے سے دُور بھاگتا ہے لیکن نفسِ امّارہ پر درندگی کی صفت کا غلبہ ہو جائے تو پھر ایسے فعل کے ارتکاب میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرتا۔ پھر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس فعل پہ الٹا اسے نفسِ امّارہ نے ابھارا ہے اور اس کے ارتکاب میں ایسی چالاکی کرتا ہے کہ گویا اس کا غلام بے دام ہے باوجودیکہ صفت درندگی سے مغلوب نہ ہونے سے قبل وُہ خود متنفر و مستکرہ تھا۔

سوال: کلام تو فطوعت لہ نفسہ سے بھی صحیح ہوتا ہے پھر اس میں لام کے اضافہ کا کیا فائدہ؟

جواب: صرف کلام میں مزید تعلق پیدا کرنے کے لیے لام لائی گئی ہے حفظت لزید مالہ میں یہی صورت ہے ورنہ حفظت مال زید بھی کہنا جائز ہے۔

فَقَتَلَهٗ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ مروی ہے کہ قابیل کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ قتل کس طرح کیا جاتا ہے تو ابلیس انسانی بھیس بدل کر اس کے سامنے ایک پرندہ یا سانپ لایا اس کا سر ایک پتھر پہ رکھ کر دوسرا پتھر اس کے سر پہ مارا جسے قابیل دیکھ رہا تھا، اس نے اس طرح سمجھ لیا کہ کسی کو یُوں قتل کیا جاتا ہے چنانچہ اس نے بھی اسی طرح ہابیل کا سر پتھر پہ رکھا اور وہ قابیل کے سامنے کالمیّت ہو گیا، جدھر اس کا سر پھیرتا اُدھر ہی اس کا سر پھر جاتا۔ نہ اس پر حملہ کرتا نہ ہی کسی طرح کی حرکت، ایسے محسوس ہوتا جیسے کوئی نیند میں ہو، اور وہ اس وقت جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا یا جبلِ ثور پہ تھا یا حراء کے پیچھے یا بصرہ کی جامع مسجد میں۔ جب ہابیل کو شہید کیا گیا اس وقت اس کی عمر بیس سال تھی۔

لطیفہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جب گندم کا دانہ حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا اور اس سے وُہ زمین پر اُترتے ہی بہت متفکر ہوئے اور اسی فکر میں انہوں نے قے کر دی اسے سانپ نے کھا لیا تو وہ زہر بن گئی اس لیے سانپ موذی اور مہلک ہوتا ہے۔ جو کچھ حصّہ آدم علیہ السلام کے اندر رہ گیا اس سے بی بی حوّا کے شکم میں نطفہ بن کر ٹھہرا اسی وجہ سے وہ اپنے بھائی کا قاتل ٹھہرا اور زمین کے اندر فساد کا موجب بنا۔

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ پھر وہ خسارہ والوں سے ہو گیا، یعنی اسے دنیا و دین کا خسارہ نصیب ہوا۔ یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے دنیا و آخرت کا خسارہ ہوا، دنیا میں یہ ہوا کہ وہ اپنے ماں کا نافرمان ہُوا اور رہتی دنیا تک اس کی مذمت ہوتی رہے گی اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا **فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا** پس اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا **یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ** زمین

کریدتا تھا ۔ البحث فارسی میں بمعنے کندن (کریدنا) لِيُرِيَهٗ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے دکھائے ۔ فعل میں فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ یا غراب (کوّے) کی طرف راجع ہے اور توجیہ اول پر لام بعث کے متعلق ہے اور توجیہ ثانی پر مبحث کے متعلق اور اسے بعث کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے ۔ كَيْفَ يُوَارِيْ کیسے چھپائے سَوْءَةَ اَخِيْهِ اپنے مُردہ بھائی کی میّت، اس لیے کہ اب اس کی حالت مُردگی کو دیکھ کر گھبراتا تھا ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا ستر چھپانے کے لیے پریشان تھا اس لیے کہ قتل کرتے ہی اس کے کپڑے اتار لیے تھے کیفَ یُواری کی ضمیر سے حال ہے اور جملہ لیری کا دوسرا مفعول ہے ۔

واقعۂ قابیل بعد قتلِ ہابیل

مروی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اسے چٹیل میدان پر چھوڑ دیا اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا کرے، اس لیے کہ دنیا میں بنی آدم میں یہی سب سے پہلا مُردہ تھا ۔ اس پر درندوں کا خوف ہُوا کہ کہیں اسے پھاڑ کر نہ کھا جائیں ۔ اس نے ایک مشکیزہ میں بند کر کے پیٹھ پر رکھ لیا اور اسے چالیس یوم یا چالیس سال اٹھا کر پھرتا رہا ۔ یہاں تک کہ تھک گیا، پرندے درندے اس انتظار میں تھے کہ وہ کب اسے نیچے پھینکتا ہے تاکہ ہماری غذا بنے ۔ اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے اور اس کے سامنے آکر لڑنے لگے ۔ ایک نے دوسرے پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا پھر گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا ۔ قابیل یہ سارا ماجرا دیکھتا رہا ۔ اس کے بعد گویا کسی نے سوال کیا کہ پھر قابیل نے کوّوں کو دیکھ کر کیا کہا تو جواب میں کہا گیا ؛

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اس نے کہا ہائے ہائے ۔ یہ کلمہ جزع اور حسرت کے وقت بولا جاتا ہے، اور اس کا الف یائے متکلم سے بدل ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اے میری حسرت حاضر ہو اب تیری حاضری کا وقت ہے اگرچہ ندا سے یہ مطلوب ہوتا ہے کہ اسے ندا کی جائے جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہو اور یہ صرف ذوی العقول سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ لیکن اہلِ عرب بطورِ مجاز ایسی ندائیں عام استعمال کرتے ہیں تاکہ حسرت کا اظہار ہو اس سے قولِ باری تعالیٰ یا حسرةً علی العباد ہے ۔ الویل اور الویلہ بمعنے الھلکۃ ۔

اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ کیا اتنا عاجز ہوں کہ ہو جاؤں مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ اس کوّے کی طرح تاکہ اپنے بھائی کی لاش چھپاؤں، گویا وہ اپنے اوپر تعجب کر رہا تھا کہ میں اس کوّے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اسے تو یہ کام آتا ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں فَاُوَارِيَ منصوب ہے اس کا عطف ان اکون پر ہے یعنی میں اس سے بھی عاجز ہُوں کہ کوّے کی طرح ہو کر اپنے بھائی کی لاش چھپا ڈالوں فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ پس وہ اپنے بھائی کو قتل کر کے نادم ہوا کہ اس کے معاملہ میں اسے سخت حیرانی ہوئی اور پھر اسے ایک مدّت تک سر پر اٹھائے پھرتا رہا وغیرہ وغیرہ ۔ لیکن اسے ندامت

ان امور کی وجہ سے ہوئی نہ کہ گناہ کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے چونکہ اس کی یہ ندامت توبہ کے طور نہ تھی اس لیے ندامت نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

عجائبات

(۱) جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو زمین سات دن تک کانپتی رہی۔ پھر اس کے خون کو پانی کی طرح پی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قابیل سے (بذریعہ ہاتف غیبی) ندا دی کہ تیرا بھائی کہاں ہے؟ قابیل نے جواب دیا: مجھے کیا معلوم، میں کوئی اس کا نگران ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُونے تو اُسے قتل کر دیا ہے اُس کا خُون زمین سے تجھے پکارتا ہے۔ قابیل نے کہا: کہاں ہے اُس کا خون۔ اگر میں نے اسے قتل کیا ہے تو اس کا خون مجھے دکھاؤ۔ اُس روز سے اللہ تعالیٰ نے زمین پر خون کا پینا حرام فرما دیا۔ اسی وجہ سے اب خون زمین کے اُوپر رہتا ہے زمین میں جذب نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ اس سے قبل تمام درندے پرندے چرندے اور وحشی جانور انسانوں سے مانوس ہو کر ان کے ساتھ گزر اوقات کرتے لیکن جب سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اس روز سے انسانوں سے متنفر ہو کر پرندے ہوا میں اڑنے لگے اور وحشی جانور جنگلوں میں چلے گئے اور درندے غاروں میں چھپ گئے اسی روز سے درختوں پر کانٹے پیدا ہوئے اور طعاموں میں بدبُو اور میوہ جات میں کھٹائی پیدا ہوئی اور پانی کڑوے ہوگئے اور زمین پر گرد و غبار چھا گئی۔ حضرت آدم چونکہ کعبۃ اللہ تشریف لے گئے جب عالم دنیا کا یہ حال دیکھا تو گھر لوٹے۔

(۳) جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اس سے قبل اس کا رنگ سفید تھا لیکن اس کے بعد اس کا تمام جسم سیاہ ہوگیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے واپس آتے ہی قابیل سے ہابیل کی بابت پُوچھا تو اس نے کہا مجھے کیا معلوم، میں کوئی اس کا نگران ہوں۔ آپ نے فرمایا: تُونے اسے قتل کر دیا اسی لیے تیرا رنگ سیاہ ہوگیا۔[1]

عالم دنیا کا پہلا شاعر

حضرت آدم علیہ السلام اپنے صاحبزادے ہابیل کے قتل سے سو سال تک حزین و غمگین رہے اور اتنی مدت تک آپ کبھی نہ ہنسے اور ذیل کے دو[2] اشعار پڑھے:؎

تغیرت البلاد و من علیہا — فوجہ الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی لون و طعم — وقل بشاشۃ الوجہ الصبیح

---

[1] اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ والوں کی بے ادبی و گستاخی سے کتنی نحوست پھیلتی ہے نیز حضرت آدم علیہ السلام کا علم و فراست کہ باوجود قابیل کے انکار قتل کے پھر بھی اصل بات کی خبر دے دی کہ تُونے اُسے قتل کر دیا۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ: شہروں کی اوران کے باشیوں کی حالت بدل گئی۔ زمین کا چہرہ غبار آلود اور بے رونق ہوگیا بلکہ تمام ہر رنگ اور ذائقہ والی اشیاء بگڑ گئیں۔ حسین چہروں کی بشاشت میں کمی آگئی۔

عالمِ دنیا کا سب سے پہلا کاتب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام شعر کہتے ہیں وہ غلط کہتا ہے اس لیے کہ آدم اور دیگر انبیاء، اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہ کہنے میں سب برابر ہیں۔ تمام انبیاء کو اشعار کہنے کی ممانعت تھی۔ لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ بچّے کے فراق میں بطور مرثیہ چند اشعار نکلے۔ اگرچہ وہ سریانی بولتے تھے لیکن یہ اشعار عربی اُن کے مُنہ سے نکلے۔ جب یہ اشعار آپ نے پڑھے تو اپنے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیارے بیٹے! تُو میرا وصی ہے فلہذا میرے ان اشعار کو یاد رکھنا تاکہ میری اولاد کو رقّتِ قلبی نصیب ہو۔ یہ اشعار منقول ہوتے ہوئے یعرب بن قحطان کے ہاں پہنچے وہ دونوں بولیاں (سریانی و عربی) بولتے تھے۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عربی کتابت کی ایجاد کی اور وہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے جب حضرت آدم علیہ السلام کے اشعار مرثیہ پڑھے تو انہوں نے ان میں اول کلمات کو آخر میں اور آخر کو اول میں لکھا لیکن شعر کا وزن بحال رکھا، اور چند دیگر اشعار کا اضافہ بھی فرمایا ان میں سے دو شعر یہ ہیں: ؎

ومالی لا اجود بسکب دمع — وھابیل تضمنہ الضریح

اری طول الحیاۃ علی نقما — فھل انا من حیاتی مستریح

ترجمہ: مجھے کیا ہے کہ میں آنسو نہ بہاؤں جبکہ ہابیل کو قبر نے اپنے اندر لے لیا میں اپنی زندگی کو اپنے لیے ایک دُکھ سمجھتا ہوں باوجود اس کے کیا میں اپنی زندگی سے خوش ہوں۔

منگل کے دن کے خواص

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منگل کے دن کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

یوم الدم فیہ حاضت حواء وفیہ قتل ابن آدم اخاہ۔

(منگل کا دن خونی ہے) اس لیے کہ اس دن بی بی حواء حائضہ ہوئیں اور اسی دن ابن آدم (قابیل) نے اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کیا۔

حضرت شیث علیہ السلام کی ولادت اور ان کی مختصر سوانح حیات

جب آدم علیہ السلام کو ایک سو تیس[۱۳۰] سال گزرے جو کہ ہابیل کے قتل ہونے کے بعد پانچویں سال حضرت شیث علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہُوئی اور انھیں ھبۃ اللہ کے نام سے یاد کرتے تھے، اس لیے کہ ہابیل کے بعد یہی تھے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی گھڑیوں کا علم عطا فرمایا اور انہیں مخلوق کی عبادت کے طریقے بھی بتائے اور ان کی عبادات کے اوقات بھی۔ اور اُن پر پچاس صحیفے نازل فرمائے۔ وہی حضرت آدم علیہ السلام کے وصی اور جانشین مقرر ہوئے۔

قابیل کا انجام

قابیل کو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: تُو ہمیشہ مجھ سے دُور رہا کر، اور تو ذلیل و خوار ہوگا۔ تیرے لیے ہمیشہ حُزن و ملال ہوگا اور تجھے کہیں ٹھکانا نصیب نہ ہوگا۔ قابیل وہاں سے اپنی بہن اقلیما کو لے کر ارضِ یمن میں عدن میں پہنچا۔

نار کا پہلا پجاری

یہاں قابیل کے ہاں ابلیس پہنچا اور کہا کہ ہابیل کی قربانی کو آگ نے اس لیے کھا لیا کہ وہ اس کی پرستش کرتا تھا تو بھی آگ کی پرستش کر تیرے لیے بھی وہی مراتب ہوں گے۔ چنانچہ ابلیس کے کہنے پر اس نے آگ کے لیے ایک مکان بنایا۔ یہی سب سے پہلا آتش پرست ہے۔ لیکن جو کوئی اس کے پاس سے گزرتا اسے پتّھر مارتا۔

حکایت واعجوبہ

قابیل کا ایک بیٹا نابینا تھا اسے اس کا بیٹا لے کر قابیل کے پاس آیا اور اپنے نابینا باپ سے کہا کہ یہی تیرا باپ ہے اسے پتھر ماریئے۔ نابینا نے پتھر مار کر اپنے باپ قابیل کو قتل کر دیا۔ بیٹے نے کہا تُو نے باپ کو قتل کر دیا، نابینا کو طیش آگیا اس نے اپنے بیٹے کو تھپڑ رسید کیا جس سے اس کا بیٹا بھی مر گیا۔ پھر کہنے لگا ہائے میں نے باپ کو پتھّر سے اور بیٹے کو تھپڑ سے مار ڈالا۔

اعجوبۂ قابیل

قابیل کا یہ حشر ہوا کہ اس کا ایک پاؤں ران اور پنڈلی سے چمٹ گیا اور قیامت تک ایسے ہی رہے گا۔ اُس کا چہرہ سُورج کی طرف پھرتا ہے جدھر سورج گھُومتا ہے اس کا چہرہ بھی اسی طرف پھر جاتا ہے۔ گرمیوں میں اسے آگ سے جلایا جاتا ہے اور سردیوں میں برف میں دبایا جاتا ہے اولادِ آدم میں یہی وُہ پہلا شخص ہے جس نے نافرمانی کی بنیاد رکھی اس لیے جہنم میں سب سے پہلے اسے داخل کیا جائے گا۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی ناحق قتل کیا جائے تو اس کا گناہ سب سے پہلے قابیل کے نام لکھا جاتا ہے کیونکہ اسی کی بنیاد اسی نے رکھی۔

یاجُوج وماجوج کا نسب نامہ یاجوج وماجوج کا باپ یہی قابیل ہے، یاجوج سب سے شریر انسان ہیں جوکہ شریر ترین باپ سے پیدا ہُوئے۔

سرود و آلاتِ غنا کے موجدین آلاتِ لہو کے موجدین بھی قابیل کی اولاد ہے اس لیے کہ انہوں نے مذکورہ آلات تیار کئے اور لہو ولعب میں منہمک ہوئے اور شراب پی اور آتش پرستی کی اور زنا کو رواج دیا اور دوسری برائیوں میں منہمک ہوئے یہاں تک کہ طوفانِ نوح میں ڈوب کر مرگئے۔ اس کے بعد صرف شیث علیہ السلام کی اولاد بچی۔

عالمِ دنیا کا سب سے پہلا بادشاہ تواریخ میں ہے کہ جب قابیل یمن میں پہنچا تو اس کی اولاد بڑھی اور وہ آدم علیہ السلام کی دوسری اولاد سے کشت وخون کرنے لگے۔ پہاڑوں، غاروں اور جنگلوں میں چھپے رہتے اور ان کو ا[illegible] تے اور قتل کرتے۔ مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام تک ان کا یہی طریقہ رہا۔ اُس نے سب کو دوسرے ملکوں میں پھیلا دیا اور خود بابل میں سکونت پذیر ہوا۔ اُس کا ایک چھوٹا بھائی کیومرث نامی تھا یہی عالمِ دنیا میں سب سے پہلا بادشاہ ہے۔ اس کے حکم سے مختلف علاقوں میں انہوں نے شہر اور قلعے تعمیر کیے اسی طرح سے تاقیامِ قیامت جنگ رہے گی۔

نکتہ کدورتیں اور عداوتیں دُنیا سے نہیں اُٹھ سکتیں البتہ اہل اللہ کے دلوں سے یہ خرابیاں دُور ہوجاتی ہیں جیسے آگ اور پانی اپنی تاثیر سے نہیں ہٹتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں پر ان کا اثر نہیں ہوتا جیسے ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار ہُوئی اور پانی میں اگرچہ غرق کرنے کی طاقت رکھی گئی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے لیے اُس نے غرق کرنے کی بجائے راستہ بنا دیا۔ اسی طرح دنیا کا نظام چلتا رہے گا، لیکن خوش قسمت وہ انسان ہے جو راضی بہ رضائے الٰہی ہو اور صابر و شاکر ہوکر زندگی بسر کرے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دریں چمن گل بے خار کس نچید آرے
چراغِ مصطفوی باشرار بولہبی ست

ترجمہ: اس چمن سے گُلِ بے خار کسی نے نہ چُنے، چراغِ مصطفوی کے ساتھ ابولہب کی چنگاریاں لازم ہیں۔

نیز فرمایا: ؎
مکن زغصہ شکایت کہ در طریقِ طلب
براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید

ترجمہ: غصہ سے شکایت نہ کر اس لیے کہ طریقِ طلب میں راحت تک نہیں پہنچ سکے گا جس نے دکھ نہ دیکھا ہو۔

تفسیرِ صوفیانہ آیات میں اشارہ ہے کہ آدم (روح) کے حوار (قلب) سے نکاح کرنے پر قابیل (نفس) معہ اقلیما (خواہش) جوڑا لبطنِ اول میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ہابیل (قلب) مع لیوذا (عقل) پیدا ہوئے، کیونکہ بیہودہ خواہشِ نفسانی اور حسن وجمال میں یکتا ہے۔ کیونکہ قلب اپنے مولیٰ کی طرف مائل اور اس کا عاشق ہے اور بیہودہ (عقل) ہابیل کی نظروں میں نہایت ہی قبیح اور زشت رو ہے اس لیے کہ قلب اس سے ہی طلبِ حق اور فنا فی اللہ کے مقام سے محروم ہوجاتا ہے اسی لیے عقل کو "عقیلۃ الرجال" کہا جاتا ہے (یعنی انسانوں کو روکنے والا) اور قابیل نفس کی نظروں میں عقل قبیح ہے اس لیے کہ نفس اس سے دنیا کی طلب اور اس کے انہماک سے باز رہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جوڑے کو آپس میں نکاح کرنے سے روکا ہے بلکہ فرمایا ایک جوڑا دوسرے جوڑے سے نکاح کرے تاکہ قلب طلبِ حق سے نہ رُکے بلکہ نفس کی خواہشات کو مٹانے اور فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچنے پر ابھارے۔ اس لیے بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ اگر خواہش نہ ہوتی تو کوئی سالک اللہ تعالیٰ کے راستہ پر نہ چلتا، اس لیے کہ جب خواہش نفس کا ساتھ دیتی ہے تو اس وقت انسان کو تنزلِ نفس کا حرص پکڑ کر اسے دنیا کے اسفل سے اسفل مقام پر لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بہت دور کر دیتا ہے اگر اس کا ساتھی قلب ہو تو اسے عشق نصیب ہوجاتا ہے جو اس کے قلب کو عقبیٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب تک پہنچاتا ہے اور پھر قربِ مولیٰ سے بھی نوازا جاتا ہے اس لیے عشق کا دوسرا نام ہوئی بھی ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا: ؎

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی
فصادف قلبی فارغا فتمکنا

ترجمہ: میں ابھی عشق سے ناآشنا تھا تو اس کے عشق نے مجھے گھیر لیا اور میرے قلب کو خالی پاکر اس پر پورا قبضہ جما لیا۔

پھر نفس کو طلبِ دنیا سے دُور رکھ کر عبادتِ الٰہی میں لگا دیتا ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ سے گریزاں ہوجاتا ہے پھر جب آدم (روح) نے اپنے بچوں کو وہی فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا تو ہابیل (قلب) تو راضی ہوگیا لیکن قابیل (نفس) الٹا ناراض ہوا اور کہا کہ میری بہن اقلیما (خواہش) جو میرے ساتھ پیدا ہوئی وہ ہابیل (قلب) کی بہن لیوذا (عقل) سے حسین تر ہے فلہذا یہ استحقاق صرف مجھے حاصل ہے انہیں والد نے فرمایا یہ تیرے لیے حلال نہیں۔ یعنی جب خواہشِ نفسانی تیرا ساتھی ہوگی تو تجھے حُبِّ دُنیا اور اس کی لذات وشہوات کی وادیوں میں تباہ وبرباد کر ڈالے گی لیکن قابیل (نفس) نے ایک نہ مانی یعنی نفس نے آدم (روح) کے حکم کو قبول نہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا باپ (روح) نے انہیں اس معاملہ میں مجبور نہ کیا بلکہ صرف اظہارِ رائے فرما کر کہا کہ قربا قربانا

دونوں ہی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرو تم میں سے جس کی قربانی قبول ہوئی وہی اس کا حقدار ہوگا ۔ یہ رائے سن کر دونوں گھر سے نکل پڑے تاکہ قربانی پیش کریں اور قابیل (نفس) کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا یعنی نفس نامیہ کی تدبیر بنانے والا یعنی نامیہ سے مراد قوتِ نباتیہ ہے ۔ قابیل نفس نے کھیتی سے گندی سے گندی شے پیش کی ۔ یعنی قوۃِ طبیعیہ ۔ اور ہابیل (قلب) چرواہا تھا یعنی اخلاقِ انسانی اور صفاتِ حیوانی کے جانوروں کا نگران تھا اس نے اپنے مال سے اونٹ پیش کیا یعنی صفتِ بہیمیہ ۔ اس لیے کہ انسان کو اس صفت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ غذا و بقا کے لیے وہ اس صفت کا زیادہ محتاج ہے اور صفات سبعیہ شیطانیہ کی بہ نسبت یہی صفت انسان کو زیادہ مناسب ہے ۔ قابیل و ہابیل نے اپنی اپنی صفت کو بشریت کے پہاڑ پر رکھ دیا اس کی قبولیت کے لیے آدم (روح) نے دعا مانگی تو آسمانِ جبروت سے نارِ محبت نازل ہوئی تو صفتِ بہیمیہ کو مٹا گئی اس لیے کہ نارِ محبت کا ایندھن یہی ہے لیکن قابیل کی قربانی کو ہاتھ تک نہ لگایا اس لیئے کہ یہ اس کے ایندھن میں نہیں بلکہ یہ نارِ حیوانیہ کا ایندھن ہے واتل نبا ابنیٔ آدم الخ کی تفسیر ختم ہوئی ۔

فطوّعت لہ نفسہ میں اشارہ ہے یعنی قابیل کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا یعنی نفس نے جواز کا فتویٰ دیا کہ ہابیل (قلب) کو قتل کر دینا ضروری ہے اس لیے کہ قلب کا سب سے بڑا دشمن نفس ہے بالآخر قابیلِ نفس نے ہابیلِ قلب کو قتل کر دیا، پھر وہ خاسرین میں سے ہوگیا ہے ۔ یعنی نفس کو دنیا و آخرت کا خسارہ ہوا، دنیا کا بایں معنیٰ کہ واردات و کشوف اور علمِ غیبیہ (جو قلب کا اصلی منشا ہے) سے محروم ہوگیا اسی طرح اسے ذوقِ مشاہدات و لذتِ موانسات سے بھی محروم رکھا گیا کہ جہالت کے گڑھے میں جا پڑا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان الانسان لفی خسر الخ

اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ جنّات النعیم کے داخلہ سے محروم ہوگیا اور دیدارِ الٰہی کا شرف نہ حاصل کر سکا اور ہمیشہ کے لیے نارِ جحیم و عذابِ الیم میں مبتلا کیا گیا ۔ **فبعث اللہ** میں بھی لطیف اشارات ہیں ۔

نکات

(۱) انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ جیسے کوّے کو بھیجنے پر قادر ہے ایسے ہی وہ دوسرے جانوروں کو بھیج سکتا ہے تاکہ انسان کو وہ باتیں بتائے جو پہلے اسے معلوم نہ تھیں ۔ اس سے انسان کی شان گھٹ نہیں جاتی جیسے انبیاء کرام کی طرف ملائکہ کرام کو بھیج کر انہیں علوم سے نوازا تو اس سے انبیاء کی شان کم نہ ہوئی ۔ پھر رُسل کرام کو مقرر فرمایا کہ وُہ اپنی اُمتوں کو اسرار و رموزِ الٰہی سے باخبر کریں ۔

(۲) اس سے ملائکہ کرام و انبیاء عظام علیہم السلام کو ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ تعلیمِ حق کے لیے انہیں بھیج کر ان پر فضل و کرم فرمایا ورنہ وہ تو اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اپنے علوم جانوروں اور حیوانوں کے ذریعے

بھی پہنچا سکتا ہے جیسے کوّے کے ذریعے قابیل کو ہابیل کے دفن کرنے کا طریقہ بتایا۔
(۳) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہر حیوان بلکہ خدائی کے ہر ذرّے میں موجود ہے اور اس کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ اپنے اختیار اور قدرتِ کاملہ سے ذوی العقول کے امور کی تکمیل غیر ذوی العقول سے کرا سکتا ہے۔
(۴) انسان کو آگاہی ہو کہ وہ اپنی تعلیم میں سخت ترین محتاج ہے وہ یقین کرے کہ اگرچہ یہ دولت کوّے سے نصیب ہو تب بھی عار محسوس نہ کرے۔
(۵) بندوں کو معلوم ہو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) بندوں کی معاش اور بسر اوقات کے لیے کتنا رحیم و کریم ہے کہ نافرمانی کے باوجود وہ بندے کی مشکلات نہایت عجیب و غریب طریقے سے حل فرماتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ربط: اللہ تعالیٰ کے حکم واتل علیہم نبا الخ کا اصلی مقصد اب شروع ہے درمیان میں اس مقصد کی تمہید تھی۔ اصلی مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل مختلف جنایات و معاصی کے مرتکب ہوئے ان کو تنبیہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل ایک سنگین جرم اور قبیح ترین امر ہے۔ یعنی اس لیے کہ قتل بطور تجاوز کے عدوان و مفاسد کا مجموعہ ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس کا مرتکب دینی و دنیوی فضائل اور اُخروی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے ان وجوہ کو فاصبح من الخٰسرین میں اجمالاً ذکر فرمایا۔ دوسرا یہ کہ ایسا انسان حسرۃ و ندامت کے جمیع موجبات میں ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ ان کے دفعیہ کی پھر کوئی صورت ہی نہیں ہوتی اور جسے فاصبح من النّٰدمین میں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔ اور اجل دراصل مصدر ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں: اجل شرا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شر کا کام کرے یا کسی شر کو اٹھائے، اب ان جنایات کی علّت کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یعنی کوئی کسی فعل کا ارتکاب کرے تو پھر اس کی علّت کا اسی لفظ اجل سے کرتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فعلتہ من اجلك یعنی یہ کام میں نے صرف تیری خاطر کیا ہے اب اسے ہر علت کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے اور مِن ابتدائے غایۃ کے لیے ہے كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کے متعلق ہے من اجلك کو متعلق سے مقدم کرنے سے قصر مطلوب ہے یعنی اس وجہ سے کتابوں کا نزول ہوا اس کا اصلی منشا یہی ہے یعنی اس وجہ سے ہم نے انہیں بیان کیا اور بنی اسرائیل کے لیے توراۃ و انجیل میں لکھا کہ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا جس نے کسی ایک کو قتل کیا بِغَيْرِ نَفْسٍ بغیر کسی دوسرے نفس کے قتل کرنے کے جو قصاص کا موجب بنتا ہے۔
اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ یا زمین میں فساد ڈالنے کی وجہ سے یعنی وہ زمین پر خونریزی کا سبب بنتا ہے مثلاً وہ شرک کرتا ہے یا ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اس کا عطف لفظ بغیر کے مضاف الیہ یعنی نفس پر ہے یہاں غیر

سے دونوں کی بیک وقت نفی مراد ہے۔ اس کی نظیر فقہ کا یہ مسئلہ ہے :

من صلّی بغیر وضوء او تیمم بطلت صلوٰته۔	جس نے نماز بغیر وضوء یا تیمم پڑھی اس کی نماز باطل ہوگئی۔

اس سے صرف ایک شئے کی نفی مطلوب نہیں جیسے فقہ کے اس مسئلے :

من صلی بغیر وضوء او ثوب بطلت صلاوته۔	جس نے نماز بغیر وضو یا کپڑے کے پڑھی اس کی نماز باطل ہوگئی۔

میں صرف ایک شے کی نفی مراد ہے۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اس حیثیت سے اس نے لوگوں کے خون کی عظمت کی ہتک کی اور لوگوں کے لیے ایک بہت بڑے گناہ کا راستہ کھول دیا اور انہیں جرأتمندی کا موقعہ فراہم کیا، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو چیلنج کرنے اور اس کے بہت بڑے عذاب کو دعوت دینے میں ایک اور تمام کو قتل کرنا برابر ہے۔ جمیعا' الناس سے حال یا اس کی تاکید ہے وَمَنْ اَحْيَاهَا اور جو کسی کو معاف کرکے اس کے قتل سے رُکنے یا اُس کی ہلاکت کے اسباب سے اسے بچاکر اس کی زندگی کی بقا کا سبب بنا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا پس گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی بخشی، یعنی اس طرح سے تمام لوگوں کو بچایا۔ اس تشبیہ سے مبالغہ ہے کہ کسی کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور ترغیب دی گئی ہے کہ اس قبیح فعل سے بچنا ضروری ہے وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ اور بیشک ان اہل کتاب کے ہاں رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ہمارے پیغمبر علیہ السلام بہت بڑے معجزات لے کر تشریف لائے یعنی قسم بخدا اُن کے ہاں ہمارے رسول تشریف لائے اور ہم نے انہیں بہت بڑے معجزات دے کر بھیجا ، یہ کثینا کی تقریر اور اس بات کی تاکید ہے کہ اُن کے ہر حکم کی حفاظت ضروری ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید فرمائی کہ اے لوگو ! ان کے ہر معاملہ کی حفاظت تمہارے ذمہ فرض ہے ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ اس میں رُسل کرام علیہم السلام کو پے در پے بھیجنے کے امر کی تاکید اور بار بار تجدید عہد کی یاد دہانی ہے اور ثمّ رتبہ اور استبعاد کی تراخی کے لیے ہے۔ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ یعنی جو کچھ ان کتابوں میں مذکور ہے کے بعد ان میں بہت سے لوگ زمین پر قتل کو معمولی گناہ سمجھ کر حد سے بڑھ گئے الاسراف حد اعتدال سے گزر جانا۔ بعد ذلك اور فی الارض دونوں لمسرفون کے متعلق ہیں اور لمسرفون' انّ کی خبر ہے اور ولقد جاءتهم رسلنا الخ قصہ مذکور سے اتصال رکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی ذات کی آیت ہے بنا بریں ہر شئے اللہ تعالیٰ سے بندے کے لیے پیغام بر ہے پھر ہر شئے آیت بیّنہ اور واضح معجزہ اپنے ساتھ رکھتی ہے تاکہ انسان کو انہی دلائل سے اللہ تعالیٰ سے ملا دے پھر بہت سے وہ لوگ جو باوجودیکہ ان معجزات کا مشاہدہ اور معائنہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی زمین میں یعنی بشریت کی زمین میں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی مخالفت کر کے شریعت و طریقت کی حد سے تجاوز کر جاتے ہیں

ف : اکثر اہلِ غفلت مشاہداتِ ربانی کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی حقیقت سے غافل ہوتے ہیں، گویا کہ اُن کی آنکھیں ہی نہیں ہیں ۔ بلکہ یُوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت انہیں ان مشاہدات کو دیکھنے ہی نہیں دیتی ۔ اس لیے کہ وُہ غیر ہیں اور غیروں کو مجلسِ خاص میں آنے کی اجازت نہیں دی جاتی ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

معشوق عیاں می گزرد بر تو ولیکن
اغیار ہمی بیند از ان بستہ نقابست

ترجمہ : معشوق تو ظاہر ہو کر گزرتا ہے لیکن چونکہ اغیار کے دیکھنے کا خطرہ ہے اسی لیے نقاب اوڑھ رکھا ہے ۔

نکتہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے نور اور حق سے حقیقت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن چونکہ دنیا ایک خیال ہے اس لیے سالک کو اسے عبور کرنے کی ضرورت ہے اس لیے وہ ان سے گزر کر واصل بحق ہوتا ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) ایں جہاں را کہ بصورت قائمست — گفت پیغمبر کہ حلم نائمست
(۲) از رہِ تقلید تو کردی قبول — سالکاں ایں دیدہ پیدا بے رسول
(۳) روز در خوابے مگو کیں خواب نیست — سایہ فرعست اصل جز مہتاب نیست
(۴) خواب بیداریست آں دان اے عضد — کہ نیند خفتہ کو در خواب شد
(۵) او کماں بردہ کہ ایں دم خفتہ ام — بے خبر زاں کوست در خواب دوم

ترجمہ : (۱) یہ جہان صورت سے قائم ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ حلم نائم ہے ۔
(۲) تُو نے تو اسے تقلید سے قبول کیا ہے لیکن سالکوں کو اس کے قاصد کے بغیر عیاں ہے ۔
(۳) تُو تو دن میں بھی خواب میں ہے اور یہ بھی نہ کہہ کہ خواب نہیں دیکھ سایہ تو فرع ہے

اس کی اصل تو مہتاب ہے۔

(۴) اے پختہ حال تو اپنی بیداری کو خواب اس طرح سمجھ جیسے سوئے ہوئے آدمی کو خواب میں دیکھتے ہو۔

(۵) وہ سمجھتا ہے کہ وہ ابھی سو رہا ہے لیکن وہ اس دوسرے کے خواب سے بے خبر ہے۔

سبق ہماری یہ بیداری درحقیقت ایک خواب ہے یہ صرف ارباب مکاشفہ صحیحہ واصحاب مشاہدہ واضحہ کو محسوس ہوتا ہے۔

دعا: اے اللہ کریم! ہمارے لیے بھی اس مقام کی راہ کھول دے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بے شک سزا ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرتے ہیں، یعنی ان کے اولیاء، اس سے مراد اہلِ اسلام ہیں۔

سوال: تم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنا ہے یہ ان کی عظمتِ شان پر دلالت ہے۔

جواب: یہاں محاربت سے ڈاکہ زنی مراد ہے۔ ڈاکہ زنی یہ ہے کہ چند بدمعاش جنگلوں میں چھپ کر خونریزی کریں، لوگوں کا قتال کریں اور ان کے اموال لوٹیں اور ان کی عورتوں اور لونڈیوں کو ستائیں اور انہیں ایسی قوت وشوکت حاصل ہو کہ انہیں اس بُرے فعل سے کوئی روک نہ سکے۔

وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اور زمین میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فساداً یسعون سے حال ہے بمعنے مفسدین۔

شانِ نزول یہ آیت ہلال بن عویمر الاسلمی کی قوم کے حق میں نازل ہوئی جبکہ حضور علیہ السلام نے ان سے معاہدہ کیا کہ نہ ہم تمہارے لوگوں کو ستائیں گے اور نہ تم مسلمانوں کو نقصان پہنچاؤ گے۔ ہمارا جو مسلمان تمہارے ہاں سے گزرے گا تم اس کی جان و مال کی حفاظت کرو گے اور جو تمہارے لوگ ہمارے ہاں سے گزریں گے ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ ایک دفعہ بنی کنانہ کے چند آدمی اسلام قبول کرنے کی خاطر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہو رہے تھے کہ ہلال مذکور کی قوم کے پاس سے گزرے اور ہلال گھر پر نہیں تھا اس کی قوم نے بنو کنانہ کے لوگوں پر حملہ کر دیا، ان کا مال بھی لوٹا اور ان کے بہت سے لوگوں کو قتل بھی کر دیا۔

سوال: بنو کنانہ مسلمان تو نہیں ہوئے صرف اسلام قبول کرنے کے ارادہ پر گھر سے نکلے اور صرف اسلام سے وہ حربیت سے خارج نہ ہوئے اور حربی کے لیے ڈاکہ زنی سے حد لازم نہیں اگرچہ وہ

مستامن بھی ہو۔

جواب : (۱) وُہ چونکہ احکامِ اسلام سیکھنے کے لیے حاضر ہو رہے تھے اور اسلام کا قصد بھی ان کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے۔

(۲) اگر قصدِ اسلام بھی مانا جائے تب بھی وہ اس وقت ذمیوں کے حکم میں تھے اور ذمیوں پر ڈاکہ ڈالنے سے حد لازم ہوتی ہے۔

ربط : چونکہ محاربت اور فساد کے کئی مراتب اور مختلف درجات ہیں۔ مثلاً :

(۱) قتل کیا جائے مال نہ چھینا جائے۔

(۲) قتل بھی کیا جائے اور مال بھی لُوٹ لیا جائے۔

(۳) صرف مال لوٹ لیا جائے اور قتل نہ کیا جائے۔

(۴) ڈرایا دھمکایا جائے اور مال بھی لوٹ لیا جائے لیکن قتل نہ کیا جائے۔

ان تمام اقسام کو بیان کر کے ان کی سزا کا بیان علیحدہ علیحدہ کیا جائیگا۔

چنانچہ فرمایا **اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا** یہ کہ وہ قتل کئے جائیں۔ یہ سزا بطور حد کے ہو گی۔ لیکن انہیں سُولی نہ چڑھایا جائے یہ اُس وقت جب انہوں نے صرف قتل کیا ہو۔

مسئلہ : یہاں مقتولین معاف بھی کر دیں تب بھی معافی نہ ہو گی اس لیے کہ یہ خالص حق شرع ہے اور وہ کسی کو معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔

مسئلہ : قتل کرنا کسی آلہ سے ہو یا جیسے بھی، ہر طرح سے باغیوں کو قتل کرنا ضروری ہو۔

اَوْ یُصَلَّبُوْٓا یا وُہ سُولی چڑھائے جائیں اور پھر قتل کئے جائیں اس وقت جبکہ انہوں نے مال لوٹ کر پھر لوگوں کو قتل کر دیا ہو۔ سُولی یُوں چڑھایا جائے کہ نیزے وغیرہ ان کے پیٹ میں گھونپ دئے جائیں یہاں تک کہ وہ مر جائیں۔

مسئلہ : قتل کرنے کے بعد پھر سُولی نہ چڑھایا جائے اس لیے کہ زندہ آدمی کو سُولی پر چڑھایا جائے تو دوسروں کو عبرت ہوتی ہے کہ وہ ایسے قبیح فعل کے ارتکاب سے بچ جائیں گے۔

اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں بطریق خلاف کاٹے جائیں، مثلاً دایاں ہاتھ کاٹا ہو تو بایاں پاؤں کاٹا جائے اور ان کا کاٹنا گٹوں سے ہو یہ اس وقت ہے جب مسلمان یا ذمی کا فر کا صرف مال چھینا ہو۔

مسئلہ : اتنے مال پر ہاتھ پاؤں کاٹنے ہوں گے کہ ان پر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو دس دس درہم

پہنچ جائیں۔
سوال : ہاتھ کے ساتھ پاؤں کیوں کاٹے جائیں، حالانکہ چوری کی سزا تو صرف ہاتھ کاٹنا ہے۔
جواب : چونکہ یہ سنگین جرم کے مرتکب ہوئے اس لیے سزا بھی سخت ہو گی تاکہ دوسروں کو عبرت نصیب ہو۔
اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ یا شہر سے نکالے جائیں - یہ اُس وقت ہے کہ صرف لوگوں کو ڈرا دھمکا کر چھوڑ دیا اور ان کا مال نہ چھینا اور نہ ہی کوئی فساد کیا۔
ف : ہمارے نزدیک نفی بمعنے قید ہے کہ انھیں اس شہر سے کسی دوسرے میں قید کیا جائے تاکہ لوگ اُس سے شر سے محفوظ ہو جائیں اور اسے سزا بھی دی جائے اس لیے کہ لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اور ملک کے امن کو خطرے میں ڈالا۔
ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ یہ رُسوائی اور ذلت وخواری **فِي الدُّنْيَا** عرف دنیاوالی سزا کے طور۔
ترکیب : ذلك مبتدا لك خبر مقدم اور خزیٌ مبتدا مؤخر ہے یہ دونوں مل کر جملہ بن کر ذلك مبتدا کی خبر ہے۔
وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اور انہیں آخرت میں مذکورہ سزا کے علاوہ **عَذَابٌ عَظِيْمٌ** بہت بڑا عذاب ہے ایسا کہ اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ ان کا جرم سنگین ہے۔
ترکیب : لھم خبر مقدم اس کا مبتدا عذاب مؤخر ہے اور فی الاٰخرۃ محذوف کے متعلق ہو کر عذاب حال ہے وہ اس لیے کہ اس میں دراصل عذاب کی صفت واقع ہوتی تھی اور صفت موصوف سے مقدم نہیں ہوتی اس لیے اسے حال (منصوب) قرار دیا گیا، دراصل کائنا فی الاٰخرۃ الخ تھا۔
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ یہ استثناء جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے مخصوص ہے۔ چنانچہ انّ اللّٰہ غفور رحیم دلالت کرتا ہے یعنی مگر جو ایسی غلطیوں سے تائب ہو جائے قبل اس کے کہ تم انہیں گرفتار کر لو تو اللہ تعالیٰ اپنے حقوق انہیں معاف کر دے گا اس لیے **فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
مسئلہ : حقوق العباد پھر بھی معاف نہیں اس لیے کہ وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ ڈاکو، باغی جب کسی کو قتل کر دیں پھر گرفتاری سے پہلے اپنی غلطی سے تائب ہو جائیں کہ آئندہ ایسے فعل کے مرتکب نہیں ہوں گے تو ان سے صرف حد قتل کی سزا معاف ہو گی لیکن مقتول کے ورثاء کا حق بحال رہے گا کہ اگر چاہیں تو قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں۔ اسی طرح وہ کسی کا مال چھین لیں اور گرفتاری سے قبل تائب

ہوجائیں تو قطعِ ید کی سزا معاف ہوجائے گی لیکن مالکان کا حق ادا کرنا واجب ہوگا۔

مسئلہ: ان غلطیوں کے ارتکاب کے بعد اگر گرفتار ہوجائیں اس وقت توبہ بطور حد کے معاف نہ ہوگی، اور نہ ہی ان سے مالکان کا حق معاف ہوگا البتہ آخرت کے عذاب عظیم سے بچ جائیں گے۔

مسئلہ: یہ احکام مسلمان ڈاکوؤں کے ہیں۔ رہے مشرک ڈاکو، ان کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ انکی گرفتاری سے قبل یا بعد کی توبہ قابل قبول ہے۔ مثلاً ایسی غلطیوں کے ارتکاب کے بعد گرفتار ہوا یا نہ لیکن دولتِ ایمان سے نوازا گیا تو اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے گا یعنی اس پر نہ سزا ہوگی نہ ہی مال کا مطالبہ ہوگا۔ اس لیے کہ ایمان اس کے لیے ہر طرح کا امن و سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔

مسئلہ: اگر مسلمانوں سے ایسی غلطیاں ہوجائیں تو اُن کی تفصیل گزری ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے تائب ہو تو حقوق الٰہی یعنی شرعی سزا معاف ہوگی لیکن حقوق العباد معاف نہ ہوں گے۔ اسی طرح اس مسلمان نے ڈاکہ زنی میں کسی کو قتل کر دیا اور اس نے قبل از گرفتاری توبہ کر لی تو حد شرعی معاف لیکن مقتول کے ورثاء کا حق باقی ہوگا چاہیں تو قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں۔ اسی طرح اس نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو سُولی نہ چڑھایا جائے گا لیکن ورثاء کے حوالے کیا جائیگا چاہیں قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں اور مال بھی لیں۔

مسئلہ: بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ قتل کرنے اور مال لُوٹنے کی صورت میں مال اس وقت واپس کرایا جائے جب اس کے ہاں موجود ہو ورنہ مال بھی معاف (جیسے عام چوروں کے متعلق مسئلہ ہے)

حکایت: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حضرت حارث بن بدر تائب ہو کر حاضر ہُوئے حالانکہ اس سے قبل ڈاکہ ڈالتا رہا، خونریزی کرتا رہا اور مال لوٹتا رہا، اس کی توبہ قبول فرمائی۔ اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ فرمایا۔

مسئلہ: جو شخص گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس سے نہ حقوق اللہ معاف ہوں گے نہ حقوق العباد۔

مسئلہ: ڈاکہ ڈالنا اور لوگوں کو ڈرانا سخت اور قبیح ترین گناہ ہے جیسے لوگوں سے دُکھ درد ٹالنا بہترین کام اور اعلیٰ نیکی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں اپنی امت کی نیکیاں اور بُرائیاں پیش کی گئیں ان کے بہترین اعمال میں سے میں نے اُن کا بہتر عمل یہ پایا کہ جو مسلمانوں کے دُکھ درد ٹالتے ہیں اور ان کی بُرائیوں میں سے سخت برائی یہ کہ تھوک مسجد میں پڑی ہو تو اُسے دفن نہ کریں۔

حدیث شریف ۱ مع شرح: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اشار الی اخیہ (جس نے اپنے بھائی پر اشارہ کیا)

یعنی اخیہ سے مسلمان اور ذمی دونوں مراد ہیں اس حکم میں۔ بحدیدۃ (لوہے) سے اس سے قتل کرنے کا ہتھیار مراد ہے اس لیے کہ بعض روایات میں بسلاح (ہتھیار سے) کا لفظ صراحۃً واقع ہوا ہے تو ملائکہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں، یعنی اس پر دُعا کرتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہو، اس لیے کہ اس نے اپنے بھائی کو ڈرایا اشارہ سے۔ اور وہ حرام ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایحل لمسلم ان یروع المسلم۔ — مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہتھیار اٹھا کر مسلمان کو ڈرائے۔

ف: اس لیے کہ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ ہتھیار ہاتھ سے چھوٹ کر کسی کو لگ جاتا ہے۔

حدیث شریف ۳: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایشر احدکم الی اخیہ فانہ لایدری لعل الشیطان ینزع فی یدہ وان کان اخاہ۔ (مسلم شریف) — ہتھیار کے ساتھ اپنے کسی بھائی مسلمان کی طرف اشارہ نہ کرو، ممکن ہے شیطان اس سے چھین کر اس کے بھائی کو مار دے۔

ف: بھائی سے عام مومن مراد ہے خواہ اس کے ماں باپ ہوں، اگرچہ وہ اشارہ مذاق کے طور پر ہی ہو اور اشارہ سے اس کا مارنا مقصود نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ نہ کرنے میں اولیاء اللہ کی دشمنی سے ممانعت فرمائی گئی ہے، اس لیے کہ حدیث قدسی میں ہے حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

من عاد ولیاً فقد بارزنی فی الحرب وانی لاغضب لاولیائی کما یغضب اللیث لجروہ۔ — جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے، اور میں اپنے دوستوں کے لیے ایسے ناراض ہوتا ہوں جیسے شیر اپنے بچے کے لیے۔

بلعم بن باعوراء کی کہانی بلعم باعوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ایک بہت برگزیدہ بندہ تھا یہاں تک کہ زمین سے عرش کو دیکھ لیتا تھا، لیکن جب وہ دنیا کی طرف جھکا اور دنیا داروں سے گٹھ جوڑ کیا تو وہ اللہ کے دوستوں کی مخالفت کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے

اس کی معرفت چھین لی اور اسے ایک ذلیل ترین کُتّے کی طرح بنا دیا۔

ف : ایسے جنگجو کی سزا یہ ہے کہ اُسے رسوائی کی چھری سے ذبح کیا جائے یا اُسے محرومی کی سُولی پر مہجوری کی رسّی سے لٹکایا جائے یا اُس کے وصال کے دامن سے اس کے ہاتھ دُور رکھے جائیں اور اختلاف سے اس کے پاؤں۔ یا اسے اُنس اور قُربت کی زمین سے دُور شہر نکالی دی جائے ایسے شخص کو دنیا میں بھی محرومی اور آخرت میں تو اُس نے دیدارِ الٰہی سے مہجور و محروم رہنا ہے الاّ الذین الخ ہاں وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور بخشش مانگی اور اللہ والوں سے معافی چاہی، اس سے قبل کہ اس سے ولایت چھین لی جائے تو اے اللہ والو اگر تم معاف کر دو تو مناسب ہے اس لیے کہ تم جسے معاف کرو گے اسے اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دے گا۔ اگر تم اسے محروم کر دو گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے بھی محروم ہوگا اس لیے کہ ولایت کے دروازہ سے دھتکارے ہوئے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

کلیدِ گنجِ سعادت قبولِ اہلِ دلست
مبادکس کہ درین نکتہ شک وریب کند

ترجمہ : گنجِ سعادت کی کنجی اہلِ دل کو قبول کرنا (ماننا) ہے ایسا نہ ہو کہ اس میں کوئی شک و شبہ کرے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) لاجرم آزاہ بر تو بستہ شد — چوں دل اہل دل از تو خستہ شد
(۲) زود شاں دریاب و استغفار کن — ہمچوں ابرے گریہا و زار کن
(۳) تا گلستاں شاں سوئے تو بشگفد — میوہائے پختہ بر خود واکند
(۴) ہم بران درگرد کم از سگ مباش — باسگِ کہف ارشدستی خواجہ تاش

ترجمہ (۱) بہرحال تجھ پر وہ راہ بند ہے جب کوئی اہلِ دل تجھ سے ناراض ہوا۔
(۲) جلد تر ان سے معافی مانگ، استغفار کر، بادل کی طرح آنسو بہا اور زاری کر۔
(۳) تاکہ ان کے باغ کا پھول تجھے نصیب ہو اور ان سے پختہ میوے تجھے نصیب ہوں۔
(۴) ان کے ہاں خدمت کے لیے کُتّے سے کم نہ ہو، سگِ اصحابِ کہف کی طرح ان کا خادم بن۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ
مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا
نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ
اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ
لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا
فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ
شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّلَهُمْ
فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ
التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

ترجمہ : اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو
اس امید پر کہ فلاح پاؤ بے شک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے سب اور اس کی برابر اور اگر ان
کی ملک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو ان سے نہ لیا جائیگا اور
ان کے لیے دکھ کا عذاب ہے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے نہ نکلیں گے اور ان کو دوامی
سزا ہے اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کے ہاتھ کاٹو ان کے کیے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا
اور اللہ غالب حکمت والا ہے تو جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو اللہ اپنی مہر سے
رجوع فرمائے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے لیے ہے آسمانوں

اور زمین کی بادشاہی، سزا دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے چاہے، اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اے رسول تمہیں غمگین نہ کریں وہ جو کفر پر دوڑتے ہیں جو کچھ وُہ اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور کچھ یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں، جو تمہارے پاس حاضر نہ ہُوئے اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں کے بعد بدل دیتے ہیں کہتے ہیں یہ حکم تمہیں ملے تو مانو اور یہ نہ ملے تو بچو۔ اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہرگز تو اللہ سے اس کا کچھ بنا نہ سکے گا وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دل پاک کرنا نہ چاہا انہیں دنیا میں رسوائی ہے اور انھیں آخرت میں بڑا عذاب بڑے جھوٹ سننے والے بڑے حرام خور تو اگر تمہارے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرماؤ یا ان سے منہ پھیر لو اور اگر تم ان سے منہ پھیر لو گے تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو بے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں اور وہ تم سے کیونکر فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس توارات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے بایں ہمہ اسی سے منہ پھیرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں۔

تفسیر عالمانہ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یعنی اس کے عذاب سے ڈرو اور اس کی نافرمانیوں سے بچو وَابْتَغُوْا اپنے لیے طلب کرو اِلَیْہِ اس کی طرف اس کے ثواب اور اس کے قرب کے لیے الْوَسِیْلَۃَ وسیلہ کو یعنی اعمالِ صالحہ سے اس کا قرب تلاش کرو۔ الیہ، الوسیلۃ سے متعلق ہے اہتمام کی وجہ سے الیہ کو مقدم کیا ہے۔ الوسیلۃ مصدر نہیں کہ اس کے معمول کو اس پر مقدم کرنا جائز ہو بلکہ فعیلۃ کے وزن پر مایتوسل بہ ویتقرب الی اللہ کے معنیٰ میں ہے، یعنی وُہ شئے کہ جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرو وسل کذا سے ماخوذ ہے تقرب الیہ کے معنیٰ پر ہے، اس کی جمع الوسائل آتی ہے۔

ف: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ وسیلۃ بہشت میں افضل الدرجات کا نام ہے۔

حدیث شریف میں ہے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سلوا الی اللہ الوسیلۃ فانہا درجۃ فی الجنۃ لاینالہا الا عبد واحد و أرجوا من اللہ ان یکون ھوانا۔	میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ وسیلہ کا سوال کرو اس لیے کہ وہ بہشت میں ایک ایسا درجہ ہے جو صرف ایک بندے کو نصیب ہوگا اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔

حدیث شریف میں ہے:

من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ و الصلاۃ القائمۃ اٰت سیدنا محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ۔

جس نے مؤذن کی اذان سن کر اللھم رب سے لے کر الذی وعدتہ تک پڑھا۔ ترجمہ: اے اللہ اس مکمل دعا کے مالک اور صلاۃ قائمہ کے رب ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور درجہ رفیعہ عطا فرما اور انہیں وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا تُو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

ف: حضرت فناری اپنی تفسیر فاتحہ میں لکھتے ہیں کہ وسیلہ جنتِ عدن میں ایک بہترین مقام کا نام ہے جو اُمت کی دُعا سے صرف حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوگا۔ اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا جس کے سبب سے ہم اللہ تعالیٰ سے سعادت ابدی کے حقدار بنیں گے اس لیے اللہ تعالےٰ نے ہمیں افضل اُمم کے خطاب سے نوازا، اور ہم پر اُمتوں کو ختم فرمایا جیسے ہمارے نبی علیہ السلام کو خاتم الانبیا بنایا اور حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ اس کی خوشخبری اپنی اُمت کو سنائیں۔ اس سے ہی ہمیں خاص عہدہ نصیب ہُوا جس سے ہم اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کریں گے اور وہ ہمارے ساتھ مخفی اسرار کا اظہار فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو کوئی خصوصیت نصیب ہوتی ہے جو صرف اسی سے مخصوص ہوتی ہے اس لیے ہمیں حکم ہُوا کہ ہم اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دُعا مانگیں کہ جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی مرتبہ نصیب ہو۔ یہ بھی غیرتِ الٰہیہ میں سے ایک ہے **وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ** اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔ یعنی اس کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کا مقابلہ کرو **لَعَلَّكُمْ** تاکہ تم **تُفْلِحُونَ** فلاح پاؤ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور اس کے فضل و کرم سے نوازے جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے فلاح حقیقی کو چار چیزوں پر منحصر فرمایا:

(۱) ایمان، یعنی اس کے نور کا وہ چھینٹا جو اپنے دستِ قدرت سے ابتدائے تخلیق میں اپنی مخلوق پر ڈالا اس کی بدولت بندہ ظلماتِ کفر سے چھٹکارا پاتا ہے۔

(۲) تقویٰ جو پسندیدہ اخلاق اور اعمالِ صالحہ سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے بندہ گناہوں کی تاریکیوں سے محفوظ ہوتا ہے۔

(۳) وسیلہ کی طلب یعنی لاہوتیہ میں ناسوتیہ کو فنا کرنا، اس سے بندہ وجود کے اوصاف سے بچتا ہے۔

(۴) جہاد فی سبیل اللہ یعنی انانیت کو مٹا کر ہویت میں گم ہونا۔ اس سے بندہ ظلماتِ وجود سے نجات پا کر نورِ شہود سے نوازا جاتا ہے۔

اب آیت کا حقیقی معنیٰ یہ ہوا کہ اے وہ لوگو! جنہیں نور کے چھینٹوں سے نوازا گیا مذموم اخلاق کو مٹا کر تقویٰ پیدا کرو۔ وجود کے اوصاف ختم کر کے اُس کا قرب حاصل کرو۔ وجود کو فنا کر کے جہاد فی سبیل اللہ کرو تا کہ تم اپنے معبود سے اپنا مقصود پاؤ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مسئلہ: آیت میں 'وسیلہ' کی طلب کی تاکید کی گئی ہے اور وہ ضروری امر ہے اس لیے کہ اُس کے سوا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے اور اس وسیلہ سے علماءِ حقیقت یعنی مشائخِ طریقت مراد ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہیٔ خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ: مرشد (خضر) کی ہمراہی کے بغیر یہ راستہ طے نہ کر، اس میں تاریکیاں (ظلمات) ہیں گمراہ ہونے سے ڈر۔

نسخۂ روحانی اپنے طور عمل کرنے سے نفس کو تقویت ملتی ہے۔ ہاں کامل مرشد کی نگرانی میں عمل کیا جائے اسی میں کامیابی ہے کہ در اصل وہی انبیاء کی رہبری ہے اور اولیاء کا یہی شیوہ ہے اس سے ہی وجود سے نجات ملتی ہے اور حجابات اُٹھتے ہیں اور اسی طریقہ سے ہی سالک اپنے ملک کے حرم میں پہنچتا ہے۔

حکایت حضرت ابو الحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا میں اور میرا ایک رفیق ایک جنگل میں اللہ تعالےٰ کی تلاش میں نکلے ایک عرصہ تک اسی شغل میں رہے اور اس سے پُر اُمید تھے کہ آج نہ سہی تو کل ضرور منزلِ مقصود تک پہنچیں گے۔ ایک دن ایک ذُوہیبت انسان ہمیں ملا۔ ہم نے سمجھا یہ کوئی اللہ والا ہے ہم نے اُن سے عرض کی آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کیا پوچھتے ہو جو اس خیال میں غرق ہو کہ آج نہ سہی تو کل ضرور منزلِ مقصود تک پہنچیں گے۔ اس طرح سے اگر اپنے نفس کو بہلایا گیا تو پھر منزلِ مراد تک پہنچنا مشکل ہے بلکہ اسے اگر ملنا ہے تو اسی کے نام سے ملو۔ چنانچہ اُن کی اس تقریر سے ہم متنبہ ہوئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کی۔ اُس کے بعد ہمارے اوپر واردات ہوئے اور ہم منزلِ مقصود تک پہنچے۔

سبق انسان کو چاہیے کہ ہر طرح کے تعلق سے پاک ہو کر اُس کی تلاش میں رہے پھر اس پر حقیقتِ حال کا انکشاف ہوگا۔ حضرت شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر مال دریغ
کہ کارِ عشق ز ما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: افسوس کہ ہم نے دوست پر عمر کا مال فدا نہ کرسکے عشق میں ہم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔

نسخہ رُوحانی: اللہ والوں کی صحبت ایک نعمتِ عظمٰی اور سعادتِ عُلیا ہے۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مغربی خادم تھا آپ کے سامنے منکر نکیر کی بات چل نکلی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اُن سے بات کروں گا۔ عرض کی گئی ہمیں کیسے معلوم ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو تم میری قبر پر بیٹھنا پھر سُن لینا۔ جب وُہ بزرگ فوت ہوئے تو چند آدمی اُن کے مزار پر بیٹھ گئے اور کان لگا کر باتیں سُنیں۔ جب منکر نکیر نے سوالات کیے تو اُس نے کہا مجھ سے کیا پُوچھتے ہو میں نے تو زندگی سیّدنا بایزید بسطامی قدس سرّہٗ کی پوستین گردن پر اٹھائے رکھی ہے منکرین اُس کا یہ جواب سُن کر واپس چلے گئے۔

ف: یہ کوئی بڑی بات نہیں اس لیے کہ ایسے لوگوں کے پاس جوابات قبر میں ساتھ چلے جاتے ہیں وہی اُن کا سرمایۂ برزخی ہوتا ہے جس سے انہیں مقصود حاصل ہوتا ہے۔ حضرت مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ؎

گنج زری کہ چو خسپی زیر ریگ — با تو باشد آن نباشد مرد ریگ
پیش پیش آں جنازت می رود — مونس گور و غریبے مے شود

ترجمہ: گنج زری جب تو مٹی کے نیچے سوئے گا تیرے ساتھ ہوگا وُہ کوئی مصنوعی شئے نہ ہوگی۔ تیرے جنازہ کے آگے آگے جاتا ہے وہ تیرے سفر اور قبر کا ساتھی رہے گا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ بیشک وہ لوگ جو کافر ہیں اگر ان کے لیے ہو یعنی ان ہر ایک کے لیے مَا فِى الْاَرْضِ وہ جو روئے زمین پر ہے یعنی زمین کے ہر قسم کے مال اور خزینے بلکہ اُس کے تمام منافع کی اشیاء۔ مافی الارض، اِنَّ کا اسم ہے اور لہم اُس کی خبر مقدم ہے جَمِيْعًا سب کا سب۔ الّذین اسم موصول کے لیے

تاکید ہے یا اس سے حال واقع ہے وَمِثْلَهٗ اور اس کی مثل اور بھی اس کا اسم موصول پر عطف ہے یعنی رُوئے زمین کا دوگنا اور مال ہو مَعَهٗ اس کے ساتھ ہی۔ یہ اسم ظرف اسم معطوف سے حال ہے اور ضمیر اسم موصول کی طرف راجع ہے۔ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ ہے اس کا ضمیر اسم موصول کی طرف راجع ہے اسی طرح مثلہ کا ضمیر بھی اسی طرف راجع ہے۔

سوال : اسم موصول جمع ہے اور ضمیر واحد کی ہے۔

جواب : اسے اسم اشارہ کا قائم مقام کیا گیا ہے گویا بہ کو بذٰلك کی تاویل میں لایا گیا ہے۔

مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ یوم قیامت کے عذاب سے، یہ بھی لیفتدوا کے متعلق ہے۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ رُوئے زمین پر ہے اور اس جیسا اور بھی انہیں مل جائے اور وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دیں مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ تو اُن سے قبول نہ کیا جائے۔ یہ لَوْ کا جواب ہے لَوْ اپنے متعلقات سے مل کر ان کی خبر ہے اُن پر عذابِ عظیم لازم ہونے کی مثال دے کر سمجھایا اور بتایا گیا ہے کہ ان کے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں نہ تحقیقاً نہ فرضی طور۔

حدیث شریف میں ہے :

> کافر کو جب قیامت میں عذاب کے لیے لایا جائیگا تو اس سے پوچھا جائیگا کہ روئے زمین کے برابر تمہیں سونا دیا جائے اور پھر کہا جائے کیا تو اپنی جان رہائی کے لیے خرچ کرے گا۔ وہ کہے گا ہاں میری جان بچ جائے تو اس کو فدیہ کے طور خرچ کروں گا، اسے کہا جائے گا کہ دنیا میں تجھے اس سے آسان تر بات کہی گئی لیکن تُو نے اس کا انکار کر دیا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یعنی ایسا عذاب کہ اس کا درد اُن کے دلوں پر اثر انداز ہوگا۔ يُرِيْدُوْنَ یہ سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ گویا ان سے کہا گیا کہ اُن کا کیا حال ہوگا یا وہ قیامت میں کیا کریں گے اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وہ جہنم کی آگ سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے متعلق چند وجوہ ہیں :

(۱) جہنم سے نکلنے کا ارادہ کرکے جہنم کے شعلے گھیر لیں گے اور وہ شعلے اُن کے سروں کے اوپر چڑھ جائینگے ان شعلوں سے نکلنے کا ارادہ کرینگے تو پھر جہنم کی طرف انہیں دھکیلا جائیگا۔

(۲) جہنم کے شعلے اور اس کی طاقت انہیں اٹھا کر باہر پھینکنے کا زور لگائے گی جس سے وہ باہر نکلنے کا ارادہ کریں گے۔

(۳) وہ دل ہی دل میں اس جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے۔

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا یعنی ارادہ تو نکلنے کا کریں گے حالانکہ وہ اُس سے نکل نہ سکیں گے اس لیے کہ جونہی وُہ جہنم سے باہر نکلنے کا ارادہ کرینگے تو انہیں دھکے دے کر پھر جہنم میں لوٹایا جائیگا **وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے، ایسا دائمی کہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اس میں عذاب کی سختی کے ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ وہ عذاب غیر متناہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہشتیوں کو بہشت میں کہا جائے گا تم اس بہشت میں ہمیشہ رہو گے اب تمہیں موت نہیں آئے گی جبکہ موت کو دُنبہ کی صورت میں لاکر بہشت اور دوزخ کے درمیان میں ذبح کیا جائے گا۔

نکتہ ۱: موت کو دُنبہ کی صورت میں لانے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا تو گویا وہ دنیا میں تمام زندوں کا فدیہ ہُوا پھر اسی مناسبت سے جو زندوں کا فدیہ بنایا گیا اُسے آخرت میں بھی ان کا فدیہ مقرر کیا گیا (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

نکتہ ۲: یہ کفر اور اس کی جزا، یعنی جہنّم میں دائمی طور پر رہنا اس وجہ سے ہے کہ لوگ ازل میں نورِ الٰہی کے چھینٹوں سے محروم رہے جبکہ اہلِ ایمان کو عالمِ ارواح میں اس نور سے وافر حصّہ نصیب ہوا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مومناں کان عسل زنبور وار

کافراں خود کان زہری ہمچو مار

ترجمہ: مومن شہد کی کان ہیں بھڑ کی طرح، کافر زہر کی کان ہیں سانپ کی طرح۔

---

(۱) جنبش خلق از قضا و وعدہ است — تیزیٔ دنداں زسوزِ معدہ است

(۲) نفس اوّل راند بر نفس دوم — ماہی از سرگندہ باشد نے زدم

(۳) تو نمیدانی کزیں دو کیستی — جہد کن چنداں کہ بینی چیستی

(۴) چوں نہی پشت کشتی بار را — بر توکل میکنی آں کار را

(۵) تو نمیدانی کہ از ہر دو کئی — غرقۂ اندر سفر یا ناجئی

(۶) چونکہ بر بو کست جملہ کارہا — کار دیں اولیٰ کزیں یابے رہا

ترجمہ: (۱) مخلوق کی جنبش قضاء و وعدہ سے ہے دانتوں کی تیزی معدہ کی سوزش سے ہے۔

(۲) نفس نے خود ہی اپنے اوپر درندے چھوڑے مچھلی سر باہر نکالنے سے پکڑی جاتی ہے نہ کہ سانس نکالنے سے۔
(۳) تُو نہیں جانتا کہ تو ان دونوں میں کون ہے کوشش کر پھر دیکھ کہ تُو کون ہے۔
(۴) جب تو کشتی کی پشت پر بوجھ رکھتا ہے توکل سے ہی تو یہ کام کرتا ہے۔
(۵) تمہیں معلوم نہیں کہ تُو ان دونوں میں کون ہے پانی میں غرق ہوگا یا نجات پا جائیگا۔
(۶) جب تیرے کام ایسے ہیں تو پھر دین کا کام ان سب سے اولیٰ ہے اسی سے تو نجات پا جائے گا۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں جہنّم کے پُل پر کھڑا ہُوں اور مجھے سخت خوف نے گھیر لیا، اس لیے سخت متفکر ہُوا کہ اب اِس پُل سے کیسے گزروں۔ اس اثنار میں ایک غیبی آواز آئی: اے بندۂ خدا! بوجھ اُتار کر اس پُل کو عبور کیجئے۔ میں نے پُوچھا: میرے ہاں تو کوئی بوجھ نہیں۔ فرمایا: یہی دُنیا کا گورکھ دھندا سب سے بڑا بوجھ ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تا کے غم دنیائے دُنی اے دلِ دانا
حیفست زخوبی کہ شود عاشق زشتی

ترجمہ: اے دلِ دانا! کب تک تُو اس خسیس دنیائے غم میں کب تک رہے گا اس حسین پر افسوس ہے جو قبیح کا عاشق ہے۔

حدیث شریف مع شرح حدیث شریف میں ہے، رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یؤتی بانعم اھل الدنیا۔	قیامت میں دنیا کے بہت بڑی نعمتوں والے کو لایا جائے گا۔

حدیث میں بانعم اھل الدنیا میں بار تعدیہ کی ہے اور انعم افعل التفضیل کا صیغہ ہے جو نعمت سے مشتق ہے یعنی ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ نعمتوں سے زیادہ مالا مال ہو۔

من اھل النار یوم القیامة فیصبغ فی النار صبغة۔	وہ اہلِ نعمت دوزخی ہوگا تو اس کو جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔

یہاں پر صبغ کا معنی غوطہ دینا ہے اس لیے کہ کسی شَے کو رنگنے میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس شَے کو رنگ

میں غوطہ دیا جاتا ہے ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے اور غوطہ لگانے سے یہی مقصود ہے کہ اُسے جہنم کی آگ سے جلایا جائیگا۔

ثم یقال یا ابن آدم ھل رأیت خیرا قط ھل مربك نعیم قط فیقول لا واللّٰہ یا رب۔

پھر اس سے پُوچھا جائے گا اے ابنِ آدم! تُو نے کبھی کوئی سُکھ پایا، کیا تجھے کوئی نعمت بھی نصیب ہوئی؟ تو کہے گا اے اللہ! مجھے کوئی سُکھ نصیب نہیں ہُوا اور نہ ہی کوئی نعمت ملی۔

یعنی عذاب کی سختی سے اُسے دنیا کی تمام نعمتیں بھُول جائیں گی۔

ویؤتی باشد الناس بؤسا۔

اور قیامت میں تنگ دست تر انسان کو بلایا جائیگا۔

یعنی ہر وہ انسان کہ جس کی دُنیوی زندگی نہایت پریشانی اور تنگی سے گزری ہوگی۔

من اھل الجنة فیصبغ صبغة من الجنة فیقال لہ یا ابن آدم ھل رأیت بؤسا قط ھل مربك شدة قط فیقول لا واللہ ما مربی بؤس قط ولا رأیت شدة قط۔

اسے بہشت میں کچھ نعمتیں نصیب ہوں گی، تو پھر اس سے سوال ہوگا کہ ابن آدم تجھے کچھ نعمتیں نصیب ہوں گی۔ پھر اس سے سوال ہوگا کہ اے ابن آدم! تجھے کچھ دنیا میں دُکھ تکلیف پہنچی تھی؟ عرض کریگا نہیں یارب! مجھے تو کسی قسم کی تکلیف اور دکھ نہیں۔

کذا فی شرح المشارق لابن الملک :

ہر چند غرقِ بحرِ گناہم ز صد جہت
گر آشنائے عشق شوم زاہلِ رحمتم

ترجمہ : اگرچہ بے شمار طریقوں سے گناہوں کے دریا میں غرق ہوں اگر عشق کا واقف ہو جاؤں تو اہلِ رحمت سے ہوں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی حکم السارق والسارقة ثابت فیما یتلی علیکم یعنی چوری کرنے والے مرد اور عورت کا حکم تمہارے

تلاوت کیے ہوئے قرآن میں ہے کہ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا ان کے دونوں ہاتھ کاٹو۔ یہ حکم مقدر کا بیان فار کا ما بعد ماقبل سے مرتبط ہے اس لیے کہ ان کے مابین فار لائی گئی ہے کہ اصل مقصود چور کی سزا سے یہی ہے۔ اگر فار نہ لائی جاتی تو بظاہر فار کا مابعد ایک اجنبی معلوم ہوتا۔

سوال : جب یہی اصلی مقصود ہے تو پھر حکم کو کیوں مقدر کیا گیا ؟

جواب : فاقطعوا امر ہے اور یہ انشار ہے اور یہیں السارق الخ کے لیے خبر کی ضرورت ہے اور خبر جملہ انشائیہ نہیں بن سکتا سوائے اس کے کہ اس کے لیے کوئی شے مقدر مانی جائے یا اس کی تاویل کی جائے۔ ایدیھما سے ان کے دونوں دائیں ہاتھ مراد ہیں اس لیے صیغہ جمع کا لایا گیا ہے جیسے قد صغت قلوبکما میں جمع لائی گئی ہے حالانکہ یہاں دونوں مقام پر تثنیہ کا صیغہ چاہیئے۔

ف : کس قدر چوری ہو تو قطع ید لازم آتی ہے اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر بیان کریں گے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ان کو ان کے کیے کی سزا اور اللہ تعالیٰ کا اُن پر عذاب ہے جزاءً اور نکالاً دونوں مفعول لہ ہیں۔ معنٰی یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ کاٹو۔ یہ ان کی وہ سزا ہے جو انہوں نے چوری کی ہے اور دوبارہ ایسے عمل سے روکنے والی سزا ہے بلکہ دوسروں کو بھی عبرت ہوگی جو ان کی اقتدار میں ایسے بُرے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں اور من اللہ نکالا کی صفت یعنی نکالا کائنا منہ تعالیٰ اور نکال' تنکیل کا اسم ہے نکول سے ماخوذ ہے بمعنے الامتناع وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ اور اللہ غالب ہے اپنے ہر امر پر جس کا وہ اجرار کرتا ہے جیسے وُہ چاہتا ہے نہ اُسے کوئی روکنے والا روک سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مخالفت کرنے والا ہے جو اس سے جھگڑا کرے حَكِيْمٌ اپنی شرائع کے اجرار میں حکمتیں جانتا ہے ان کا حکم ویسے جاری کرتا ہے جیسے حکمت اور مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے اس لیے شرعی احکام کو سوسو حکمتوں اور مصلحتوں سے مشروع فرمایا۔ فَمَنْ تَابَ پس جو چور چوری سے توبہ کرے مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ ظلم کرنے کے بعد یعنی دُوسروں پر اُن کے مال چھین کر ظلم کرنے کے بعد۔

سوال : ظلم کی تصریح کیوں کی گئی ہے حالانکہ غلطی کے بغیر توبہ ہوتی ہی نہیں۔

جواب : اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار مطلوب ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ چوری وغیرہ بہت بڑا گناہ ہے۔

وَاَصْلَحَ اور اپنی اصلاح کرے یعنی جتنی غلطیاں کی ہیں اُن سے پُورے طور رُوگردانی کرکے پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ایسی غلطی کا ہرگز مرتکب نہیں ہوگا یعنی چوری وغیرہ نہیں کرے گا۔

فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے کہ اُسے آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ کرے گا۔

مسئلہ : توبہ سے حدِ سرقہ یعنی قطعِ ید معاف نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ مال کے مالک کا حق ہے اور حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے (یہی احناف کا مذہب ہے)

مسئلہ : حضرت حدّادی فرماتے ہیں کہ اگر چور حاکم کے پیش ہونے سے پہلے چوری کا مال مالک کو واپس کر دے اور تائب بھی ہو جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مسئلہ : جب اسے حاکم کے پیش کیا گیا تو پھر توبہ کرتا ہے تو اب ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ اگر اُس نے سچے دل سے توبہ کی ہے تو یہ قطعِ ید اس کے لیے بلندیِ درجات کا موجب ہو گا۔ جیسے انبیاء و اولیاء اور نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مصائب اور تکالیف و امراض میں مبتلا کر کے اُن کے لیے رفع درجات فرمائے یہ بھی اسی حکم میں ہے اگر سچے دل سے تائب نہیں تو آخرت میں سزا علاوہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی اس کی مغفرت و رحمت کا کوئی کنارہ نہیں اس لیے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کے مُلک اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ لیکن اس سے تمام لوگ مراد ہیں۔ تقریرِ علم کے لیے یہ استفہام انکاری ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بندوں کو آگاہ کرنا مطلوب ہے۔ چنانچہ ابھی عذاب و مغفرت کا بیان کامل طریق سے مذکور ہو گا۔ یعنی تمہیں معلوم نہیں کہ تمام اشیاء پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے وہی ہر شے پر قادر ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمام تصرفات ہیں زمین و آسمان کی ملکیت سے قدرتِ تامہ کا اظہار مطلوب ہے کہ وہ اتنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اُس کے قبضۂ قدرت میں آسمان و زمین بھی ہیں، اور ان کی ایجاد بھی اُسی کی ہے اور وہی ان کو مٹائے گا اور سب کو وہی زندہ رکھتا ہے اور سب کو وہی فنا فرمائے گا جیسا کہ اس کی قدرت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی کرتا ہے۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اگرچہ گناہ صغیرہ پر بھی عذاب دے یہ اس کا عدل ہو گا وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اگرچہ بہت بڑا گناہ (کبیرہ) بھی ہو، یہ اس کا فضل ہے، یعنی جس کے لیے حکمت کا تقاضا ہوتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کی مغفرت کے لیے اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے اُسے بخش دیتا ہے وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے منجملہ اس کی قدرت کے یہ بھی ہے کہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

بخش دیتا ہے۔

اہلسنّت کے عقیدہ کی تفصیل ابن الشیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص توبہ کیے بغیر مرجائے تو اُسے دُنیا کی سزا یہ ملی کہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ۔ اگر توبہ کر کے مرا تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی اس لیے کہ وہ مالک ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اور جس طرح اس کا ارادہ ہوتا ہے ویسے حکم فرماتا ہے، پس جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخش دے۔ عذاب دے تو بھی اس کی شان کے لائق ہے اور اگر کسی کو بخش دے تو بھی اس کے شایانِ شان ہے اس لیے کہ وہ تمام مخلوق کا مالک اور معبود ہے وہ اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

معتزلہ کا عقیدہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے افعال اس لیے نہیں کہ وہ معبود ہے بلکہ بایںمعنی ہیں کہ اس کی مخلوق مصلحتوں کے لیے ایسے ہی لائق ہیں اور جو شے بہتر مصلحت کی مقتضی ہے اس کو یہی متضمن ہے کہ وہ اچھی ہو۔

چوری کے مسائل کی تفصیل

مسئلہ: چوری اس مال کا نام ہے جو دس درہم کی مقدار (مالیت) کا کسی مکلّف انسان کا محفوظ مال چھپ کے اٹھا لیا جائے اور اٹھانے والے کا نہ اس مال میں کوئی ملک ہو نہ شبہ ملک۔

فوائد قیود مکلّف کی قید سے مجنون اور بچّے کی ماں کی چوری کا مسئلہ خارج ہوا کہ اگرچہ وہ بھی چوری ہے لیکن قطع ید نہیں۔

مسئلہ: خفیہ (چھپ کر مال لوٹنا) کی قید سے غصب اور ڈاکہ زنی خارج ہوئے اور یہی خفیہ طور سرقت کے مسائل کا رکن ہے۔

مسئلہ: دس درہم خواہ نقد ہوں یا اُن کی قیمت کی مقدار (مالیت) یہ سرقہ کا نصاب ہے کہ اس سے کم مال کا نام بھی اگرچہ سرقہ ہے لیکن قطع ید نہیں۔

مسئلہ: مسائل عیوب میں دس درہم سے کم کی چوری بھی غلام اور لونڈی میں شرعاً عیب ہے اس لیے ایسے غلام اور لونڈی کو بائع کے ہاں لوٹایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دینار کا چہارم حصہ ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک دس درہم۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں رُبع دینار بھی وارد ہُوا ہے

لیکن دس دراہم والی روایت کو ترجیح ہے وہ اس لیے کہ باب الحدود میں اکثر کو لینا زیادہ موزوں ہوتا ہے کیونکہ اس میں سزاؤں سے بندوں کو بچانا بہتر ہے اس لیے کہ انہیں سزاؤں میں مبتلا رکھا جائے اور وہ اس صورت میں ہے کہ نصاب کے معاملے میں کثرت ضروری ہے ورنہ معمولی غلطی کس انسان سے نہیں ہوتی (الاقلیل منہم والقلیل کالمعدوم)

مسئلہ : دس دراہم سے وُہ ہے جو سات مثقال کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

مسئلہ : دراہم (مُہر شدہ) کی قید لگائی جاتی ہے اس سے وہ مال خارج ہوا جو اس مقدار سے کم قیمت ہو۔ مثلاً کسی نے غیر مہر کا چاندی یا سونا چُرایا ہے لیکن اس کی قیمت دس درہم سے کم ہوتی ہے تو اس پر قطعِ ید نہیں۔

مسئلہ : مال کو حفاظت کی قید اس لیے لگائی جاتی ہے کہ ایسے مال پر قطع ید ہے، جس پر کوئی نگران ہو۔ نگرانی مکان میں محفوظ رکھنے سے ہو یا اس پر مستقل طور محافظ مقرر ہو۔

مسئلہ : امام بغوی فرماتے ہیں کہ اگر غیر محفوظ مال کی چوری کی گئی۔ مثلاً ایسے باغ سے میوے توڑے جس پر کوئی محافظ نہیں تھا یا ایسے جانور کو جنگل سے چُرایا کہ جس کا کوئی نگران نہیں تھا، یا سامان کو ایسے مکان سے اٹھایا جس میں ہر ایک کو آمدورفت کی اجازت ہے جیسے حمام اور عام سرائے، تو قطعِ ید نہیں۔ اس لیے کہ اشتباہ سے حدود مندفع ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ : غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس پر قطعِ ید نہیں، اس لیے کہ غلام کو اپنے سردار کے گھر میں ہر وقت آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔

مسئلہ : مرد کو اپنی عورت اور عورت کو اپنے مرد کے مال کی چوری پر قطعِ ید نہیں، اگرچہ وہ مال کسی محفوظ مکان میں ہو یا اس پر خصوصی نگران بھی مقرر ہو اس لیے کہ زن وشوہر کو آپس کے اموال پر تصرفات کی عام اجازت ہوتی ہے۔ اور عادۃً پوُچھے بغیر ایک دوسرے کا مال خرچ کیا جاتا ہے اس طرح سے قطعِ ید میں رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے۔

مسئلہ : جن ورثاء کو آپس میں وراثت کا رشتہ ہو تو اُن کو آپس کے مال چُرانے پر قطعِ ید نہیں اس لیے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے اموال سے نفع اٹھانے کے حقدار ہوتے ہیں اور ان کی آمد و رفت پر مال کی حفاظت نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ : ذی رحم محرم کے مکان سے چوری کرنے پر بھی قطعِ ید نہیں، اگرچہ مال مسروق کسی غیر کا اس کے گھر میں رکھا ہو اس لیے کہ ذی رحم محرم رشتہ دار سے بھی مال کی حفاظت نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ : چور کا دایاں ہاتھ گٹوں سے کاٹا جائے، پھر کاٹنے کے بعد اسے گرم تیل میں ڈالا جائے تاکہ خون بند ہو جائے اس لیے کہ اگر اسے تیل میں نہ ڈالا جائیگا تو خون حد سے زیادہ بہہ جائے گا جو انسان کی ہلاکت کا موجب ہے اور کسی کو حد لگانے سے آئندہ غلطی کرنے سے بچانا مطلوب ہے نہ کہ اسے ضائع اور برباد کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ سخت گرمی میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاتی۔

مسئلہ : ایک ہاتھ کٹ جانے کے بعد دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں گٹے سے کاٹا جائے۔ اگر تیسری بار چوری کرے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ جب تک وہ توبہ نہ کرے یا اس میں نیکی کے آثار نمایاں نہ ہوں اسے قید خانے میں رکھا جائے۔

حکایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک چور کو تیسری چوری میں گرفتار کر کے لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور مجھے حیا آتا ہے کہ اس کا ایک ہاتھ بھی نہ چھوڑوں جس سے وہ کھا پی سکے اور نہ ہی پاؤں جس سے وہ چل پھر سکے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ۔	مومن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

سبق : اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کے آثار بھی نمایاں ہو سکتے ہیں جسے نیک لوگ پہچان سکتے ہیں۔

مسئلہ : چوری کا اثبات ان دلائل و براہین سے ہوتا ہے جن سے شراب کا اثبات ہوتا ہے یعنی شہادت اور اقرار سے۔

مسئلہ : گواہی کے لیے دو مرد ضروری ہیں، حدود میں عورتوں کی گواہی غیر قابل قبول ہے۔

مسئلہ : جس کا مال چوری ہوا ہے اس کی طرف سے ہاتھ کاٹنے کا مطالبہ ضروری ہے اس لیے کہ دوسروں کے مال کی خیانت کا پتا اس وقت چلے گا جب مال کا مالک اس کا مطالبہ کرے۔

مسئلہ : ہاتھ کاٹنے میں شریف اور کمینے کا کوئی امتیاز نہیں، چوری جو بھی کرے گا شریف ہو خسیس ہو ہاتھ ضرور کاٹے جائیں گے۔

حدیث شریف و حکایت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک مخزومیہ عورت کو لایا گیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اس کے لیے حضرت اسامہ بن زید

رضی اللہ عنہ نے سفارش کی۔ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھنے کے باوجود اُس کی یہ سفارش قبول نہ فرمائی اور فرمایا:

اے اسامہ! کیا تو اللہ تعالیٰ کے حدود کے خلاف سفارش کرتا ہے، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ تم سے پہلے لوگ بھی اسی لیے تباہ ہوئے کہ جب اُن کے معزز گھرانے کے لوگ چوری کرتے تو ان پر حد جاری نہ کرتے اور اگر غریب گھرانے کے لوگ چوری کرتے تو اُن کا ہاتھ کاٹ دیتے۔ یاد رکھو کہ اگر میری صاحبزادی حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی چوری کرے (بلفرضِ محال) تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دُوں گا۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا:

جب حدود کا مقدمہ حاکم وقت کے ہاں پیش ہو تو اس کی سفارش نہ کی جائے۔

اس لیے حضور علیہ السلام نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش کو رد فرما دیا۔

مسئلہ: مقدمہ دائر ہونے سے پہلے اگر مدعی کو منوایا جائے یا سفارش کے طور پر کہا جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ: گنہگار کی ستر پوشی مستحب ہے جبکہ وہ شریر اور موذی نہ ہو۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

پس پردہ بیند عمل ہائے بد　　　ہم او پردہ پوشد بیالائے خود

ترجمہ: پس پردہ ہمارے بے شمار بُرے اعمال دیکھتا ہے لیکن اپنے کرم سے ہماری پردہ پوشی فرماتا ہے۔

ف: حدیث شریف رعیت کے ساتھ عدل وانصاف پر دلالت کرتی ہے اور واجب کہ سب پر اجرائے احکام برابر ہو۔

سوال: امام ابو منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا جائے گا اس کی قیمت ہزاروں روپے تک پہنچے گی اور چوری کی مقدار کم از کم دس درہم ہے۔ چوری کی سزا میں برابری نہ ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلہا۔　　　جو شخص بُرائی کرے اسے اس کی بُرائی کے برابر سزا دی جائے۔

جواب: دنیاوی سزا ایک آزمائش ہے اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جس طرح آزمائش چاہتا ہے کرتا ہے بندے کی غلطی کے مطابق سزا نہیں دی جاتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر سزا مقرر ہوئی ہے اور یہاں بھی ہاتھ کاٹنا اس کی چوری کے مال کی سزا نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی

ہتک کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:
جَزَاءً بِمَا کَسَبَا ۔ یعنی یہ سزا چوری کے عمل سے ہے اور یہ سزا یعنی ہاتھ کا ٹنا ممکن ہے۔ اس کی مقدار اُسی ہتک کے برابر ہو اگرچہ دس درہم کی کوئی وقعت نہیں اور سزاؤں کی مقدار وہی جانتا ہے جسے جنایات کا علم ہو۔ جب یہ بات مسلّم ہے تو بندے کو سرِ تسلیم خم کرنا لازمی ہے۔
نکتہ: حضرت یونس بن عبید باب الترہیب میں فرماتے ہیں کہ یہ مت کہو کہ چور کے بہتر عضو کو صرف پانچ درہم کی سزا پر کٹوا ڈالے۔ اس طرح کہنے سے کل قیامت میں سخت عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ (کذا فی منہاج العارفین)
سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنی تمام غلطیوں سے توبہ کرے اور تمام غلط کاریوں سے بچنے کی کوشش میں رہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

حیلہا و چارہا گر اژدہا ست
پیش الا اللہ آنہا جملہ لا ست

ترجمہ: حیلے وفریب اگرچہ اژدہا ہیں الا اللہ کے سامنے لا (نہیں) ہیں۔

قفل زسخت و کشایندہ خدا
دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ: سخت تالے لگے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کھولنے والا ہے تسلیم و رضا کا دامن پکڑ۔

سوال: آیت ہذا میں چور (مرد) کا نام پہلے اور زنا کے مضمون میں عورت کا ذکر پہلے کیوں؟
جواب: چوری طاقت وقوّت کے ذریعے ہوتی ہے اور طاقت وقوت میں مرد عورت سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور زنا شہوت سے ہوتا ہے اور عورت کو مرد سے زیادہ شہوت ہوتی ہے اور اس کا اصلی سبب بھی عورت ہی بنتی ہے۔
اعجوبہ: کہتے ہیں کہ متعدد مرد بھی ایک عورت کی شہوت کو نہیں بجھا سکتے۔
نکتہ: اس لیے اللہ تعالیٰ نے وعصٰی آدم ربّہٖ فغوٰی فرمایا حالانکہ وعصت حوا الخ فرماتا اس لیے کہ گندم کا دانہ کھانے میں پہل بی بی حوا نے کی اور اس کی ترغیب انہوں نے دی لیکن چونکہ عورت مرد کے تابع ہوتی ہے اس لیے مرد کی تقدیم مناسب ہوئی۔

سوال : جیسے چوری کے فعل میں ہاتھ کے ارتکاب سے ہاتھ کو کاٹا جاتا ہے اسی طرح زنا میں ذکر کو کاٹنا چاہیئے۔

جواب :(۱) ذکر کو کاٹ لیا جائے تو آیندہ نسل کے منقطع ہونے کا خطرہ ہے۔

(۲) سزا تمام بدن کو ملتی ہے کہ زنا میں تمام بدن لذّت پاتا ہے۔

نکتہ حضرت نیشاپوری فرماتے ہیں کہ چوری نے معنوی ہاتھ چھینا ہے جو کہ اس کا مال اس کا سہارا ہے اس لیے اس کی سزا ہاتھ کاٹنے کی مقرر ہوئی کہ ہاتھ کا بدلہ ہاتھ بنا۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ولله خزائن السمٰوٰت والارض۔ آسمان و زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وُہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بندہ کے پاس مال بطور امانت رکھا گیا ہے پھر جب چور نے اپنے مالک کے خزانے سے چوری کی تو مالک نے سزا کے طور اس کا ہاتھ کاٹا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے۔

لطیفہ : جیسے مال چوری ہوتا ہے اسی طرح عبادات کی بھی چوری ہوتی ہے۔

حدیث شریف : چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

اسوء الناس سرقة الذی یسرق من صلاته۔ سب سے بُرا چور وُہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے۔

عرض کی گئی کہ نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے ؟ فرمایا :

لایتم رکوعها و لا سجودها۔ جو رکوع و سجود صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا وہ نماز کا چور ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

ان الرجل یصلی ستین سنة وما تقبل له صلاة۔ بندہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے لیکن اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

وہ صرف اس لیے کہ وہ رکوع و سجود اچھے طریق سے ادا نہیں کرتا کذا فی الترغیب والترہیب۔

نکتہ صوفیانہ چونکہ ایسا نمازی وصالِ الٰہی کا رشتہ توڑ دیتا ہے اس لیے وہ اپنی منزلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ دائمی طور جُدائی اور فراق میں رہتا ہے کیونکہ اس نے

ایک گستاخی اور بے ادبی بلکہ اپنے رب کریم کے حکم میں سخت کوتاہی کی ہے۔

یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہے حضور علیہ السلام کی شرافت و بزرگی کے پیشِ نظر آپ کی رسالت کو مضمون کا عنوان بنایا گیا ہے۔ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ آپ کو ان لوگوں کا کردار غم میں نہ ڈالے اس لیے کہ اشخاص قطع نظر از عوارض غم و فرحت کا موجب نہیں بنتے یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ کفر کے اظہار میں عجلت کرتے ہیں۔ جب انہیں فرصت ملتی ہے تو وہ کفر بکتے ہیں اس سے حضور علیہ السلام کو کفار کے کردار سے غمگین ہونے سے روکا گیا ہے اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہے۔ یعنی آپ غم نہ کھائیے اور اُن کے کفر میں جلدی کرنے کی پرواہ مت کیجئے مِنَ الَّذِیْنَ کفر میں عجلت کرنے والوں کا بیان ہے یعنی وہ کفار جو کہ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ کہتے ہیں ہم تو صرف زبانی طور پر ایمان کا اظہار کرتے ہیں بافواھھم، قالوا سے متعلق ہے۔

سوال: قول ہوتا بھی ہے زبان سے کہنے سے، پھر افواھھم کی اضافت کا کیا فائدہ ؟

جواب: تاکہ واضح ہو جائے کہ اُن کی بات صرف منہ تک محدود ہے، اس کا تعلق اُن کے قلبی اعتقاد سے قطعاً نہیں۔

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ یہ قالوا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ اس کی تاکید ہے کہ اُن کی بات صرف زبانوں تک ہے ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہیں۔ اس کا عطف من الذین، قالوا پر ہے۔ یہاں پر کفر میں عجلت کرنے والوں کا بیان ختم ہوا۔ اور بتایا گیا کہ وہ دو قسم ہیں:

۱۔ منافقین

۲۔ یہودی

سَمّٰعُوْنَ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے در اصل ھم سمّٰعون تھا یعنی منافقین اور یہودی بہت زیادہ پھیلانے والے ہیں لِلْکَذِبِ جھوٹ کو، یہ لام تقویتِ عمل کے لیے ہے، یا سماع بمعنے قبول اور لام بمعنے کی ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں، یا یہ کہ جو اُن کے پادری انہیں اللہ پر افتراء کر کے باتیں بتاتے ہیں اسی طرح ان کی کتابوں کی تحریف کر کے اُن کے پادری جیسے کہتے ہیں یہ انھیں بہت زیادہ قبول کرتے ہیں، یا یہ کہ وہ تمہاری خبریں اور باتیں بہت زیادہ سُنتے ہیں تاکہ انھیں گھٹا بڑھا کر تبدیل کر کے لوگوں کو تم سے

بھکائیں، اس لیے کہ بعض اُن میں ایسے بھی تھے جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بعض باتیں سُن کر دوسروں کو کچھ کا کچھ جا کر سناتے سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ یہ مبتدا، مقدر کی دوسری خبر ہے اور پہلے مبتدا کے لیے ثابت اور واضح کرتا ہے کہ یہاں کذب مذکورہ دونوں وجہوں کے معنی میں ہے اور لام سمع اللہ لمن حمدہ کی طرح ہو گی کہ اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جس طرح سے کوئی حمد کرے اسے وُہ قبول کرتا ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہُوا کہ وُہ دوسروں کی باتیں بہت زیادہ مانتے ہیں لَمْ یَاْتُوْکَ یہ قوم کی دوسری صفت ہے یعنی وہ قوم جو آپ کی مجلس میں نہیں آئی بلکہ تکبّر کے طور پر اور آپ سے زیادہ بُغض رکھنے کی وجہ سے بہت زیادہ دُور رہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے خیبر کے یہودی اور سمّٰعون سے بنو قریظہ مراد ہیں۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ یہ قوم کی دوسری صفت ہے۔ کلماتِ الٰہیہ کو اپنے اپنے مقام سے تبدیل کرتے ہیں۔ یعنی جن امور کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے انہیں یہ لوگ تبدیل کرتے ہیں یعنی جن امور کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے انہیں یہ لوگ تبدیل کرتے ہیں۔ یہ تبدیلی یا لفظاً ہو گی کہ اسے مہمل چھوڑتے ہیں یا اس کے وصف کو بدل دیتے ہیں یا اس کی مراد کے خلاف معنے ظاہر کرتے ہیں یا اسے اپنے مورد سے پھیر کر دوسرا مورد متعین کرتے ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ یہ قوم کی اور صفت ہے یعنی ان کے بڑے لیڈر اپنے ان تابعداروں کی باتوں کو بہت زیادہ سنتے ہیں جن کو اپنی جھُوٹی اور بناوٹی باتیں بتاتے ہُوئے اپنے باطل کلام کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ اِنْ اُوْتِیْتُمْ اگر تم اس رسول علیہ السلام سے دئے جاؤ ھٰذَا یہ بناوٹی باتوں میں سے کچھ وہ بتائیں فَخُذُوْہُ تو اسے لے لو یعنی اس منگھڑت کلام پر عمل کرو اس لیے کہ وہی حق ہے وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْہُ اور اگر تم وُہ نہ دئے جاؤ بلکہ اس کا غیر دئے جاؤ فَاحْذَرُوْا تو پھر تم اس سے بچو یعنی اسے قبول نہ کرو، تم اس سے دُور رہو اور ان کو بھی اپنے سے دُور رکھو۔

شانِ نزول

مروی ہے کہ خیبر کے ایک اونچے خاندان کے مرد نے ایک سردار قوم کی عورت سے زنا کر لیا اور تھے بھی دونوں شادی شدہ۔ تورات میں بھی شادی شدہ زانیوں کی سزا سنگساری مقرر تھی لیکن اُنھوں نے ان کی قومی عزّت و احترام کے پیشِ نظر ان دونوں کو سنگسار کرنے سے پس و پیش کی اور ایک وفد کے ہمراہ ان زانیوں کو بنو قریظہ کے ہاں بھیجا۔ وہ وفد زانیوں کو لے کر بنو قریظہ اور نضیر کے قبیلہ کے ہاں پہنچے اور کہا کہ اے بھائیو! تم اس مرد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سے واقف ہو اور تمہیں ان کی رہائش کا پتا ہے کہ وہ کس شہر اور کس مقام پر رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک حادثہ ہوا ہے وہ یہ کہ ان مرد و زن سے زنا سرزد ہوا ہے اور یہ دونوں شادی شدہ بھی ہیں آپ

لوگ ہمارے لیے اس نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فیصلہ کرا دو۔

قریظہ اور نضیر دونوں قبیلوں کے لوگوں نے کہا کہ بخدا وہ جس طرح کا فیصلہ سنائیں گے تمہیں ناگوار ہو گا تاہم تمہارے کہنے پر ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے لیڈر جیسے کعب بن اشرف اور کعب بن اسد اور کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)! بتائیے زانی اور زانیہ کی سزا تمہاری کتاب میں کیا ہے جبکہ وہ دونوں شادی شدہ بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میرے فیصلے پر راضی ہو جاؤ گے؟ سب نے کہا: ہم اسی لیے تو آئے ہیں کہ آپ سے فیصلۂ حق سنیں۔ آپ کے ہاں اسی وقت جبرائیل (علیہ السلام) زنا کے لیے سنگساری کا حکم لائے۔ اور آپ نے انھیں یہ حکم سنایا تو سب نے انکار کر دیا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ انہیں اس فیصلہ کے لیے ان کے عالم ابن صوریا کو حَکَم بنائیے اور اس کو اوصاف بھی سنا دیجئے۔ آپ نے یہودیوں سے فرمایا: تم ایک گورے چٹے نوجوان ابنِ صوریا کو جانتے ہو جو فدک میں مقیم ہے؟ سب نے کہا: ہاں جانتے ہیں وہ ہمارے مذہب کا بہت بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اب صرف وہی تورات کا علم رکھنے والا رہ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اُسے بُلائیے۔ چنانچہ اُنہوں نے اسے بُلوایا۔ جب وُہ حاضر ہُوا تو آپ نے اُسے فرمایا: تُو ہی ابن صوریا ہے؟ اُس نے کہا: ہاں جی۔ آپ نے فرمایا: اس وقت یہودیوں کا سب سے بڑا عالم تُو ہی ہے؟ اس نے کہا: ایسے ہی کہتے ہیں۔ پھر آپ نے یہودیوں سے فرمایا: کیا تم اسے حَکَم مانتے ہو؟ سب نے کہا: ہاں جی! آپ نے ابنِ صوریا سے فرمایا: میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہُوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لیے دریا میں سڑکیں بنائیں اور تمہیں نجات دے کر تمہارے دشمنوں اور فرعون کو غرق کر دیا اور تمہارے اوپر بادلوں کا سایہ بنایا اور تمہارے اُوپر مَنّ وسلویٰ نازل فرمایا اور تمہارے اوپر ایک کتاب اتاری جس میں حلال و حرام کے احکام ہیں۔ یہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری کتاب میں شادی شدہ زانی مرد و عورت پر سنگساری کا حکم ہے؟ ابن صوریا نے کہا اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ اگر جھُوٹ بولوں تو مجھے تورات جلا کر راکھ بنا دے گی تو میں اس کا اقرار ہرگز نہ کرتا یا اس کے خلاف کوئی اور بات بتا دیتا لیکن اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرمائیے آپ کی کتاب میں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: میری کتاب میں یہ حکم ہے کہ اگر دو شادی شدہ زانی مرد و عورت کے لیے چار نیک مرد گواہی دیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں زنا کرتے ایسے دیکھا ہے جیسے سُرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے تو میں انہیں سنگساری کا حکم دیتا ہُوں۔

ابن صوریا نے کہا ، مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی - ہماری کتاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح حکم فرمایا ہے پھر آپ نے اس سے فرمایا : تو پھر تم نے اس حکم کو کیوں تبدیل کردیا ہے - عرض کی کہ ہم جب اس غلطی کا ارتکاب کسی اچھے خاندان والوں سے پاتے ہیں تو انہیں معاف کر دیتے ہیں اور اگر غریبوں سے یہ معاملہ ہوتا ہے تو انہیں سنگسار کرتے ہیں - اس بناء پر ہم میں زنا کی کثرت ہو گئی - اسی طرح جب ہم نے اپنوں سے چشم پوشی کی تو اسے دیکھ کر دوسرے نے زنا کیا ، اسی طرح پھر تیسرے نے ، پھر یہ وبا ، عام پھیل گئی ، ہم بھی مجبور ہو گئے ، وہ اس طرح کہ جب ہم کسی اونچے گھرانے کے فرد پر یہ حکم جاری کرتے تو اس کی طرف بہت برادری کھڑی ہو جاتی کہ اُسے سنگسار کرنا ہے تو فلاں کو بھی کرو وغیرہ ، پھر ہم نے مل کر ایک قانون پاس کیا جو سزا میں سنگساری سے کم ہو ، ہم نے سب امیر و غریب کے لیے زنا کی سزا صرف چالیس کوڑے اور تحمیم مقرر کیا' وہ اس طرح کہ اس کوڑے سے رسّی باندھ دی جاتی جو کالے تیل سے رنگی جاتی پھر ان زانیوں کے چہروں کو سیاہ کر کے دو گدھوں پر الٹا بٹھا کر شہر کا گشت کراتے - اس طرح سے ہم سے رجم ختم ہو گیا -

یہودیوں نے ابن صوریا سے کہا ، افسوس ہے کہ تُو نے ہمارا بھانڈا چورا ہے میں پھوڑ دیا - ہم نے غائبانہ تیری بہت تعریف کی وہ صرف اس لیے کہ تم یہ نہ کہو کہ تم نے میری پس پشت غیبت کی - ابن صوریا نے کہا : تم درست کہتے ہو لیکن مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں اس وقت جھوٹ بولتا تو میں تباہ و برباد ہو جاتا - یہ فیصلہ سُن کر یہودی خاموش ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ زانی مرد و عورت کو مسجد کے قریب لاؤ - جب انھیں لایا گیا تو آپ نے انہیں سنگسار کر کے فرمایا ؛

اے اللہ ! میں پہلا ہوں جو تیرے حکم کو زندہ کر رہا ہوں جبکہ انہوں نے تیرے حکم کو مٹا دیا تھا -

اس پر یہ آیت اتری کہ یایھا الرسل -

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ یہ مَن شرطیہ ہے یعنی جس کے لیے اللہ تعالیٰ گمراہی کا ارادہ کرتا ہے فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ تو تم اس کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتے مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اس سے اس کی گمراہی دُور فرمائیں اُولٰٓئِكَ وہ منافقین اور یہود الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی نہیں کہ ان کے دل پاک کرے کیونکہ وہ گمراہی و کفر میں بہت زیادہ منہمک ہیں اور اس پر مُصر ہیں اور انہوں نے اپنے اختیار کا رُخ ہدایت سے بالکلیہ پھیر کر گمراہی و کفر کی طرف کر دیا ہے لَهُمْ منافقین اور یہودیوں کے لیے فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ دنیا میں رُسوائی ہے منافقین کو بایں معنیٰ کہ ان کی منافقت کا پردہ چاک کر کے جگہ جگہ ذلیل و خوار کیا ہے ، اور یہودیوں کا بایں معنیٰ کہ اُن پر

جزیہ مقرر کر کے ذلت و خواری کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی عوام میں واضح کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے تورات کے احکام کو بدل ڈالا ہے وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ اور ان کے لیے رسوائی کے علاوہ آخرت کی بہت بڑی سزا مقرر ہے جسے عَذَابٌ عَظِيمٌ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہیں گے سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ وُہ جھوٹ کو بڑے غور سے سنتے ہیں، ماقبل کے مضمون کو مکرر لایا گیا ہے اَكّٰلُونَ لِلسُّحْتِ اور حرام مثلاً رشوت وغیرہ ہپ ہپ کر کے کھا جاتے ہیں، یہ سحتہ سے ہے یعنی استاصلہ گویا اس کی برکتوں کو جڑوں سمیت اکھاڑ گیا ہے فَاِنْ جَآءُوْكَ پس اگر وہ آپ کے پاس حاضر ہوں۔ یہ فاء فصیحیہ ہے یعنی جس وقت ان کا یہ حال ہو جیسا کہ شانِ نزول میں بیان ہُوا۔ یعنی پس اگر آپ کے ہاں اپنے جھگڑوں کے فیصلہ کے لیے حاضری دیں فَاحْكُمْ تو آپ ان کا فیصلہ فرما دیں اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ یا اُن سے رُوگردانی فرمائیں اور اگر آپ ان سے روگردانی فرمائیں اختیار دینے کے بعد یا دو امروں میں سے کسی ایک کو اختیار فرمائیں فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ مثلاً آپ اُن سے روگردانی فرمائیں تو آپ کی مخالفت کر کے آپ کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا سکتے اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے امان میں رکھا ہے وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو عدل و انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھ کر فیصلہ فرمائیں۔ ویسے ہی فیصلہ فرمائیں جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، جیسے آپ نے رجم کا فیصلہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے پھر اُنہیں ہر دُکھ اور پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

المقسطون عند الله على منابر من نور۔	انصاف کرنے والے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ اور آپ کے ہاں فیصلہ لاتے کیوں ہیں حالانکہ ان کے ہاں تورات ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔ اُن پر تعجب کا اظہار ہے کہ ان کی بیوقوفی تو دیکھو کہ جب وُہ آپ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی آپ کی کتاب کو مانتے ہیں تو پھر آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے کیوں حاضر ہوتے ہیں علاوہ ازیں فیصلہ تو ان کی تورات میں بھی کھلے الفاظ سے موجود ہے اور وُہ مدعی بھی ہیں کہ ہم صرف اسی کتاب تورات کو مانتے ہیں اور ساتھ تنبیہ کی گئی ہے کہ اُن کا فیصلے کے لیے آپ کے ہاں حاضر ہونے کا مطلب معرفتِ حق اور شرعی تقاضوں کو پورا

کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ کہیں سے سہولت مل جائے خواہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو یا ناراض فیہا حکم اللہ یہ التورٰىة سے حال ہے یا تورٰىة مرفوع ظرف سے ہے یا یُوں کہو کہ وہ مبتدا ہے اور فیہا حکم اللہ ضمیر محذوف سے حال ہے ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ پھر منہ پھیر جاتے ہیں، اس کا عطف یحکموك پر ہے اور تعجب کے حکم میں بھی داخل ہے اور ثُمَّ تراخی فی الرتبۃ کے لیے آتا ہے مِنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ اس کے بعد یعنی جب آپ کو فیصل مان کر، اور یہ بھی ہے کہ آپ کا فیصلہ اُن کی کتاب کے موافق ہے تو بھی رُوگردانی کرتے ہیں وَمَآ أُولَٰٓئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِينَ وہ آپ کی کتاب ہرگز نہیں مانتے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے آپ کی کتاب کا انکار کیا پھر آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے آئے آپ کا فیصلہ ان کی کتاب کے موافق بھی تھا پھر بھی اُنہوں نے رُوگردانی کی۔

مسئلہ: آیاتِ مذکورہ بالا میں ظلم کی مذمت اور عدل وانصاف کی تعریف اور حرامخوری اور رشوت کی بھی مذمت کی گئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

کل لحم انبتہ السحت فالنار اولی بہ۔	جو گوشت حرام مال سے اُگے اسے آگ اولیٰ ہے۔

اور اس میں یہ بھی ہے:

لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش۔	رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے اور رائش بھی۔

ف: رائش وُہ ہے جو ان دونوں کے مابین رابطہ قایم کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) اے بسا مرغ پرندہ دانہ جو	کہ بریدہ حلق او ہم حلق او
(۲) اے بسا ماہی در آب دور دست	کشتہ از حرص گلو مأخوذ شست
(۳) اے بسا مستور در پردہ بدہ	شومی فرج وگلو رسوا شدہ
(۴) اے بسا قاضی حبر نیک خُو	از گلوئے رشوتے اُو زرد رُو
(۵) بلکہ در ہاروت و ماروت آں شراب	از عروج چرخشاں شد سدّباب

ترجمہ: (۱) بہت سے پرندے دانہ کے متلاشی کہ ان کے حلق نے ان کا حلقوم کٹوا ڈالا۔

(۲) بہت سی مچھلیاں پانی کی تہ میں ہاتھوں سے دُور ہوتی ہیں لیکن حلقوم کی حرص سے دام میں پھنس جاتی ہیں۔

(۳) بہت سے پردوں میں ہونے کے باوجود فرج وحلقوم کی شامت سے رُسوا ہُوئے۔

(۴) بہت بڑے قاضی چوٹی کے علم والے نیک خُو والوں نے حلقوم کی لذت کی خاطر رشوت لی تو زرد چہرے والے (رُسوا) ہو گئے۔

(۵) بلکہ ہاروت وماروت میں شراب کا چسکا ہوا تو وہی چسکا انہیں آسمان پر جانے سے روکنے کا سبب بنا۔

رشوت کی اقسام

امام خصاف کی ادب القاضی میں لکھا ہے کہ رشوت چار قسم کی ہے:

(۱) حاکم نے خواہ مخواہ بلا وجہ سزا دینے کا آرڈر جاری کر دیا، اگر کوئی اس سے بچنے کی خاطر رشوت دے۔

(۲) کسی حاکم کو کہا گیا کہ میرا معاملہ بادشاہِ وقت کو پہنچایا جائے حاکم نے رشوت مانگی اس نے اپنے کام کے لیے رشوت دی۔

(۳) رشوت دینا تاکہ ملازمت (قضاء) مل جائے۔

(۴) کوئی ملازم ملازمت (قضاء) کے حصول کے لیے فیصلہ اپنے حق میں کرائے۔

پہلی صورت میں رشوت لینا حرام ہے اس لیے کہ کسی کو جیل کا ناحق ڈر سنانا بھی ظلم ہے اور ظلم سے بچنا لازم ہے اس لیے کہ وُہ شرع کا حق ہے بنا بریں رشوت لینا حرام ہے۔

صورتِ ثانی میں رشوت لینا حرام ہے اس لیے کہ حاکمِ وقت کو مسلمانوں کے امور کی سرانجام دہی بلا عوض لازمی ہے بنا بریں اس صورت میں بھی رشوت لینا حرام ہے۔

تیسری صورت میں رشوت لینا بھی حرام اور دینا بھی حرام۔

چوتھی صورت میں بھی رشوت لینا حرام ہے ملازمت حق کی ہو یا ظلم کی، اس لیے کہ اس میں ظلم ہے اس کی دُو وجہیں ہیں:

(۱) رشوت سے لی گئی۔

(ii) ظلم کے فیصلے کا سبب یہی ہے اور حق بھی ہے کہ اس نے ملازمت صرف اس غرض پر لی ہے کہ وُہ شرع کا حق ادا کرے گا۔

رشوت دینے کا قاعدہ کلیہ اگر حق کے حصول کی غرض سے رشوت دی جائے کہ رشوت دئے بغیر کام نہیں چلے گا تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کسی کا حق دلوانے یا ظلم دُور کرنے کی خاطر سفارش کرتا ہے پھر اُسے کوئی شئے ہدیۃً وتحفۃً دی جائے تو وہ شئے لینا حرام ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ کسی حاکم یا ملازم کو ایسا شخص ہدیہ وتحفہ دے جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس لیے دیتا ہے کہ اس سے کام لے گا تو اس سے کوئی شئے قبول نہ کرے، اگر قبول کرے گا تو رشوت ہو گی۔

مسئلہ: اگر ایسا شخص ہدیہ دے کہ اس سے قبل ان کا آپس میں لینا دینا رائج تھا اور وہ محبت وپیار سے ایک دوسرے کو دیتے لیتے ہیں اس میں اس کی حکومت یا ملازمت کی حیثیت کو دخل نہ ہو ایسا ہدیہ و تحفہ لینا جائز ہے اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپس میں ہدایا وتحائف لینے دینے کا عام رواج تھا اور ان کی یہ عادت بھی تھی، ایسا نہیں کہ انہیں کسی سے کوئی شے مانگنے کی حاجت ہوتی، بلکہ ان کا یہ لین دین محبت وپیار سے تھا بلکہ ان کا ہدایا وتحائف کو رد کرنا بُرا محسوس ہوتا تھا اس لیے اسے رشوت نہیں کہا جا سکتا، اس لیے وہ ایک دوسرے کے ہدایا وتحائف قبول کر لیا کرتے تھے۔

مسئلہ: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے انعامات دولتمند اور فقراء کو لینا جائز ہے بشرطیکہ ان کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو اگر حرام کی کوئی بات ہوگی تو اس کا جُرم دینے والے پر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقوقس اسکندریہ بادشاہ کا ہدیہ قبول فرمایا اور کئی بار یہودیوں سے قرضہ بھی لیا حالانکہ قرآن میں صراحت ہے کہ اکّلون للسحت (وہ حرام خور ہیں)۔

مسئلہ: بازار کی اشیاء میں اگر یقین ہو کہ ان میں حرام کی ملاوٹ کثرت سے ہے تو وہاں سے تحقیق و تفتیش کے بغیر سودا خریدنے سے گریز کرے۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ اکثر ایسے ہے ورنہ کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام عام طور پر بازاروں سے سودا خریدتے تھے حالانکہ ان کو علم ہوتا کہ اکثر سوداگر اور تاجر سُود خور اور غاصب اور دغا باز اور کھوٹ کمانے والے ہیں۔

مسئلہ: حضرت حدادی فرماتے ہیں خمر وخنزیر اور مردار کا ثمن اور نر کو مادہ کا گابھن کرا کر مزدوری لینا، رونے والی اور گانے والی اور جادوگر کا عوض کے طور کچھ لینا اور سفارش کرکے ہدیہ وتحفہ قبول کرنا، زنا کی مزدوری اور جادوگر کے پاس آنا جانا یہ تمام امور السحت (حرام خوری) میں داخل ہیں۔

مسئلہ: حضرت عمر وحضرت علی وابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سرود گانے والے اور قوال

(باقی صفحہ ۲۵۱ پر)

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا
لِلَّذِينَ هَادُوا وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَ
كَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا
قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ۝ وَكَتَبْنَا
عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَ
ٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ
فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝
وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ
وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ
هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ۝ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
ٱلْكِتَٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ
عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ
لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِى مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۖ فَٱسْتَبِقُوا ٱلْخَيْرَٰتِ ۚ
إِلَى ٱللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَأَنِ ٱحْكُم
بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَٱحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنۢ
بَعْضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَٱعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُصِيبَهُم
بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ لَفَٰسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ
يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ ع

ترجمہ: بے شک ہم نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق یہود کو حکم
دیتے تھے ہمارے فرمانبردار نبی اور عالم اور فقیہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی
اور وہ اس پر گواہ تھے تو لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے ذلیل
قیمت نہ لو اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں، اور ہم نے توریت میں
ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان
کے بدلے کان اور دانت کے بدلے اور زخموں میں بدلہ ہے، پھر جو دل کی خوشی سے بدلہ کرا دے

تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں اور ہم ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشانِ قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہُوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تصدیق فرمائی ہے توریت کی کہ اس سے پہلی تھی اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کو، اور چاہیے کہ انجیل والے حکم کریں اس پر جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور ان پر محافظ و گواہ تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے سے اور اے سُننے والے ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی اُمت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو تم سب کا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے تو وہ تمہیں بتا دے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے اور یہ کہ اے مسلمان اللہ کے اتارے پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور ان سے بچتا رہ کہ کہیں تجھے لغزش نہ دے دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو کہ اللہ ان کے بعض گناہوں کی سزا ان کو پہنچایا چاہتا ہے اور بے شک بہت آدمی بے حکم ہیں تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر کس کا حکم یقین والوں کے لیے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۲۴۹)

کی مزدوری بھی سُحت (رشوت) میں داخل ہے لیکن اس سے قدرے کم اس لیے کہ یہاں دینے والا کسی مجبوری کے تحت نہیں دیتا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تعین ہوتا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت حَسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے سُنا کہ قرض خواہ مقروض سے کچھ کھائے (یا اس سے کچھ نفع حاصل کرے) تو وہ بھی سُحت (رشوت) میں داخل ہے۔

سبق مومن متقی پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور میں احتیاط سے کام لے تاکہ شبہات کا ارتکاب کرے کہ جس سے حرام کا مرتکب بھی ہونا پڑتا ہے اس لیے کہ قلب کی صفائی حلال غذا سے ہوتی ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

صوفی شہر بیں کہ چوں لقمۂ شبہ می خورد
پاردمش دراز دیاد ایں حیوان خوش علف

ترجمہ : شہر کے صوفی کو دیکھ کہ جب وہ مشتبہ لقمہ کھاتا ہے تو اس لبسیار خور جانور کے جسم کا ہر ٹکڑا موٹا ہو جاتا ہے۔

ف : شعر میں انسان کو حیوان سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے حیوان کھانے پینے میں چیزے کہ آید فنا در فنا کا معاملہ کرتا ہے کہ اسے اس سے کیا غرض کہ جو کچھ کھا رہا ہے حلال ہے یا حرام۔ اسی طرح غافل انسان بھی یہ کرتا ہے کہ پیٹ کا تنور بھر جائے خواہ کچھ بھی ہو، ورنہ اگر اسے حرص نہ ہوتا تو وہ حلال مال پر قناعت کرتا اگرچہ تھوڑا ہو یا معمولی شئی ہو وغیرہ، حیوان کھانے پینے اور آرام کرنے سے موٹا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی غافل انسان کا کام ہے کہ کھانے پینے اور آرام طلبی میں اس حیوان سے کم نہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ ۲۵۰)

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ بیشک ہم نے اُن پر تورات نازل فرمائی حالانکہ فِيْهَا هُدًى اس میں ہدایت کی راہیں اور احکام ہیں جو انہیں حق دکھاتے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت دیتے ہیں وَّنُوْرٌ اور اس میں نور ہے جو اُن پر وُہ امور منکشف کرتا ہے جس کی میں انھیں خبر دیتا ہُوں اور ظلماتِ جہل سے جو باتیں اُن سے پوشیدہ ہیں ان پر وہ ظاہر کرتا ہے يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ جن سے انبیاء علیہم السلام فیصلہ کرتے رہے۔ اس سے بنی اسرائیل کے انبیاء کرام مراد ہیں یعنی اُن کے فیصلے اسی تورات کے مطابق ہوتے اور اس پر عمل کرنے پر لوگوں کو رغبت دیتے۔ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا۔

سوال : انبیاء علیہم السلام کو لفظ مسلم سے موصوف نہیں کیا جاتا اس لیے کہ ان کی نبوت اسلام کی صفت سے بلند و بالا ہے اور کسی کی مدح ادنیٰ سے اعلیٰ سے کی جاتی ہے نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ۔ جب انہیں پہلے نبوت کے وصف سے نبیون کہا گیا تو پھر اسلموا ادنیٰ صفت سے موصوف کرنے کا کیا معنیٰ۔

جواب : (۱) یہ ضروری نہیں کہ ادنیٰ وصف کو موصوف کے لیے ہی لایا جائے بلکہ کبھی وہ ادنیٰ وصف اعلیٰ وصف کی اس طرح کے لیے بھی لایا جاتا ہے اس سے اس وصف کی شان کی بلندی مراد ہوتی ہے اور متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عظیم الشان وصف ہے۔ مثال کے طور پر انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام کو صالح کہا جاتا ہے جبکہ انہیں ایمان سے بھی موصوف کیا جاتا ہے تو اُن کی یہ صفتیں اُن کے یہ اوصافِ کریمہ

کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہیں، ایسے ہی صفتِ اسلام۔

(۲) علاوہ ازیں عربی مقولہ مشہور ہے:

اوصاف الاشراف اشراف الاوصاف۔

(برگزیدہ لوگوں کے اوصاف بھی برگزیدہ ہوتے ہیں)

یعنی کوئی صفت جب کسی بزرگتر شئے سے منسوب ہو تو موصوف کی عظمت کے مطابق وہ صفت بھی بزرگ بن جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ؎

ما ان مدحت محمدا بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد

ترجمہ: میں سیّد الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اپنی گفتگو سے تعریف نہیں کر رہا بلکہ میں اپنی گفتگو کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی تعریف سے مشرف بنا رہا ہوں۔

لِلَّذِيْنَ هَادُوْا ان کے لیے جو یہودی ہیں۔ یہ یحکم کے متعلق ہے، یعنی ان کے مابین فیصلے فرماتے اور لام اختصاص کا پتا دیتی ہے کہ مذکورہ بالا فیصلے صرف انہی سے مخصوص تھے لیکن عام ازیںکہ اُن کو وہ فائدہ پہنچانے والے۔ گویا عبارت یوں تھی لاجل الذین ھادوا یعنی ان کے یہودی ہوتے کی وجہ سے۔

وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ اور اللہ والوں اور علماء نے ان کے فیصلے کئے۔ اس کا عطف النبیون پر ہے یعنی وہ بھی تورات کے مطابق فیصلے فرماتے ہیں۔ ربّٰنیّون سے زہاد اور وہ علماء مراد ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے طریقوں کو اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا اور یہودیوں کے طریقوں سے کوسوں دُور رہتے بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ ان کا فیصلہ اس سے تھا کہ انہیں کتٰب اللہ سے محفوظ طریقہ سے حاصل ہوا۔ یعنی وُہ شئے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے انہیں حفاظت کے ساتھ حاصل ہوگی۔ اس سے تورات مراد ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ تورات کو اصلی صورت میں قائم رکھیں اسے کسی حیثیت سے محرف و مبدل نہ ہونے دیں بما استحفظوا کی باء سببیہ ہے یحکم سے متعلق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہودیوں کے وُہ فیصلے جو انبیاء علیہم السلام کی وصیّت کی وجہ سے توریت میں محفوظ تھے، وہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام نے اُن سے تورات کی حفاظت کا وعدہ لیا اور دنیا سے رخصت

ہوتے وقت انہیں تورات کی حفاظت کی وصیت فرمائی وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ اور وہ اس پر پُورے طور نگرانی کرتے تھے کہ اس میں کسی لحاظ سے تحریف نہ ہونے دیتے ۔ شھداء شہود سے ماخوذ ہے بمعنٰے الحضور (حاضر ہونا) فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ پس تم اے یہودیوں کے سردارو اور علماءِ کتاب تورات کے احکام کے اجراء اور اپنے اسلاف کی اور انبیاء کی اقتدار کرو، اس معاملہ میں لوگوں سے مت ڈرو وَاخْشَوْنِ اور مجھ سے ڈرو ۔ تورات کے احکام اور حقوق کی رعایت میں کمی کرنے میں مجھ سے ڈرو۔ اور جو بھی تورات کے بگاڑنے کے درپے ہوگا اسے سخت سزا ملے گی ۔

مسئلہ: انہیں اجرائے احکامِ تورات میں غیر اللہ کے ڈر سے روکا گیا اور حکم دیا گیا کہ جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں ۔ اس میں نہ تو کسی ظالم سے ڈریں اور نہ کسی بڑے آدمی کا خوف کریں ۔

مسئلہ: اس میں اہل اسلام کے حکام کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ اس طرح عمل کریں ۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ اور میری آیات کو نہ بیچو ۔ الاشتراء سامان کو ثمن کے عوض دینے کو کہتے ہیں ۔ یعنی سامان کو ثمن کے بدلہ میں لینا پھر استعارۃً ہر اس بات کو کہتے ہیں جو اپنے فائدہ کی شے کو کسی کے عوض لے وہ شئ عین ہو یا معنی اور اس شے کو لینے میں اس کی رغبت بھی ہو اور جو شے اس کے عوض میں اس کا پیچھا چھوڑ دے ایسا کہ وُہ شے اس کی تھی ہی نہیں ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میری ان آیات کو جو تورات میں ہیں بدلہ کے طور نہ دو ۔ یعنی انہیں دنیا کے لالچ میں تورات سے نہ نکالو یا ان پر عمل کرنا چھوڑ دو اپنے طمع نفسانی کا ان کو بدلہ بنا کر ثَمَنًا قَلِيْلًا تھوڑے سے ثمن میں ۔ مثلاً رشوت لے کر یا جاہ و مرتبہ کے لیے ۔ اسی طرح تمام خواہشاتِ نفسانیہ ۔ اس لیے کہ یہ اشیاء اگرچہ بظاہر بہت اُونچی نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت نہایت ہی حقیر ہیں ان امور کے بالمقابل جو ان سے تورات پر عمل کرنے سے ترک ہوئے ؎

آں جہاں جیفہ است و مردار و رخیص
بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان گندگی سے پُر مردار ہے ایسے مردار پر میں کیوں حریص بنوں ۔

پس حیاتِ ماست موقوف فطام
اندک اندک جہد کن تم الکلام

ترجمہ: ہماری زندگی کی انتہا یہی ہے کہ اسے بالآخر چھوڑنا ہے تھوڑی تھوڑی کوشش کیجئے بات ختم ہوئی ۔

نکتہ چونکہ تحریف کا ارتکاب یا دفع ضرر کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی حکم کو کسی صاحبِ مرتبہ کے خوف سے چھپایا جائے یا نفع کمانے کے لیے جب یہودیوں نے دنیوی منافع کے لیے کیا تھا اس لیے اللہ تعالےٰ نے ان دونوں کو صراحۃً منع فرمایا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اسے خفیف سمجھ کر یا انکار کر کے، جیسے یہودیوں نے کیا کہ تورات کے احکامات اور آیات کو بدل ڈالا۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ پس وہی لوگ کافر ہیں اس لیے کہ انہوں نے احکامِ الٰہی کی اہانت کی اور سرکشی سے پیش آئے کہ اُن کی منشا کے خلاف احکام جاری کئے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان آیات میں کبھی الکٰفرون اور کہیں الظالمین اور کہیں الفٰسقون فرمایا ہے وہ اس لیے کہ ان آیات کے انکار سے وُہ کافر ہو گئے اور اس کے حکم کے خلاف فیصلے کر کے ظالم ہُوئے اور حدودِ الٰہی سے متجاوز ہونے کی وجہ سے فاسق ہوئے۔

وَكَتَبْنَا اور ہم نے فرض کیا، اس کا عطف اَنزلنا التورٰىة پر ہے عَلَيْهِمْ ان یہودیوں پر فِيْهَا اسی تورات میں اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ یہ کہ نفس کا بدلہ نفس ہے جبکہ کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ اور کاٹ کاٹا جائے کان کاٹنے کے عوض میں، جبکہ ظلم کے طور کسی نے کسی کا کان کاٹا۔ وَالسِّنَّ اور دانت اکھاڑے جائیں بِالسِّنِّ دانت اکھاڑنے پر، جبکہ کوئی کسی کے دانت ظلم کے طور پر اکھاڑے وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ اور زخموں میں بدلہ ہے اور زخم بھی صاحبِ قصاص ہیں کہ انہیں مساوات کی رعایت ضروری ہے۔

مسئلہ: ایسا زخم وغیرہ کہ جس کا قصاص لینا ناممکن ہو، جیسے کسی ہڈی کا ٹوٹ جانا یا گوشت کے اندر زخم کر دینا۔ جیسے جوف کے اندر نیزہ کی ضرب وغیرہ کا زخم وغیرہ، ان کے لیے کوئی قصاص مقرر نہیں، اس لیے کہ ان کے متعلق معلوم نہیں ہو سکتا کہ کتنا زخم آیا ہے تاکہ اسی کے مطابق قصاص مقرر کیا جا سکے۔ اس کا دیت اور حکومت عادل کا جو فیصلہ ہو۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ پس جو شخص مستحق پر اپنی خوشی سے قصاص معاف کر دے اسے تصدّق سے تعبیر کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے تاکہ معاف کرنے والے کو اس طرف مزید رغبت ہو فَهُوَ پس اس کا معاف کرنا۔ یہ ضمیر تصدق کے مصدر کی طرف راجع ہے كَفَّارَةٌ لَّهٗ اس معاف کرنے والے کے لیے کفارہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دے گا۔

مسئلہ: کافر اپنے کفر پر ہو تو کوئی نیکی اس کے لیے کوئی نیکی کفارہ نہیں بن سکتی۔

حدیث شریف میں ہے:

من اصیب بشئ من جسدہ فترکہ اللہ کان کفارۃ لہ۔

جسے جسم پر کوئی مصیبت پہنچے اور اللہ تعالیٰ اسے اس حال پر چھوڑ دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے:

ثلاث من جاء بھن یوم القیامۃ مع الایمان دخل الجنۃ من أی ابواب الجنۃ شاء وتزوج من الحور العین حیث شاء من عفا عن قاتلہ ومن قرأ دبر کل صلاۃ مکتوبۃ قل ھو اللہ احد عشر مرات ومن ادی دینا خفیا۔

تین عمل ایسے ہیں جو ایمان کے ساتھ قیامت میں لائیگا تو اُسے حکم ہوگا کہ وہ بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو اور حورِعین میں جس سے چاہے گا اس کا نکاح کردیا جائیگا:

(۱) جو اپنے قاتل کو معاف کردے۔

(۲) ہر نمازِ فرض کے بعد گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھنے والا۔

(۳) جو قرضخواہ کا قرض چھپکے سے ادا کردے۔

مسئلہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لَہٗ کی ضمیر کا مرجع زخمی کرنے والا اور قاتل ہے۔ یعنی جس پر حملہ ہُوا ہے وہ اگر حملہ آور کو معاف کردے تو اس کا معاف کرنا جانی حملہ آور کے گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے۔ اس لیے قیامت میں اس سے اس گناہ کا مواخذہ نہ ہوگا، جیسے قصاص اس کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔ باقی رہا معاف کرنے والا، اس کے اجروثواب کا تو حساب ہی کیا، اسے اللہ تعالیٰ ہی اجرِعظیم عطا فرماتے گا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور وہ احکام وشرائع کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ارشادات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ پس وہی لوگ ظالم ہیں یعنی بہت بڑے ظالم اور اللہ تعالیٰ کے متعیّن کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے اور شے کو اپنی اصل جگہ سے ناموزوں جگہ پر رکھنے والے ہیں وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اور ہم نے ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشانِ قدم پر۔ اس کا عطف انزلنا التوراۃ پر اشیاء مذکورین علیہم السلام مراد ہیں بِعِيْسَى ابْنِ

مَرْيَمَ عیسٰے ابنِ مریم ۔ یعنی ہم نے ان کے بعد (یعنی ان انبیاء علیہم السلام کے بعد) بھیجا ۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

قفوت اثرہ قَفْواً و قُفُوًّا ۔ میں نے اس کے نشانِ قدم پر بھیجا ۔

یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے یعنی قفوت اثرہ بمعنٰے اتبعتہ ۔ اور جب کہا جائے قفیت علیٰ اثرہ بفلان (میں نے اس کو فلاں کے پیچھے لگایا ہے ۔ دراصل تقفیۃ شئ کو کسی کے پیچھے کی طرف لانے کو کہا جاتا ہے، اور التقفیۃ کی تضعیف مبالغہ کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں، اس لیے کہ تضعیف کبھی محض تجرید کے لیے ہوتی ہے' جیسے قدّر اور قدر کا ایک معنیٰ ہے ایسے ہی قفّیت اور قفیت کا ایک معنیٰ ہے ۔ اگر اسے دوسرے مفعول کی طرف متعدی کرنا مطلوب ہو تو اس کے مفعول پر باء تعدیہ کی داخل کی جاتی ہے ۔ یہاں پر اس کا مفعول بہ ثانی محذوف ہے ۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے :

ای اتبعنا الذین ذکرناھم بعیسٰی وجعلناہ ممن یقفوھم ۔

یعنی ہم نے انبیاء مذکورین علیہم السلام کے بعد عیسٰے علیہ السّلام کو بھیجا (گویا ان کے پیچھے ہی عیسٰے علیہ السلام تشریف لائے پھر اس کا مفعول محذوف کرکے علیٰ اثرھم کو اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے ۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وہ تصدیق فرماتے ہیں تورات کی جو ان سے پہلے تھی ۔ یہ جملہ عیسٰی ابنِ مریم سے حال ہے وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ اس کا عطف قفینا پر ہے، اور ہم نے عیسٰی علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ اس میں ہدایت و نور ہے، یعنی انجیل میں بھی تورات کی طرح نور و ہدایت ہے ۔ یہ محل نصب میں اور انجیل سے حال ہے ۔ اصل عبارت یوں ہے : کائنا فیہ ذٰلك گویا کہا گیا ہے کہ وہ نور و ہدایت پر مشتمل ہے وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ اور تصدیق کرتی ہے تورات کی کہ اس سے پہلے تھی ۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے ۔ اس کی طرح حالیت کا معنیٰ دیتا ہے ما بین یدیہ کا تکرار تقریر کا فائدہ دے رہا ہے وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت دینے والی ہے اس کا عطف بھی مصدقًا پر ہے اور اسی کی طرح حالیۃ کا فائدہ دیتا ہے ۔

سوال : پہلے اسے کہا گیا کہ تورات ہدایت پر مشتمل ہے، اب اسے سراپا ہدایت کہا جا رہا ہے ۔

جواب : تخصیص کے بعد تعمیم ہوتی ہے، یہاں بھی وہی ہے ۔

سوال : اسے صرف متقین کے لیے ہدایت وموعظت کیوں کہا گیا ہے ؟
جواب : اس لیے کہ وہی اس سے نفع اور ہدایت پانے والے ہیں ، اس لیے صرف انہی کا نام لیا گیا۔
حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گر انگشت سلیمانی نباشد
چہ خاصیت دہد نقش نگینی

ترجمہ : اگر انگشتری سلیمانی نہ ہو تو وہ نگینے کا نقش کیا خاصیت ظاہر کریگا۔
پس جیسے انگشتری ہر ایک کو فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ مشرب سلیمانی نہ ہو اسی طرح کتاب بھی فائدہ نہیں دیتی جب تک اس میں تقوٰی اور رجحان ایمانی نہ ہو۔
وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ یعنی ہم نے انہیں عنایت فرما کر حکم دیا کہ اہلِ انجیل کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کریں وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا منکر ہو کر ان کی اہانت کر کے ان پر فیصلہ نہیں کرے گا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پس یہی لوگ فاسق ہیں یعنی سرکش اور ایمان سے خارج ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل احکام پر مشتمل تھی اور عیسٰی علیہ السلام مستقل نبی تھے اور ان کی ایک علیحدہ مستقل شریعت تھی اور اس میں جتنے احکام تھے اُن پر عمل کرنے کے مامور بھی تھے ۔ اس کے احکام قلیل تھے یا کثیر ، یہ ضروری نہیں کہ وہ تورات کے جملہ احکام کے پابند تھے اس لیے کہ اُن کی انجیل سے بہت سے تورات کے احکام منسوخ ہو چکے تھے ۔
ف : اس میں حکام کو تنبیہ اور سخت تہدید ہے ۔
حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یؤتی بالقاضی العدل یوم القیامۃ فیلقی من شدۃ العذاب مایتمنی انہ لم یفصل بین احد فی تمرتین ۔

عادل قاضی (حاکمِ وقت) کو قیامت میں لایا جائیگا جب وہ فیصلوں کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا ہو گا تو اُس وقت وہ آرزو کرے گا کہ کاش میں دنیا میں کوئی فیصلہ نہ کرتا ، اگرچہ دو کھجوروں کا بھی ۔

سبق : جب عادل قاضی (حاکمِ وقت) کا یہ حال ہو گا تو پھر ظالم حاکموں (افسروں) کا اندازہ

لگانا مشکل نہیں ہے، اس کے بعد راشی خونخوار افسروں کے متعلق خود سوچئے کہ ان کا کیا حشر ہوگا۔

بُوحنیفہ قضا نکرد و بمُرد
تو بمیری اگر قضا نکنی

ترجمہ: امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) نے عہدۂ قضاۃ قبول نہ کیا اسی پر آپ کا وصال ہوگیا، تُو اس پر مرتا ہے کہ ہائے قضا نہیں ملتی۔

حدیث شریف میں ہے:

قاضی (افسر) تین قسم ہیں، دُو جہنم میں جائیں گے ایک بہشت میں:

(۱) جس نے عمداً کسی کا حق مار کر فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔

(۲) بے خبری میں فیصلہ کیا لیکن اس کے فیصلے سے کسی غریب کا حق مارا گیا وہ بھی جہنم میں جائیگا۔

(۳) جس نے حق فیصلہ کیا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی)

حکایت بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ وُہ اپنے فیصلہ کے لیے تین حکام (آفیسر) متعین کرتے تھے ایک کا فیصلہ سُن کر اگر کوئی راضی نہ ہوتا تو دوسرے کے پاس چلے جاتے۔ اگر دُوسرے سے بھی کوئی راضی نہ ہوتا تو تیسرے کے پاس چلا جاتا۔ اس طرح سے انہیں اطمینانِ قلب حاصل ہوتا۔

ایک دفعہ ایک فرشتہ انسانی بھیس بدل کر اُن کے حکام (آفیسروں) کے فیصلے کی آزمائش کرنے کے لیے تشریف لایا اور ایک گھوڑی پر سوار ہو کر ایک کنویں پر چلے گئے۔ وہ کنویں کے پاس کھڑے تھے کہ ایک شخص گائے کو پانی پلانے کے لیے حاضر ہُوا اس کی گائے کے ساتھ ایک بچھڑا بھی تھا جب وہ اپنی گائے کو پانی پلا چُکا تو واپس جانے لگا تو فرشتے نے گائے کے بچھڑے کو اشارہ کیا تو وُہ بچھڑا فرشتے کی گھوڑی کے قریب آگیا۔ گائے والے نے بچھڑے کو بہت بلُایا مگر وہ نہ آیا۔ فرشتے نے کہا بھائی! یہ میری گھوڑی کا بچھڑا ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے تم جاؤ اپنا کام کرو۔ گائے والے نے کہا: خدا کا خوف کرو بھلا گھوڑی بھی بچھڑا جنتی ہے، یہ بچھڑا میرا ہے، میری گائے نے جنا ہے، اسے میں نے پالا ہے اب تم کہاں سے اس کے مالک بن گئے۔ غرض یہ دونوں لڑتے جھگڑتے بنی اسرائیل کے پہلے قاضی (حاکم آفیسر) کے پاس چلے گئے۔ لیکن فرشتے نے جلدی سے اسے علیحدگی میں مل کر کہا کہ اگر تم بچھڑے کا فیصلہ میرے حق میں کر دو تو میں تمہیں اتنی رقم دُوں گا۔ قاضی نے بات مان لی۔ جب اس نے فیصلہ کیا اور بچھڑا فرشتے کو دے دیا لیکن گائے والا کب راضی ہونا اس نے کہا: دوسرے قاضی کے پاس چلو۔ فرشتے نے اُسے بھی رشوت دے کر فیصلہ اپنے حق میں کرالیا۔ اس طرح وہ بچھڑے والا راضی نہ ہوا۔ پھر تیسرے کے پاس گئے تو

حسبِ دستور فرشتے نے اسے رشوت کا کہا اور اپنے حق میں فیصلہ کرانا چاہا۔ لیکن اس تیسرے قاضی نے کہا، اب مجھ سے تیرے حق میں فیصلہ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اب مجھے حیض شروع ہوگیا ہے فرشتے نے کہا: یہ کیا کہتے ہو، کیا مَردوں کو بھی حیض آتا ہے؟ حیض تو عورتوں کا خاصہ ہے۔ قاضی نے کہا: تو پھر بچھڑے بھی گھوڑی سے نہیں پیدا ہوتے۔ وہاں پر فرشتے نے کہا، دو قاضی جہنّم میں جائیں گے تیسرا بہشت میں۔ مذکورہ بالا حدیث شریف اسی فرشتے سے حکائی طور منقول ہے۔ (کذا ذکرہ البعض نقلاً عن الشیخ الشہیر بہدائی الاسکداری قدس سرہٗ)۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اور اے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی الْكِتٰبَ یعنی قرآن جو کہ متلبس ہے بِالْحَقِّ حق اور صدق کے ساتھ درانحالیکہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ جو تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی کہ اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں یہ قرآن انہی کے موافق نازل ہوا، جس طرح ان کتابوں میں اُس کے اوصاف مذکور ہوئے تھے اس میں انہی کے مطابق توحید عدل واصول شرائع مندرج ہیں وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ اور وہ تمام کتب محفوظ عن التغیر کا محافظ ہے کہ ان کے صدق وصحت اور اثبات کی گواہی دیتا ہے اور ان کے اصول شرائع ثابت کرتا ہے اور ان سے جتنے احکام منسوخ ہو چکے ہیں انہیں معین کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اُن کے وہ احکام فلاں مدت تک کے لیے تھے اب ان کی وہ مدّت ختم ہو چکی ہے فلہذا اب ان پر عمل نہ کرنا چاہیے اور فلاں فلاں احکام باقی ہیں اس بنا پر قرآن محافظ ہوا کہ احکامِ منسوخہ وغیر منسوخہ کا امتیاز پیدا کردیا اور بتادیا کہ اب ان احکام پر تاقیامت عمل کرنا ہوگا فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ یہ فاء مابعد کو ماقبل پر مرتّب کرنے کے لیے ہے۔ یعنی جب قرآن پاک کی یہ شان ہے تو جب اہلِ کتاب آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے حاضر ہوں تو آپ ان کا فیصلہ کیجئے بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ارشادات کے مطابق، اس لیے کہ آپ پر نازل شدہ کتاب باقی تمام نازل کردہ احکام پر مشتمل ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ من الحق کا تعلق لا تتبع سے ہے اس لیے کہ یہ عدول وغیرہ کے معنے کو متضمن ہے گویا یُوں کہا گیا کہ جو کچھ آپ کے ہاں ہے اس کے پیشِ نظر اہلِ کتاب کی خواہشات کی تابعداری کر کے حق سے انحراف لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا بطریقہ التفات یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے لیکن نہ صرف موجودہ دین کو بلکہ تغلیباً ان لوگوں کو بھی ہے جو زمانہ گزشتہ میں تھے اور لکل کی لام جعلنا کے متعلق اور وہ متعدی بیک مفعول ہے۔ خبر دی گئی کہ سابقاً تمہارے لیے بھی مقرر ہوا ہے یہ جَعل انشائی نہیں اور لکل کو جعلنا پر مقدم کرنا تخصیص کے لیے ہے اور منکم کا متعلق محذوف ہے اور وہ کل

کی تنوین کے معوض عنہ کی صفت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے تمہارے ہر ایک کے لیے جو گزر گئے یا موجود ہیں راستہ اور واضح اور کھُلا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ کوئی ایسی اُمّت نہیں جس کی کوئی راہ متعین نہ ہُوئی ہو، مثلاً موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک توراۃ پھر عیسیٰ علیہ السلام سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک انجیل، اور تم سے اے موجودہ لوگو! تمہارے لیے قرآن مجید ہے فلہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس پر عمل کرو۔

ف : الشرعۃ والشریعۃ اس راستہ کو کہتے ہیں جو پانی کی طرف جائے، اور دین کو اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نماز روزے حج نکاح و دیگر اسلامی امور کی طرف کا راستہ بتایا ہے اس لیے کہ یہ وُہ راہ ہے جو حیاتِ ابدیہ کے سبب کی طرف پہنچانے والا ہے، جیسے پانی حیاتِ فانی کا سبب ہے۔

ف : المنہاج دین کے واضح راستہ کو کہا جاتا ہے۔ نہج الامر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ وُہ شئے واضح ہو جائے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہُوا کہ ہم پہلی شریعتوں کے احکام پر عمل کرنے پر مامور نہیں۔

مسئلہ : احکامِ اُممِ سابقہ پر ہم عمل کرنے کے مامور ہیں جبکہ ہماری شریعت اُن کی تائید کرے۔ پھر اُن پر ہمارا عمل کرنا بایں معنیٰ ہوگا کہ وُہ بھی ہماری شریعت کے احکام ہیں نہ کہ اُممِ سابقہ کے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ تمہیں ایک ہی امّت بنائے لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً تو تمہیں ایک ہی جماعت بنا دے تاکہ ہر زمانہ میں تم بلا اختلاف رہو۔ متفقہ طور ایک ہی جماعت پر رہو اور نہ تم سے پہلے لوگوں کے احکام میں تبدیلی اور فسخ ہو وَّلٰكِنْ اور لیکن وہ چاہتا نہیں، یعنی وہ نہیں چاہتا کہ تم ایک اُمّت رہو بلکہ وہ اسی طریقہ کو جاری رکھے گا جیسے اس نے سابقہ اُمتوں سے کیا لِّيَبْلُوَكُمْ تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمائش سے کیا جاتا ہے فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اُن امور میں جو اللہ نے تمہیں دیئے ہیں۔ مختلف شرائع میں سے جیسا کہ زمانہ کے حال کے مناسب ہوتا ہے اس میں تم یقین کرو اور اس اعتقاد پر مضبوط ہو جاؤ کہ یہ اختلافات مشیتِ الٰہیہ کے تقاضے کے مطابق ہے، اور اس بات پر مبنی ہے کہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور سیکڑوں مصلحتیں ہیں جو تمہارے معاد و معاش کے لیے مفید ہیں یا حق سے اعراض کرکے خواہشات کی تابعداری کرو، اور فوائد کے بجائے نقصانات کے پیچھے لگو اور ہدایت کے بدلے گمراہی پاؤ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) گر لبسوزد باغت انگورت دہد   درمیان ماتمی سورت دہد

(۲) لانسلم و اعتراض از ما برفت چوں عوض می آید از مفقود زفت

ترجمہ "(۱) اگر باغ جل گیا تو کیا وہ انگور دے گا، اس پریشانی میں ہی مجھے قوت ملے گی۔

(۲) ہم نہیں مانتے کہ ہم نے اعتراض کیا سامان کی گم شدگی سے عوض کہاں سے آئیگا۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ جب بات وہی حق ہے جو مذکور ہوئی تو ان عقاید حقہ اور اعمال صالحہ (جو قرآن مجید میں درج ہیں) کے لیے جد وجہد کرو۔ اس میں تمہارے لیے دارین کی بہبودی ہے چند روزہ زندگی کی فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان کے حصول میں عجلت کرو۔ اور اس فضل کو حاصل کرنے میں سبقت کرو **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا** یہ ضمیر خطاب سے حال ہے یعنی تمہارا سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے خواہ تم میں کوئی مومن ہے یا کافر **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ** پس تمہیں اس کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے پھر تمہیں ایسی جزا دے گا جو حق و باطل کا امتیاز کرے گی اور جس میں تم اختلاف کرتے تھے اس میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے گا۔

ف : اس طرح سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ سمجھدار لوگوں کے لیے ایسی تعبیر سننے کے بعد وہم و گمان کا موقعہ نہیں رہتا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ اس کا عطف الکتٰب پر ہے یعنی آپ اُن میں اپنے اُوپر نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے **وَاحْذَرْهُمْ** ان سے خوف کیجئے کہ کہیں **اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ** تمہیں بعض ان احکام سے جو تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں باز نہ رکھیں، یعنی باطل کو حق بتا کر تمہیں گمراہ نہ کر ڈالیں کہ قرآن کے بعض احکام کا اجراء نہ کرنے دیں اگرچہ معمولی ہی سہی۔

ف : یہاں فتنۃ سے میل عن الحق اور وقوع فی الباطل مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

اعوذبك من فتنة المحياء۔ (میں حیات (زندگی) کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں)

یہاں بھی فتنۃ سے عدول عن الطریق المستقیم مراد ہے۔

قاعدہ : ہر وہ جو حق سے باطل کی طرف اور میانہ روی سے ٹیڑھے پن کی طرف لے جائے وہ فتنہ ہے۔

شانِ نزول یہودیوں کے علماء نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں لے چلو ہم ان سے غلطی کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہیں حضور رسول پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، انہوں نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہودیوں کے بڑے مولوی ہیں۔ اگر ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیں تو تمام یہود آپ کو مان جائیں گے۔ ہماری اپنی قوم سے مخالفت ہے ہم انہیں آپ کے ہاں لاتے ہیں اور آپ سے فیصلہ کرائیں گے آپ فیصلہ ہمارے حق میں کر دینا۔ اگرچہ معاملہ ہمارے خلاف ہو۔ آپ نے فرمایا ایسے بالکل نہیں ہوگا خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: احذرھم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے خطاء ونسیان کا صدور ممکن ہے لیکن عمداً کسی طریق سے بھی اُن سے غلطی کا وقوع نہیں ہو سکتا۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا پس اگر وہ نازل کردہ حکم سے اعراض کرکے کسی دوسرے حکم کو چاہیں فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ پس جان لو کہ اُن کے اعراض کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ تاکہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے انہیں دنیا کا عذاب پہنچائے کہ تمہیں ان پر مسلط کر دے اور دنیوی عذاب میں مبتلا کرے بایں طور کہ تم انہیں قتل کرو یا جلا وطن اور اُن پر جزیہ مقرر کرو اور پھر انہیں قیامت میں سزا دے ببعض ذنوبھم سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بہت بڑے بڑے گناہ تھے۔ اور انہیں بعض سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنے عظیم ہیں کہ بڑے بڑے گناہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ کتنا ہی سہی لیکن وہ ایک ہی جنس کی حیثیت سے گویا ایک ہیں وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ اور بہت سے لوگ فاسق ہیں یعنی کفر میں منہمک ہیں اور اس پر اصرار کرنے والے ہیں، اور وہ ان حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں جو حدود شرع نے مقرر فرمائے ہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض کرتے ہیں أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ کیا جاہلیت کے فیصلے طلب کرتے ہیں یہ استفہام انکاری اور ان کے حال پر تعجب کا اظہار اور انہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے۔ اور یہ فاء عاطفہ ہے اور اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جیسا کہ فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی ایتولون عن حکمك فیبغون حکم الجاھلیة یعنی کیا وہ تیرے حکم سے رُوگردانی کر کے جاہلیت کے فیصلے کے طلبگار رہیں۔

ف: جاھلیۃ سے اُن کی خواہشاتِ نفسانی اور جہالت کا وہ فیصلہ جس کا نہ کسی کتاب آسمانی میں ثبوت ہو اور نہ ہی اسے وحی زبانی سے کسی قسم کا تعلق ہو وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا اور اللہ تعالیٰ سے اور کون حکم کے لحاظ سے احسن ہو سکتا ہے اس لیے ان لوگوں کو بتانا مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ کوئی احسن ہو سکتا ہے نہ برابر۔

سوال: اعلیٰ کی نفی سے مساوی کی نفی تم نے کہاں سے ثابت کر لی؟

جواب: یہ قاعدہ عرفِ عام کا ہے کہ کہیں کسی کے لیے افضل کا صیغہ مستعمل ہو تو اس سے مساوی کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

فلان اکرم من فلان یا فلان افضل من فلان۔

اس سے یقیناً یہی مراد ہوتا ہے کہ فلاں ہر کریم سے اکرم اور ہر فاضل سے افضل ہے خواہ وہ اس کے مساوی ہو یا ادنیٰ۔

ف: حکماً کا منصوب ہونا احسن سے تمیز ہے جو مبتدائے منقول ہو کر تمیز واقع ہوئی، دراصل عبارت یوں تھی:

ومن حکمہ احسن من حکم اللہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور کس کا حکم احسن ہو سکتا ہے۔

لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے، یعنی انہیں پورا الیقین ہے۔ یہ لام بیانیہ اور محذوف کے متعلق ہے جیسے سقیالك میں لام بیانیہ اور محذوف کے متعلق ہے اور دراصل اس سے مخاطب کو دُعا دینا مطلوب ہوتا ہے دراصل عبارت یوں تھی: یسقیك اللہ (اللہ تعالیٰ تجھے پانی پلائے) اس محذوف کو لك سے بیان کیا جاتا ہے یعنی استفہام مذکورہ بالاصرف اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی اس لیے کہ وہ امورِ الٰہیہ میں تدبیر کرتے ہیں۔ اس سے انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام دنیا والوں کے احکام سے احسن واعدل ہے۔

ف: لقوم یوقنون کی لام حکماً کے متعلق نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا حکم خاص قوم سے مخصوص نہیں۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ اصولی لحاظ سے دین ایک ہے البتہ ہر ایک دینِ حق کے فروع مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ مالک ہے جس طرح چاہے ہر زمانہ میں حکم فرمائے اس لیے کہ ہر حکم میں ہزاروں مصلحتیں اور بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکائیں اور دل سے مانیں نہ ہم اس پر اعتراض کریں نہ نکتہ چینی۔

سبق: موت وفوت سے پہلے ہی خیرات کے حصول میں جدوجہد کی جائے۔

حدیث شریف: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو:

(۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی، اس لیے کہ انسان جوانی میں جو کام کر سکتا ہے وہ بڑھاپے میں نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو عادت جوانی میں پڑ جائے اسے بڑھاپے میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔

(۲) صحت وعافیت کو بیماری سے پہلے، اس لیے کہ تندرست آدمی اپنے مال واسباب اور نفس

میں ہر طرح کا تصرف بلا کم و کاست کر سکتا ہے ، ہاں جب بیمار ہو جائے تو اس کے اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں تو طاعتِ الٰہی کی ادائیگی سے قاصر ہو جاتا ہے اور ایسے ہی مال میں بھی تہائی سے زاید خرچ نہیں کر سکتا ، اگر موت کے آثار نمودار ہو جائیں ۔

(۳) مشغولیت سے پہلے فراغت کو ، مثلاً رات کو انسان عموماً فارغ رہتا ہے اور دن کو مختلف کاروبار میں مشغولیت ہوتی ہے بنا بریں چاہیے کہ رات کو زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھے جائیں اور دن کو روزہ رکھا جائے بالخصوص سردیوں کے دنوں میں ، اس لیے کہ سردیوں کے روزے اور نوافل مومن کے لیے مفت کا ثواب ہے ۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

الشتاء غنيمة المومن طال ليله فقامه وقصر نهاره فصامه ۔	مومن کے لیے غنیمت ہے کہ اس کی رات طویل ہو اور وہ اس میں قیام (نوافل) کرے اور اس کے لیے دن چھوٹے ہوں تو ان میں روزے رکھے ۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے :

الليل طويل فلا تقصره بمنامك والنهار مضيئ فلا تكدره بآثامك ۔	رات لمبی ہو تو اسے نیند سے ضائع نہ کرو اور دن چمکیلے ہوں تو انہیں گناہوں سے میلا نہ کرو ۔

(۴) تونگری کو تنگدستی سے پہلے ، یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ کے تھوڑے دیے رزق پر راضی ہو تو یہی غنیمت ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ بڑھائے ۔

(۵) موت سے پہلے حیات کو ، اس لیے کہ انسان جب تک زندہ رہتا ہے تو ہر عمل کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو اس کے اپنے عمل عملنامے میں نہیں لکھے جاتے اس لیے اکثر اہلِ اموات قبروں میں دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کرتے ہیں تاکہ وہاں لوٹ کر تسبیح و تہلیل کی کثرت اور نوافل اور دوگانے زیادہ سے زیادہ پڑھیں ۔

سبق : بناء بریں سالک پر لازم ہے کہ وہ فرصت کو غنیمت سمجھے اس لیے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) بگذشتن فرصت اے برادر ‏ ‏ ‏ درکرم روے توچو میغ باش ۔

(باقی صفحہ ۲۶۷ پر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا
دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ
اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا
خٰسِرِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى
اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز
يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ
يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ع

ترجمہ : اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انھیں میں سے ہے بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا اب تم انہیں دیکھو گے جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے تو نزدیک ہے کہ اللہ فتح لائے اپنی طرف سے کوئی حکم پھر اس پر جو اپنے دلوں میں چھپایا تھا پچھتاتے رہ جائیں اور ایمان والے کہتے ہیں کیا یہی ہیں جنھوں نے اللہ کی قسم کھائی تھی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کا کیا دھرا سب اکارت گیا تو رہ گئے نقصان میں۔ اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قایم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶۵)

(۲) دریاب کہ عمر بس عزیز ست گر فوت شود دریغ باشد

ترجمہ: (۱) اے بھائی! فرصت کا گزرنا ایسے ہے جیسے کرم والے چہرے پر بادل چھا جائے۔

(۲) ابھی حاصل کرلے کہ عمر عزیز ہے، عمر گزرنے پر افسوس ہوگا۔

حضرت سید شریف نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا: ؎

نصیحت ہمینست جان پدر
کہ عمرت عزیزت ضائع مکن

ترجمہ: اے جانِ پدر! یہی نصیحت ہے کہ عمر عزیز ضائع نہ کر۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات ضائع نہ کرے۔

کسی دانا نے فرمایا: ؎

بکودکے بازی بجوانی مستی
بہ پیری سستی خدا را کے پرستی

ترجمہ: بچپن میں کھیل کا خیال، جوانی مستی میں گزری، بڑھاپے میں سستی، تو کب خدا تعالیٰ کی عبادت کرے گا۔

سبق: جب سالک کا شریعت کا شغل محکم ہو جائے تو طریقت کے لیے جدوجہد کرے، جو کہ یہی شریعت کا باطنی راستہ ہے، جیسے اربابِ عقول اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی بسر کی انہی کی تقلید میں اپنی زندگی کے لمحات گزارے، اس لیے کہ جیسے ہر نبی علیہ السلام کا اپنا طریقۂ دین ہے ایسے ہی ولی کا علیحدہ راہِ سلوک ہے جو صرف اسی کے سلسلہ سے مخصوص ہوتا ہے (جیسے سلسلہ قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، اویسی، وغیرہ) بدبخت ہے وہ جو ان طریقوں سے منہ پھیرتا ہے اور گمراہی کے گڑھے میں گرا جو ان کے سلسلوں سے ہٹا۔

(تفسیر آیات صفحہ ۲۶۶)

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا یہ خطاب عام مومنین کو ہے وہ مخلصین ہوں یا نہ ہوں، اگرچہ اس کا شانِ نزول ایک مخلص گروہ کے لیے ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کی گئی کہ اگرچہ یہودیوں میں میرے اَن گنت دوست ہیں لیکن میں ان سب کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہوتا ہوں۔ عبداللہ بن ابی نے کہا مجھے تو آئندہ کے حوادث و فتنوں سے بڑا خطرہ رہتا ہے فلہٰذا میں تو اپنے دوستوں (یہودیوں) کو نہیں چھوڑ سکتا اس لیے کہ حوادث اور فتنوں میں ان سے لازماً واسطہ پڑے گا۔ اس سے بنی قینقاع کے یہود مراد ہیں۔

لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ اے مومنو! یہود و نصاریٰ میں کسی ایک کو بھی اپنا یار دوست نہ بناؤ، اُن سے ایسی دوستی نہ جوڑو جیسے عموماً یاروں اور دوستوں سے معاملہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی انہیں اپنے معاشرے میں دخیل بناؤ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کو ان کی ہر طرح کی دوستی سے روکا جارہا ہے اس لیے کہ یہ تو ان سے ناممکن بلکہ ممتنع ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ ممتنعات سے نہی کا تعلق نہیں ہوتا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ان کے دوسرے بعض کے دوست ہیں یعنی ان دونوں فریقوں یعنی یہود و نصاریٰ کے ایک فرقہ کے بعض دوسرے کے دوست ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں فرقوں کے سب کے سب ایک دوسرے کے دوست ہیں اس لیے کہ دونوں کے آپس کے تعلقات کشیدہ تھے بلکہ دونوں ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے اور وہ دونوں اتفاق رکھتے تھے کہ تمہیں ہر طرح کا نقصان پہنچائیں اسی لیے پھر تمہارا اور ان کا دوستی کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ اور جو بھی تم میں سے ان سے دوستی اور محبت کرے گا یعنی انہیں دوست بنائے گا فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ پس وہ بھی ان سے شمار ہوگا یعنی اُن کے دین سے منصور ہوگا اور ان کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

مسئلہ: یاد رہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ ان یہود و نصاریٰ سے محبت اگر دین کی وجہ سے ہو تو پھر اس کا شمار انھیں میں ہوگا اور اُنھیں کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

مسئلہ: اگر اُن کی دوستی کا معاملہ صرف کاروبار اور معاملات و معاشرہ تک محدود ہو یا ان سے صرف خرید و فروخت کا سلسلہ ہو یا کسی کام کی وجہ سے ان سے واسطہ پڑ گیا تو اُن سے دوستی کا دم بھرنا ہے لیکن نہ اُن کے اعتقادات سے اسے تعلق ہو اور نہ ہی ان کے امورِ دینیہ سے اسے دلچسپی ہو تو پھر وہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا۔

مسئلہ: حضرت مولانا ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں ان مسلمانوں کو زجر و توبیخ ہے جو یہود و نصاریٰ سے ظاہری طور پر دوستی کا دم بھرتے ہیں اگرچہ ان سے حقیقی محبت و دوستی نہ بھی ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس میں ومن یتولھم منکم الخ کے حکم کی علت بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا

جو اہلِ اسلام کی دوستی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یہود و نصاریٰ سے محبت اور دوستی کا دم بھرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے کہ کفر کے گڑھے میں پڑیں یا گمراہی میں مریں۔ اللہ تعالیٰ آنکھ جھپکنے بلکہ اس سے بھی کم ہمیں اپنے نفسوں کے سپرد نہ فرما۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

در رہِ عشق ازاں سُوئے فنا صد خطر است
تا نگوئی کہ چو عمرم بسر آمد رستم

ترجمہ: رہِ عشق میں ہزاروں خطرے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ عمر گزر گئی تو نجات پاؤں گا۔

فَتَرَى یا یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا اس انسان کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہے **الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** پس تم دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی منافقت کا مرض یا دنیوی امور میں سستی اور تکاہل ہے **يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ** یہ الذین سے حال ہے یعنی وہ ان یہودیوں اور نصرانیوں کی محبت اور دوستی اور ان کی معاونت میں عجلت کرتے ہیں۔

سوال: سارعۃ یسارعون کا صلہ تو الیٰ آتا ہے نہ کہ فی۔ یہاں فی کو کیوں لایا گیا؟

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ وہ منافقین وغیرہ یہود و نصاریٰ کی محبت اور دوستی پر ایسے ڈٹے ہوئے ہیں کہ اُن کا اس کی دوستی سے باز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے عبداللہ بن ابی سلول اور اس کے ہمجولی مراد ہیں جو نجران کے یہود و نصاریٰ سے دوستی کا دم بھرتے تھے۔ جب مؤمنین انھیں ان کی اس دوستی پر ٹوکتے تو انہیں عذر کرتے ہوئے کہتے کہ صرف خطرہ ٹالنے کے لیے اُن سے دوستی ہے ورنہ ہمیں اُن سے کیا واسطہ۔ اُن کی اس غلط بیانی کی تردید میں یہ ارشادِ گرامی نازل ہوا کہ **يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ** کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے۔ یہ یسارعون کی ضمیر سے حال ہے۔ دائرۃ یہ ان صفات سے ہے کہ جن کا موصوف مذکور نہیں ہوتا۔ یعنی ہمیں خطرہ ہے کہ دورِ زمانے کا چکر آجائے اور انہیں ایسی دولت اور غلبہ حاصل ہو کہ وہ ہم پر غالب آجائیں۔ اس کا یہ معنیٰ ہے کہ ہمیں خطرہ ہے کہ دورِ زمانہ کے مصائب و تکالیف کا ہم شکار ہو جائیں، مثلاً قحط سالی وغیرہ، تو پھر وہ لوگ ہمیں نہ قرض دیں گے اور نہ غلّہ وغیرہ کی امداد کریں گے چونکہ منافقین مسلمانوں کو اپنا عذر پیش کرتے ہوئے ظاہر تو آخری معنے کرتے لیکن دل میں پہلا معنی چھپائے رکھتے **فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ** پھر نزدیک ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لائے۔ اُن کے غلط بیانوں اور مومنوں کو جو اُلٹے سیدھے حوالے پیش کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ ارشادِ گرامی نازل فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ یہود و نصاریٰ سے جو تم غلط طمع اور لالچ میں

رکھتے ہو، بالکل بے سود ہے اور اس میں اہلِ اسلام کو خوشخبری سُنائی گئی ہے کہ بالآخر فتح اور نصرت اور کامیابی کے لیے ہے اس لیے کہ لفظ عسٰی کلامِ الٰہی میں یقین کا فائدہ دیتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ کریم جس سے وعدہ کرے وہ ضرور پورا کرتا ہے اور پھر کرجمیع اہل کرم کا کریم وعدہ کرے تو پھر وہ کیوں نہ پورا ہو۔

ف : اس سے فتح مکّہ یا خیبر کے یہودیوں کے دیہات اور فدک مراد ہیں یا یہ مراد ہے کہ جو اللہ تعالےٰ کے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا وہ مار کھائیگا اس لیے کہ بالآخر اعزاز صرف دین کو ہی ہے۔

ف : حضرت حدّادی فرماتے ہیں کہ فتح کو اس لیے فتح کہتے ہیں کہ فتح بمعنے کھولنا۔ چونکہ اس سے بہت سے مشکل اور پھنسے ہوئے امور کھُلتے ہیں اس لیے اس نام سے موسوم ہوئی۔

اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ یا اپنی طرف سے کوئی اور امر لائے۔ اس سے یہودیوں کی جڑ کاٹنے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل اور جلاوطنی کا حکم نازل ہوگا۔

ف : شأفة اس زخم کو کہا جاتا ہے جو پاؤں کے تلوے میں ظاہر ہوتا ہے اسے داغ دے کر مٹایا جاتا ہے۔ پھر مثال کے طور پر کہا جاتا ہے،

استأصل اللّٰہ شأفته۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی جڑ کاٹ دے۔ یعنی اسے مٹا کر فنا کر دے جیسے اس زخم کو مٹایا گیا۔

فَیُصْبِحُوْا پس وُہ ہوجائیں وہی منافقین جو مومنین کے سامنے عذرداریاں کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے **عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ** اور اس کے جو اپنے دلوں میں چھپایا تھا۔ پچھتانے والے یعنی اپنے کرتوتوں پر پچھتائیں جو دلوں میں کفر اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک کو چھپاتے تھے۔ **وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا** اور منافقین کی ندامت کے وقت کہتے ہیں یہ نیا جملہ ہے طائفہ مذکورہ یعنی منافقین کے کمال سوءِ حال کے بیان کے لیے لایا گیا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ مومنین یہود و نصارٰی کو ان منافقین کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں جو ان یہود و نصارٰی سے دوستی کا دم بھرتے اور ان کی دولت کے امیدوار اور ان سے غایت درجہ کی محبت کا اظہار کرتے اور انھیں یقین دلاتے کہ ہم دُکھ اور سُکھ میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ اشارہ بھی اہلِ ایمان نے اُس وقت کیا جب کہ منافقین کے لیے مشاہدہ کیا کہ اب ان کی امیدیں بیکار ہوگئیں اور ان کی پختگی عزائم کی ختم ہوئی کہ جن باتوں کی انھیں امید تھی اُن کے متعلق معاملہ برعکس ہوگیا جن امور کے لیے وہ طرح طرح کی باتیں بناتے تھے وہ بہرصورت پُورا نہ ہوسکا تو مخاطبین سے تعجب کرتے ہوئے انہیں طنزاً کہتے ہیں کہ

أَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ یہ وہی ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی قسم میں پورے طور تمہارے ساتھ ہیں یعنی تمہاری پوری نصرت و معونت کریں گے۔ چنانچہ مروی ہے کہ منافقین نے یہود و نصاریٰ سے کہا تھا کہ اگر تم جنگ کے لیے تیار ہوئے تو ہم تمہاری پوری امداد کرینگے۔

ف : اسم اشارہ مبتدا ہے اس کا بعد اُس کی خبر ہے اس سے بتانا مطلوب ہے کہ انہوں نے جتنے دعوے کئے سب غلط نکلے۔ بلکہ اُن سے ایسا کرنا بعید از قیاس تھا۔ اور جو کچھ وہ کہتے سراسر خطا اور غلط تھا اور معکم کے مخاطب یہود ہیں جنہیں اہلِ اسلام نے خطاب کیا۔

ف : جہد الایمان مضبوط اور پختہ قسم پر بولا جاتا ہے۔ یہ دراصل مصدر ہے، اصل عبارت یُوں تھی : واقسموا باللہ یجھدون جھد ایمانھم۔ فعل کو حذف کرکے اس کے قائم مقام مصدر کو کھڑا کیا گیا ہے اور اقسموا کی ضمیر سے حال ہے۔

سوال : یہ مصدر معرفہ ہے اور حال کا نکرہ ہونا لازمی ہے۔

جواب : اُس کا لفظاً معرفہ ہونا حال بننے کے مضر نہیں اس لیے کہ یہ موَّولاً نکرہ ہے کیونکہ یہ اصل میں مجتھدین فی ایمانھم یا یہ مفعول مطلق ہے۔ اب عبارت یُوں ہوگی اقسموا اقسام اجتھاد فی الیمین۔

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ یہ جملہ مستانفہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے انجام کو بیان فرمایا ہے کہ وہ جو کچھ محبت کا دم بھرتے اور ہر دُکھ اور سُکھ میں ان کا ساتھ دینے کی قسم کھاتے جیسا کہ استفہام انکاری سے بھی معلوم ہوا۔ یہ تمام انکار رائیگاں ہے یعنی جتنا انہوں نے محبت کا دعویٰ کیا اور اس یاری و دوستی کے لیے جتنی جد و جہد کی سب ضائع ہوئی کہ یہود و نصاریٰ سے انہیں کچھ نصیب نہ ہوا بلکہ الٹا ان کی تمام کارگزاری بیکار ہوئی اور بہت سے دُکھ اور تکالیف سر پر اٹھائے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اسمِ اعظم بکند کارِ خود اے دل خوش باش
کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ : اسمِ اعظم ان کا کام کرتا ہے اے دل خوش ہو، لیکن مکر و فریب سے ابلیس سلیمان نہیں بن سکتا۔

سبق : حق کے لیے درحقیقت دولت ہے اور باطل کے لیے صولت یعنی محض زبانی جمع خرچی، جو بعد کو مٹ جاتی ہے، اور ایسی فنا ہوتی ہے کہ جس کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ باطل کی

طرف بالکل نہ جھکے چاہے وُہ کتنا ہی اچھا نظر آئے۔

حکایت منقول ہے حضرت ابُوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ میں نے اپنا پرائیویٹ سیکرٹری ایک نصرانی کو مقرر کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے بگڑ کر فرمایا: خدا تجھے غارت کرے کیا تجھے کوئی مسلمان نہیں ملتا جو تُو نے ایک بے دین بد مذہب کو اپنے کام کے لیے مقرر کیا ہے۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم نہیں جبکہ فرمایا:

یٰایہا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیہود و النصٰرٰی اولیاء۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اس کا دین و مذہب مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ جبکہ میں نے اس سے اپنی لکھائی کا کام لینا ہے۔

آپ نے فرمایا: درست فرماتے ہو لیکن جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے ہم کون لگتے ہیں انہیں عزت دینے والے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا کہ وُہ خیانتی ہیں تو ہم کیوں انہیں معاملات پر امین مقرر کریں جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ انہیں اپنے سے دُور رکھو تو پھر کیوں انھیں اپنے قریب لائیں۔

ف: مروی ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہی حکم اہلِ بصرہ کو لکھ کر بھیجا اگر یہ مر جائے تو پھر کیا ہوگا۔ انہوں نے کہا کسی اور کو مقرر کرینگے۔ آپ نے فرمایا: جو کام کل کرنا ہے وہ آج کر لو، بہرحال اسے اپنے کاروبار سے علیحدہ کردو۔

مسئلہ: حضرت شیخ اکبر (ابن العربی) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے دمشق میں اپنی آنکھوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دیکھا کہ وہ نصارٰی سے دوستی کا دم بھرتے اور معاملات میں اُن سے وابستہ تھے بلکہ اپنے بچوں کو اُن کے گرجوں میں لے جا کر ان کے پانی سے تبرک کے طور نہلاتے۔ یعنی وُہ پانی جو معمودیت کے نام سے مشہور تھا اور وہ معمودیت وہ پانی تھا جس سے چھوٹے بچوں کو نہلا کر یہ عقیدہ رکھتے کہ اب یہ بچہ پاک ہو گیا، جیسے ہم ختنہ کرتے ہیں، ان کے لیے یہی رسم تھی۔ مسلمانوں کو ایسا کرنا کفر ہے۔

مسئلہ: نوروز (نصارٰی کی عید) کی تعظیم کرنا کفر ہے۔

مسئلہ: اس دن تحائف و ہدایا بھیجنا بھی کفر ہے۔

مسئلہ: اس دن کے مراسم کی ادائیگی میں اُن کے ساتھ شرکت کرنا بھی کفر ہے۔

مسئلہ: اُن کے امور پر نگران مقرر کیے جائیں کہ جو بھی ان سے دوستی کرے گا سزا پائے گا تاکہ بد مذہبوں سے موالات کی پُوری طرح بیخ کنی کی جا سکے۔ ملتقطہ الناصری میں ہے کہ سارنگی (سرود) کو توڑنے کے لیے کسی مشرک سے کام لینا جائز ہے۔

مسئلہ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس بات سے اہلِ اسلام کو روکنا لازم ہے اس سے اہلِ کفر کو روکنا بھی ضروری ہے صرف شراب اور خنزیر سے کفار کو نہ روکا جائیگا۔

مسئلہ: ان دونوں کو لے کر کافر بازار میں نہیں جا سکتا تاکہ ان کی شہرت نہ ہو اس لیے کہ اس طرح سے اہلِ اسلام کی تحقیر ہوگی۔

مسئلہ: اگر ہم نے اُن سے صلح کر لی ہو کہ وہ ہمارے ملک میں اہلِ اسلام سے پناہ لے کر رہ سکتے ہیں، پھر جب ان کی عید کا دن آئے تو وہ نصارٰی اپنی صلیب کھلم کھلا عید میں نہیں لے جا سکتے۔

مسئلہ: وہ کھلم کھلا مزامیر اور طنبور وغیرہ بھی نہیں بیچ سکتے۔

مسئلہ: برسرِعام مجلسِ سماع بھی نہیں قائم کر سکتے۔ علاوہ ازیں جتنے امور اہلِ اسلام کے لیے ممنوع ہیں ان کے لیے بھی ممنوع ہیں۔

مسئلہ: اسلامی ملک میں وُہ نیا گرجا بھی نہیں بنوا سکتے۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لاخصاء فی الاسلام ولا کنیسۃ۔ اسلام میں نہ خصی ہونے کی اجازت ہے اور نہ ہی گرجا بنانے کی۔

مسئلہ: خصاء سے انسان کا خصی ہونا مراد ہے ورنہ جانوروں کا خصی کرنا بوقتِ ضرورت جائز ہے یہی احناف کا قول ہے کہ جب انسانی ضرورت کے لیے جانوروں کا گوشت جائز ہے تو پھر ان کا خصی کرنا کیوں جائز نہ ہو۔

سوال: بنو آدم کو خصی کرنا کیوں ناجائز ہے جبکہ اس میں بھی ان کا نفع ہے۔

جواب: اس میں کسی قسم کا نفع نہیں اس لیے کہ نہ صرف بیگانی عورت سے زنا ناجائز ہے بلکہ ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے (کذا فی بستان العارفین)۔

تفسیر صوفیانہ شیطان اور قوائے شریرہ وجودِ انسان میں یہود و نصارٰی کی طرح ہیں۔ جیسے یہود و نصارٰی سے اجتناب کرنا اور دوستی نہ کرنا ضروری ہے ایسے ہی شیطان و قوائے شریرہ سے اجتناب کرنا اور دوستی نہ کرنا لازمی ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور حکم فرمایا کہ انہیں اپنا دشمن سمجھو اس لیے کہ وہ تمہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں بلکہ اللہ تعالٰی سے دائمی انقطاع پر اُبھارتے ہیں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ اللہ تعالٰی کے دشمنوں سے ہر طرح کی دشمنی رکھے ورنہ ایمان ناکمل ہوگا۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست — لیک اژدرہات محبوس چہست

(۲) چہ خرابت مے کند نفس لعین — دور می اندازت سخت ایں قرین

(۳) آتشت را ہیزم فرعون نیست — زانکہ چوں فرعون اوراعون نیست

ترجمہ :(۱) جو کچھ فرعون میں تھا وہ تجھ میں بھی ہے لیکن تیرا اژدہا کنویں میں بند ہے ۔

(۲) نفس لعین کتنی خرابی کرسکتا ہے تیرا یہ ساتھی تو تجھے بہت دُور پھینک دے گا ۔

(۳) تیری آگ کے پاس فرعون والی لکڑیاں نہیں اس لیے کہ تجھ میں فرعون والی طاقت نہیں ۔

یعنی فرعون کو اپنے دعاوی اور خواہش کے مطابق اسباب حاصل تھے اس لیے اس نے ربوبیت و الوہیت کا دعوٰی کردیا ۔ اگر ہمیں بھی وہی اسباب حاصل ہوجائیں اور اس کی طرح ہمیں دعاوی پر معاونت مل جائے تو ہم بھی فرعون کے دعاوی سے پیچھے رہنے والے نہیں ۔

تفسیر عالمانہ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے ۔

ف : یہ منجملہ ان امور کے ہے جن کے متعلق قرآن مجید نے خبر دی ہے وہ ہو کر رہا ۔

اسود عنسی کی جھوٹی نبوت کا واقعہ مروی ہے کہ گیارہ گروہ مرتد ہوئے ، تین حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں ، باقی آپ کے بعد ۔ ان میں پہلا گروہ بنو مدلج کا تھا جن کا سردار ذوالخمار یعنی اسود عنسی تھا وہ کاہن تھا ، اس نے یمن میں جھوٹی نبوت کا دعوٰی کردیا اور اپنے علاقوں پر چڑھ دوڑا یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حکام جیسے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یمن کے بڑے بڑے سرداروں کو نکال دیا ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل اور دوسرے مسلمانوں کو لکھا کہ اپنے دین پر مضبوط رہو اور اسود عنسی سے جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ ۔ چنانچہ فیروز دیلمی نے اسود عنسی کو رات کے وقت اس کے بستر پر قتل کردیا ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُسی رات اسود عنسی کے قتل ہوجانے کی خبر دے دی ۔ چنانچہ آپ نے صبح کو فرمایا کہ آج رات اسود عنسی قتل ہوچکا ہے اسے ایک برکت والے مرد نے قتل کیا ہے ۔ آپ سے پوچھا گیا وہ مبارک مرد کون ہے ؟ آپ نے فرمایا ، وہ فیروز دیلمی ہے ۔ آپ نے جس دن اپنے صحابہ کو اسود عنسی کے قتل ہوجانے کی خبر دی تو دوسرے دن آپ کا وصال ہوگیا ۔ چنانچہ ربیع الاول شریف کی آخری تاریخوں میں صحابہ کرام کو اسود عنسی کے قتل ہوجانے کی اطلاع ملی ۔

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ پہلی فتح تھی۔

مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کا واقعہ آپ کے زمانۂ اقدس کا دوسرا مرتد گروہ یمامہ کا بنو حنیفہ (قبیلہ) تھا، اُن کا سردار مسیلمہ کذّاب تھا جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نبوّت کا دعویٰ کیا۔ ۱۰ھ کے آخر میں یہ واقعہ رونما ہُوا۔ اس کا یہ گمان تھا کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک ہے۔ چنانچہ اس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے :

من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ اما بعد فان الارض نصفھا لی ونصفھا لک۔	یہ مسیلمہ (جھوٹے رسول) کا خط حضرت محمد مصطفیٰ (اللہ تعالیٰ کے سچے رسول) کی طرف ہے اما بعد جان لو کہ زمین آدھی میری اور آدھی آپ کی۔

اُس نے یہ خط اپنے دو ساتھیوں کے حوالے کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روانہ کیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب اس کے قاصد پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اگر قاصدوں کو قتل کرنے کی ممانعت نہ ہوتی تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ مضمون لکھا :

من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب اما بعد فان الارض یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔	یہ خط محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف سے مسیلمۃ الکذاب کو اما بعد زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور نیک انجام صرف متقین کے لیے ہے۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ آپ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بہت بڑا لشکر دے کر مسیلمۃ الکذاب کے ہاں بھیجا انہوں نے جا کر مسیلمۃ الکذاب سے جنگ کی یہاں تک کہ مسیلمۃ الکذاب کو مطعم بن عدی کے غلام وحشی نے قتل کر دیا۔ یہ وہی حضرت وحشی ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی فرمایا کرتے تھے میں نے خیر الناس کو شہید کیا اور اسلام میں بدترین انسان (مسیلمۃ الکذاب) کو قتل کیا۔

طلیحہ بن خویلد کا واقعہ

یہ تیسرا گروہ قبیلہ بنو اسد کا تھا، ان کا رئیس یہی طلیحہ بن خویلد تھا۔ یہ وہ آخری شخص تھا جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نبوت کا دعوٰی کیا تھا۔ مرتدین میں یہی وُہ پہلا شخص تھا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مارا گیا، اس کے مقابلہ کے لیے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھیجا، جس پر بہت بڑی جنگ لڑی گئی۔ بالآخر طلیحہ شام کی طرف بھاگ نکلا جو کہ بعد میں مسلمان ہوگیا اور مسلمان ہو کر مرا۔

منکرین زکٰوۃ کے مرتدین کا واقعہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد اہلِ مکّہ و اہلِ مدینہ اور بحرین کے عبدالقیس کے سوا باقی عامۃ العرب مرتد ہوگئے وُہ کہتے تھے کہ نماز تو ہم پڑھیں گے لیکن اپنے اموال کی زکٰوۃ دے کر ہم اپنے مال ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنہیں اللہ تعالیٰ نے اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکٰوۃ میں جمع فرمایا ہے انہیں ہرگز جُدا نہ کروں گا۔ بخدا اگر زکٰوۃ سے بکری کا ایک بچّہ بھی (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے) مجھ سے روکو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نصرت فرمائی جیسے اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد فرمائی تھی حتّٰی کہ مرتدین نے زکٰوۃ کی فرضیت کا اقرار کر لیا۔

ف: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو یہ بات ناگوار گزری کہ وہ منکرینِ زکٰوۃ سے جنگ کریں، وُہ کہتے کہ جب وہ اہلِ قبلہ ہیں تو پھر ہم ان سے جنگ کیسے کر سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے نکال کر اکیلے کھڑے ہُوئے تب صحابہ کرام نے لڑائی کے سوا چارۂ کار نہ پایا، پھر وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں ہم اس جنگ سے نفرت کرتے تھے لیکن جب ہمیں صدیق اکبر کا موقف سمجھ میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور شکر کیا۔

حضرت صدیق اکبر کی فضیلت

صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کے بعد صدیقِ اکبر جیسا کوئی اور افضل انسان نہیں کہ جس نے مرتدین کے مقابلہ میں نبی علیہ السلام کی جانشینی کا حق ادا کیا ہو۔ حضرت شیخ عطار رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرمایا: ؎

ہر چہ بود از بارگاہِ کبریا　　　ریخت در صدرِ شریف مصطفےٰ

آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت لاجرم تا بود از و تحقیق ریخت

ترجمہ : بارگاہِ کبریا سے جو کچھ مصطفےٰ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سینہ مبارک میں پہنچا وہ تمام حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینہ مبارک میں ڈال دیا لازماً تحقیق سے ڈالا۔

ف : حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ نہ کرتے تو قیامت تک اسی طرح لوگوں کو زکوٰۃ سے انکار رہنا۔

مسئلہ : الاشباہ میں ہے فتویٰ اس پر ہے کہ مانع زکوٰۃ سے انکار رہنا۔

مسئلہ : محیط میں ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے تو حاکم فرستادہ کو ضروری نہیں کہ وہ اس سے جبراً زکوٰۃ لے۔ اگر جبراً لے گا تو وہ لیا ہوا مال زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا اس لیے اس نے مال بلا اختیار دیا ہے، ہاں اسے قید کر سکتا ہے تاکہ وہ اپنے اختیار سے زکوٰۃ ادا کرے۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ منکرین کو فنا کر کے اُن کی جگہ پر ایسے لوگوں کو لائے گا بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ جن سے وہ محبت کرے کہ اُن کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کا ارادہ فرمائے وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اور وہ اس سے محبت کریں یعنی ایسے لوگ آئیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت بجا لائیں اور برائیوں سے بچیں۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے اہلِ یمن مراد ہیں۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ۔ ایمان اور حکمت یمنی ہیں۔

نکتہ : ایمان کو ان کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایمان میں کامل درجہ رکھتے ہیں اس لئے جو شخص کسی شے میں کمال رکھتا ہے تو شے کے اس کی طرف منسوب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوسرے اس سے موصوف ہی نہیں۔ اس تقریب سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث مذکور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی الایمان فی اھل الحجاز (ایمان اہلِ حجاز میں ہے) کے منافی نہیں۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

ف : یہ بھی یاد رہے کہ اگر آیت اہلِ یمن ہی مراد ہوں تو تمام اہلِ یمن اور ہر زمانہ کے یمنی مراد نہیں بلکہ اس زمانہ کے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور بعض کے نزدیک

فارس والے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

لوکان الایمان معلقا بالثریا لنا لـه ابناء فارس۔	اگر ایمان ثریا سے معلق ہو تب فارس والے اسے حاصل کریں گے۔

اس حدیث شریف میں فارس والوں کی فضیلت ثابت ہوئی۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اہلِ ایمان نرم دل ہیں۔ اذلّة ذلیل کی جمع ہے یعنی رحم دل رقیق القلب، یعنی اہلِ ایمان کے لیے منکسر اور متواضع ہیں اس میں اذلّة کا صلہ علیٰ آیا ہے کہ اس میں مہربانی اور نرم دلی کا معنیٰ مطلوب ہے اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں پر سخت ہیں۔ یعنی اُن پر غالب اور سخت گیر ہیں۔ یہ عزّة سے ماخوذ ہے بمعنے غلبہ۔ وہ اس پر غالب ہوا يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑینگے۔ یہ قوم کی صفت دیگر ہے اپنے ماقبل پر مرتب ہے اور مابعد سے مربوط ہے۔ اس میں یہ بتانا مطلوب ہے کہ وہ کفار پر غالب کیوں ہیں وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ اور وہ ہدایت کرنے والوں کی ملامت سے کوئی خوف نہیں رکھیں گے۔ اس کا عطف یجاھدون پر ہے، یعنی وہ ان اوصاف کے جامع ہیں:

(۱) مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔

(۲) دین میں مضبوط اور پختہ ہیں۔ اس میں منافقین کو تعریض ہے جبکہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں چل نکلے تو انھیں اپنے یاروں دوستوں یہودیوں نصرانیوں کا بھی دل میں اندیشہ تھا کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں کہ جس سے وہ یار دوست ہمیں ملامت کرینگے۔

اللومة ایک بار ملامت کرنا۔ مصدر ہے مرّة کے معنیٰ میں۔ اسے مرة کے معنے اور لائم کو نکرہ لانے میں دو مبالغے مطلوب ہیں گویا یوں کہا گیا ہے کہ مومن کسی ملامت گر کی ملامتوں سے اندیشہ نہیں کرتے۔ مبالغہ اول لومة میں بایں معنیٰ ہے کہ وہ ہر طرح کے ملامت گر کی پروا نہیں کرتے۔ اس سے مبالغہ اس لیے حاصل ہوا کہ نکرہ نفی کے بعد واقع ہو تو اس سے مطلوب ہوتا ہے ذٰلِكَ یہ مذکورہ بالا اوصاف جلیلہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس قوم کو محبت و نرم دلی و عزّت و مجاہدہ فی سبیل اللہ اور نفی خوف الملامة و نفی ملامة لائم سے موصوف کیا گیا ہے۔ فَضْلُ اللّٰهِ اس کا فضل اور لطف و احسان ہے نہ یہ کہ خود بخود اُن اوصاف سے موصوف ہوئے يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وہ عنایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے یعنی جسے ایسے اوصاف سے موصوف کرنا چاہتا ہے تو اسے ان اوصاف کے حصول کی توفیق عنایت فرماتا ہے

تاکہ وُہ بہ تقاضائے حکمت و مصلحت اسے حاصل کریں وَاللّٰہُ وَاسِعٌ اور بہت بڑے فضل و کرم اور الطاف کا مالک ہے عَلِیْمٌ جمیع اشیاء پر اس کا علم محیط ہے منجملہ ان کے یہ بھی اسے معلوم ہے کہ ان میں فضل اور توفیق کا اہل کون ہے ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

سکندر را نمی بخشند آبے

بزور و زر میسر نیست این کار

ترجمہ ، سکندر کو آبِ حیات نہ بخشا ، زور و زر سے ایسے کام نصیب نہیں ہوتے ۔

تفسیرِ صوفیانہ بعض ایسے سالک بھی ہوتے ہیں جن کے عقبات اور حجابات ستر سال کے بعد ہٹتے ہیں اور بعض ان میں وُہ ہیں جو یہ منازل بیس سال میں طے کرتے ہیں بعض وہ ہیں جنہیں دس سال میں یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے بعض صرف ایک ماہ میں طے کر لیتے ہیں ۔ بعض کو ایک ہفتہ لگتا ہے اور بعض صرف ایک گھنٹہ میں حاصل کر لیتے ہیں بعض کو صرف آنکھ جھپکنے میں نصیب ہو جاتا ہے ۔ یہ توفیقِ الٰہی اور عنایتِ ربانی سے ہوتا ہے ۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے والے جادوگروں کو دیکھئے کہ انھیں اس مرتبہ کے حصول میں کتنی دیر لگی ، انہیں صرف ایک لمحہ میں یہ نعمت نصیب ہوئی جبکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو کہا اٰمنّا برب العٰلمین ۔ اور اسی آن میں طریقِ حق کا مشاہدہ فرمالیا اور منزل طے ہو گئی یہاں تک کہ ایک سیکنڈ میں عارف باللہ بن گئے ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ دُنیوی امور میں بہت اونچے تھے ۔ لیکن جب انہوں نے دنیا سے منہ موڑا اور طریقِ حق چاہا تو کامل ولی بن گئے انہیں صرف اتنی دیر لگی کہ وہ بلخ سے روانہ ہُوئے اور مرو الروز میں پہنچے تو عارف کامل تھے یہاں تک کہ ایک مرد کو دریا کے پُل پر دیکھا کہ وہ پُل سے گر کر پانی میں ڈوبنے والا ہے آپ نے دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس مرد کو اشارہ کیا کہ یہاں ٹھہر جا تو وہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کرامت سے وہیں ٹھہر گیا ، پانی میں ڈوبنے سے بچ گیا اور سہارے کے بغیر ہوا میں لٹکا رہا ، یہاں تک کہ اُسے اُٹھا لیا گیا ۔

حکایت حضرت رابعہ بصریہ کسی کی لونڈی تھیں جب وُہ بوڑھی ہو گئیں تو انہیں بیچنے کے لیے سارے بازار میں پھرایا گیا کسی نے بھی خریدنے کی طرف رغبت نہ کی ۔ بصرہ کے ایک تاجر نے اُن کے حال پر رحم کھا کر صرف سو درہم میں انہیں خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کر دیا ۔ بی بی صاحبہ آزاد ہوتے ہی عبادت الٰہی میں لگ گئیں ایک سال کے اندر ولیہ بن گئیں یہاں تک کہ ان کے مرتبہ کے پیشِ نظر بصرہ کے قرار (حفاظ) و علماء اُن کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ۔

ف : جسے عنایتِ الٰہی نہ سنبھالے اور فضلِ ربانی شاملِ حال نہ ہو تو اسے اس کے نفس کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ پھر ستر سال تک ایک ہی منزل میں بھٹکتا رہتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جو اس پُرپیچ وادی میں عرصہ دراز تک دھکے کھاتے رہتے ہیں جنہیں منزل نصیب ہوتی بہرحال یہ راہ پُرپیچ اور بہت عمیق ہے کسی خوش قسمت کو نصیب ہوتا ہے۔

سوال : اسے مخصوص بندے سے مخصوص کرنے کا کیا معنے اور دوسرے کو محرومی کیوں حالانکہ جدو جہد اور دعوئ عبودیت میں دونوں مشترک ہیں۔

جواب : اس سوال کا جواب خود اپنے جلال کے پردوں سے حکم صادر فرماتا ہے کہ کچھ مرتبہ نہیں ملتا تو نہ ملے تو اپنے شغل پر مداومت کر اور عبودیت کا حق ادا کر کے سرِ ربوبیت کو پہچان تو اپنا کام کیے " ۔ اس کریم سے سوال کا ہے کا ۔ اس سے سوال نہیں کیا جاتا ۔ وہ جس سے چاہے جیسے چاہے کرے یہ اللہ کریم کے اپنے اندازے ہیں اور اسی کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے ۔ اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس سے فضل و کرم کی کوئی انتہا و غایت نہیں سہ

رضا بادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشائی

کہ بر من و تو در اختیار نکشادست

ترجمہ : رضا و تسلیم عمل میں لا ماتھے پر بل نہ ڈال (اس لیے) ہم میں سے کسی پر بھی اختیار کا دروازہ نہ کھولا ۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تیری نظرِ عنایت ہے اور جن کی حمایت تیری توفیق کرتی ہے اور جنہیں تیری ہدایت نصیب ہوتی ہے ۔ (آمین یا رب العالمین)

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

تفسیر عالمانہ ربط : سابقاً کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ اس لیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن تمہارے دشمن ہیں تمہارے دوست صرف اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اہلِ ایمان ہیں فلہٰذا تم بھی صرف انہیں دوست بناؤ ان کے غیر سے دور رہو ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی غیر اللہ سے دشمنی کا نام ہے، جیسے حضرت خلیل علیہ السلام نے کہا : فانھم عدوٌّ لی الا رب العالمین اور رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دوستی نفس سے دشمنی اور خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت کو کہا جاتا ہے ۔

حدیث شریف : چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت به ۔	تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنی خواہش کو میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ کرے ۔

حدیث شریف : اور فرمایا :

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من نفسه وماله وولده والناس اجمعین ۔	تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نفس ومال اور اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب تر نہ جاؤں ۔

ف : مومنین سے دوستی کا نام یہ ہے کہ ان سے صرف دین کے لیے بھائی چارہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

انما المؤمنون اخوة ۔	بیشک سب مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔

حدیث شریف : اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه ۔	تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہ اچھا نہ سمجھے جو اپنے لیے سمجھتا ہے ۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ یہ الذین اٰمنوا سے بدل ہے یعنی مومن وہ ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں **وَھُمْ رٰکِعُوْنَ** یہ دونوں فعلوں کے فاعلوں سے حال ہے یعنی وہ نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں خشوع اور خضوع کرنے والے ہیں اس سے مومن مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز مطلوب ہے تاکہ معلوم ہو کہ پُر اخلاص کون ہے اور منافق کون ، اس لیے کہ نماز و زکوٰۃ کی مواظبت کرنے سے اور انہیں خشوع اور رضائے الٰہی کے لیے ادا کرنے سے اخلاص اور منافقت کا پتا چلے گا **وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** اور جو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کو دوست بناتا ہے **فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ** پس بیشک اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے ۔

سوال : ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں کیا فائدے ہیں فانھم کے بجائے فان حزب اللہ کیوں کہا گیا ہے ؟

جواب : تاکہ تنبیہ ہو کہ یقینی طور صرف وہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور یہی ہمیشہ غالب رہے گا ، گویا یوں

کہا گیا کہ جو ان سے دوستی کرتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور وہی ہمیشہ غالب ہوگا ۔ پھر انہیں اپنی طرف مضاف کرکے ان کی بزرگی کا اظہار مطلوب ہے اور اس کو تعریض ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک اور مومنین کے غیر سے محبت کرتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ وہ شیطان کا گروہ ہے ۔

ف : حزب جب کسی کی طرف مضاف ہو تو اس سے مخصوص دوست مراد ہوتے ہیں ۔ مثلاً کہا جاتا ہے : حزب الرجل ای اصحابہ دراصل اس گروہ کو کہتے ہیں جو کسی ایسے امر کے لیے مجتمع ہو جو انہیں ستائے ۔ حزبہ بمعنے اصابہ مستعمل ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کے ظاہری دشمن ہوں یا باطنی جیسے خواہشات اور نفس و شیطان ان پر محض نصرت ایزدی سے غلبہ پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِن تنصروا اللّٰہ ینصرکم ۔

اور نصرت و غلبہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہی ہوتا ہے اس لیے کہ عزت دینے والا وہی ہے اور عزت اسی سے ہی نصیب ہوتی ہے ۔

معراج کی رات اُمت کی شکایات کی فہرست مروی ہے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے اُن کی اُمت کی چند شکایات بتائیں جو مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) میں نے انہیں آیندہ کے لیے کسی امر کا مکلف نہیں بنایا اور وہ مجھ سے آئندہ کے رزق کا مطالبہ کرتے ہیں ۔

(۲) میں نے ان کا رزق کسی کے ہاتھ میں نہیں رکھا اور وہ اپنے اعمال میرے غیر کی طرف لے جاتے ہیں ۔

(۳) رزق میرا کھاتے ہیں شکر غیر کا کرتے ہیں ۔

(۴) میرے ساتھ مخالفت میری مخلوق سے موافقت ۔

(۵) عزت میرے ہاتھ میں ہے اور سب کو عزت دینا میرا کام ہے اور وہ میرے غیر سے عزت طلب کرتے ہیں ۔

(۶) میں نے جہنم صرف کافروں کے لیے بنائی ہے لیکن یہ خود اپنے آپ کو جہنم میں لے جاتے ہیں ۔

سبق : جو شخص بھی خواہشاتِ نفس کے تابع ہو کر تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس نہیں کرتا بلکہ وہ جد و جہد کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قسم کی مدد نہیں نصیب ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ پر جرأت ، و بیباکی کرنا سوائے خسارہ اور نقصان کے اور کچھ

نصیب نہیں ہوتا۔

ف : یاد رہے کہ خواہشات نفس کے ہی تقاضے ہیں اور نفس ظلمانی ہے اور ظلمانی سے ظلمت ہی پیدا ہو گی۔
مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) عکس نورانی ہمہ روشن بود
عکس ظلمانی ہمہ گلخن بود

(۲) عکس ہر کس را بدان ای دوربین
پہلوئے جنسے کہ خواہی مے نشین

ترجمہ :

سبق : مؤمن پر لازم ہے کہ نماز روزہ اور دیگر تمام عبادات بجالا کر نفس کا تزکیہ کرے تاکہ تمام رذائل اور گندے اخلاق اس سے دور ہو جائیں یہاں تک کہ باطنی دشمنوں پر غلبہ نصیب ہو اور ان پر غلبہ ظاہری دشمنوں پر غالب ہونے کی کنجی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم السلام ہر وقت مظفر و منصور رہتے۔ لیکن یہ غلبہ اور ولایت اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ہے ازل سے جسے نصیب ہوئی وہ خوش نصیب اس کا مستحق ہے جسے ازل میں نور کے چھینٹے ملے وہ کبھی تاریکی کا منہ نہیں دیکھے گا۔ اسی طرح جسے اس روز نور کا چھینٹا نصیب نہ ہوا وہ تازیست ہدایت سے محروم رہے گا۔ نہ اُسے ابتداء زندگی میں یہ دولت نصیب ہو گی اور نہ ہی آخری وقت میں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بآبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ : آبِ زمزم اور کوثر سے سفید نہیں کیا جا سکتا جس کے بخت کی گدڑی سیاہ تاگوں سے تیار کی گئی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ
اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ
وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ
مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ
دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ وَتَرٰى كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ
مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا
قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَ
اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ
اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ
مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: اے ایمان والو جنھوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے وہ جو تم سے پہلے کتاب
دئے گئے اور کافران میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو
اور جب تم نماز کے لیے اذان دو تو اسے ہنسی کھیل بناتے ہیں یہ اس لیے کہ وہ نرے بے عقل
لوگ ہیں تم فرماؤ اے کتابیو تمہیں ہمارا کیا برا لگا یہی نا کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو
ہماری طرف اترا اور اس پر جو پہلے اترا اور یہ کہ تم میں اکثر بے حکم ہیں تم فرماؤ کیا میں بتا دوں
جو اللہ کے یہاں اس سے بدتر درجہ میں ہیں وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور

ان میں سے کر دیے بندر اور سور اور شیطان کے پجاری ان کا ٹھکانا زیادہ بُرا ہے اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بہکے اور جب تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ آتے وقت بھی کافر تھے اور جاتے وقت بھی کافر اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپا رہے ہیں اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں بے شک بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں انہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کے پادری اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے بے شک بہت ہی بُرے کام کر رہے ہیں اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے سے لعنت ہے بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے جیسے چاہے اور اے محبوب یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اُترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر میں ترقی ہوگی اور ان میں ہم نے قیامت تک آپس میں دشمنی اور بیر ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور زمین میں فساد کیلئے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو نہیں چاہتا اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل اور جو کچھ ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اُترا تو انہیں رزق ملتا اُوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ان میں کوئی گروہ اعتدال پر ہے اور ان میں اکثر بہت ہی بُرے کام کر رہے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (اے ایمان والو)

تفسیر عالمانہ شانِ نزول : رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث دونوں اظہارِ اسلام کے بعد منافق ہو گئے۔ بعض مسلمان اُن سے محبت رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اُن کی دوستی سے روکا اور فرمایا : اے ایمان والو لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مت دوست بناؤ ان کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا الذین اتخذوا الخ لا تتخذوا کا مفعول اول ہے اور اس کا مفعول ثانی اولیاء ہے اور دینکم، اتخذوا کا مفعول اول ہے اور اس کا مفعول ثانی هزوًا ہے الهزؤ تمسخر و استہزاء کو کہتے ہیں۔ اور اللعب فارسی میں بمعنے بازی (کھیل) ہے۔ منافقین کا دین سے استہزاء ولعب یہ تھا کہ وہ زبان سے تو اسلام کا دم بھرتے لیکن دل میں کفر چھپائے رکھتے تھے۔

ف : نہی کو دین سے استہزاء پر مرتب کرنے میں اس کی علت کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ جس کا یہ حال ہو کہ وہ دین

سے ٹھٹھا کرتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اس سے دشمنی کی جائے نہ کہ اُس سے دوستی اور یاری کا دم بھرا جائے۔

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ مِن بیانیہ ہے۔ استہزاء کرنے والوں کو بیان کیا جا رہا ہے اور من قبلکم، اُوتوا سے متعلق ہے یعنی وہ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے وَالْكُفَّارَ منصوب ہے اور اس کا عطف الّذین اول پر ہے (یعنی الذین اتخذوا) اس سے مشرکین مراد ہیں اس لیے خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ڈبل کفر کے مرتکب تھے۔

خلاصہ یہ کہ تمہاری دوستی کسی ایسے سے نہ ہونی چاہیئے جو دین کا مدعی ہو کر خواہش نفسانی پر عمل کر کے حق اور صواب کی اور تحریف میں لگا رہتا ہے جیسے اہل کتاب یہود و نصارٰی یا وہ کسی دین کا پابند نہ ہو جیسے مشرکین اَوْلِيَآءَ ان سب مذکورین کو دوست نہ بناؤ بلکہ ان سے ہر ممکن دُور رہو وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر اُن کی دوستی اور یاری سے بچو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور اگر تم سچے مومن ہو اس لیے کہ ایمان تقویٰ کا مقتضی ہے وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا جب تم نماز کے لیے اذان دو تو وہ نماز اور تمہاری اذان کو هُزُوًا وَّلَعِبًا ہنسی بناتے ہیں۔

شانِ نزول یہودیوں کی عادت تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اذان دیتے تو وہ آپس میں ہنستے اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے ان کی سفاہت کی طرف اشارہ کر کے ہنسی کھیل کرتے اور کہتے کہ ان کی جہالت کا حال دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں اس سے ان کا صرف اہلِ اسلام سے نفرت دلانا مقصود تھا اور چاہتے تھے کہ دائمی اسلام سے عوام متنفر ہو جائیں۔

ذٰلِكَ یہ استہزاء مذکور کی طرف اشارہ ہے بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ اس لیے کہ وہ نرے بے عقل لوگ ہیں یعنی آپ کے اس استہزاء سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں عقل ہے ہی نہیں اس لئے کہ تم سے کم عقلی ہی انہیں محاسنِ حق سے ہنسی مذاق کرا رہی ہے ورنہ اگر انھیں عقل ہوتی تو ایسے اعلیٰ ترین عمل پر ہنسی مذاق کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ مثنوی شریف میں ہے :ے

(۱) کشتی بے لنگر آمد شر   که ز باد کژ نیابد او حذر

(۲) لنگرِ عقل ست عاقل را امان   لنگر دریوزہ کن از عاقلاں

ترجمہ: (۱) کشتی بے لنگر ہے شریر مرد کہ اسے بادِ مخالف سے ڈر نہیں لگتا۔

(۲) لنگر عقل ہے عقلمند کے لیے امان ہے تم عقلمند سے جا کر اس لنگر کی خیرات مانگو۔

ف: علماء کرام فرماتے ہیں کہ اذان نماز کا ثبوت صرف خواب والی احادیث سے نہیں بلکہ وہ اس صریح سے بھی ثابت ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ جب تم اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤ۔

ف : اذان و ندا، بمعنے بلند آواز سے کسی کو بلانا۔

اذانِ نماز کے نکات

اذان میں چند حکمتیں ہیں :

(۱) شعائرِ اسلام کا اظہار

(۲) کلمۂ توحید کا اظہار

(۳) نماز کے وقت کے داخل ہونے کی خبر دینا۔

(۴) اور خبر دینا کہ نماز پڑھنی ہے۔

(۵) نماز با جماعت کی دعوت دینا وغیرہ۔

سوال : مؤذن خوش آواز تو ہے لیکن مزدوری مانگتا ہے یا تنخواہ کا طالب ہے دُوسرا وہ ہے جو اذان تو مفت دیتا ہے لیکن ہے کریہہ الصوت۔ ان میں کسے مؤذّن مقرر کیا جائے۔

جواب : اس کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں اصح یہی ہے کہ خوش الحان کو اذان کے لیے مقرر کیا جائے اس لیے کہ اُس کی اذان سے عوام کے دل میں تاثیر پیدا ہوگی، جیسے کریہہ الصوت سے نفرت و کراہت۔

حکایت مثنوی شریف

ایک بد آواز مؤذن نے کافروں کی بستی میں اذان کہہ ڈالی، اسے لوگوں نے بہت سمجھایا کہ تیری اذان سے فتنہ اٹھتا ہے اسلام کو کسی قسم کا فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے، اس لیے کہ اذان خوش الحان آدمی کو دینی چاہیئے۔ وہ جواب دیتا کہ کافروں کے علاقہ میں اذان سے اسلام کو فائدہ ہوگا، حالانکہ درحقیقت بہت بڑا نقصان ہو رہا تھا۔ کافر اس کی اذان سے خوش تھے کہ اس کی اذان سے مسلمانوں کا دینی نقصان ہو رہا تھا۔ چنانچہ کافروں نے اُسے ہدایا و تحائف سے بھرپور کر دیا۔ کوئی کپڑے پیش کر رہا ہے تو کوئی اسے بہترین طعام پکا کر کھلا رہا ہے تو کوئی اسے حلوہ دیتا ہے کوئی مٹھائی پیش کرتا ہے اس لیے کہ انہیں اس کی اذان سے بہت فائدہ پہنچا۔ ان میں کافروں کی ایک لڑکی تھی جسے اسلام سے محبت ہوگئی تھی اسے کافروں نے ہر چند سمجھایا مگر وہ کسی کی نہ مانتی تھی۔ ایک دن اس لڑکی نے اس مؤذن کی آواز سُن لی۔ خوفزدہ ہو کر پُوچھنے لگی یہ مکروہ آواز کیسی ہے؟ میں نے زندگی بھر ایسی گندی آواز کبھی نہیں سنی۔ اس کی بہن نے کہا: جس اسلام سے تجھے محبت ہے یہ آواز اس کی نماز کا اعلان ہے۔ لڑکی کو اس کی بات پر یقین نہ آیا، کسی دوسرے سے پُوچھا کہ یہ گندی آواز کیسی ہے؟ کہا گیا: یہ مسلمانوں کی اذان ہے۔ جب اسے یقین ہوگیا تو مسلمانی سے بیزاری کا اظہار کر دیا اور کہا اگر مسلمانوں کی اذان ایسی ہے تو میں ایسے عذاب سے پناہ مانگتی ہوں اس لیے کہ اس ہیبت ناک آواز سے میری نیند حرام ہوگئی ہے۔ شکر ہے جس عذابِ جہنم کا ڈر مجھے کُفر کی وجہ سے سنایا جاتا تھا اس کا خطرہ میرے دل سے دفع ہوگیا حالانکہ اس کی آواز

سُننے سے پہلے میں ایمان کی وجہ سے بے خوف وخطر سوتی تھی لیکن اس کی آواز سے مجھے محسوس ہُوا کہ عذاب اس سے بڑھ کر نہیں ہوگا فلہذا مجھے ایسے ایمان سے کُفر بھلا۔ یہ کہہ کر اُس مؤذن کو ہدیہ وتحفہ پیش کر کے کہا تو میرا محسن ہے کہ مجھے ایمان سے بچا کر کفر کی طرف لوٹایا۔ اس وقت اگر میرے پاس زر اور دولت ہوتی تو تیرا دامن پُر کر دیتی۔

یہ بھی کہانی مؤذن بدآواز کی، جس سے نتیجہ نکلا کہ مؤذن خوش آواز ہونا چاہیے۔

اذان کے فضائل

حدیث شریف میں ہے:
(۱) بہشت میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام داخل ہوں گے، پھر شہداء، پھر حضرت بلال۔ ان کی معیت میں کعبہ معظمہ کے تمام موذن، پھر بیت المقدس کے موذن، پھر مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی کے موذن، پھر دنیائے اسلام کے تمام مؤذن بقدر اعمالِ صالحہ۔

(۲) تین ایسے شخص ہوں گے جنہیں حساب کا خطرہ نہ ہوگا اور نہ ہی گھبراہٹ ہوگی:

(i) باعمل حافظِ قرآن اللہ تعالیٰ کے سردار اور معظم بالشان ہو کر حاضر ہوگا۔

(ii) موذن جس نے سات سال محض فی سبیل اللہ اذان پڑھی ہو۔

(۳) عبد مملوک جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی کمی نہ ہو اور اپنے آقا کے حقوق بھی پورے طور پر ادا کیے ہوں۔

مسئلہ: جو شخص امامت و اذان دونوں ادا کر سکتا ہو اس کے لیے نہایت افضل ہے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت پر مداومت فرمائی۔

نکتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اس لیے نہ دی کہ اگر کوئی آپ کی اذان سن کر نماز کے لیے حاضر نہ ہوتا تو وہ کافر ہو جاتا۔

دوسرا یہ کہ مؤذن ہو کر داعی بنتے تو کسی دوسرے نبی کی شہادت کے لیے۔

تیسرا یہ کہ اشھد ان محمد رسول اللہ خود اذان میں کہتے تو اس سے وہم کیا جا سکتا تھا کہ آپ کے علاوہ کوئی اور نبی بھی ہے۔

چوتھا اس لیے کہ جب خواب میں اذان کے کلمات کسی نے دیکھے اور آپ کو سنائے گئے تو آپ نے کسی اور کو فرمایا کہ اذان پڑھو۔ اگر آپ کے پڑھنے کی بات ہوتی تو آپ کسی اور کو حکم نہ فرماتے۔

پانچویں اس لیے کہ آپ جس عمل کو شروع فرماتے اس پر مداومت فرماتے۔ آپ کو رسالت کے امور میں اتنی مشغولیت تھی کہ اذان کے لیے وقت نہ نکل سکتا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اگر خلافت کے امور میرے سپرد نہ ہوتے تو میں اذان دیتا۔

مسئلہ: گانے کی آواز میں اذان کہنا مکروہ ہے۔

حکایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا لیکن میں آپ کو مبغوض سمجھتا ہوں۔ اُس نے عرض کی: وہ کیوں؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ میں نے سنا ہے کہ تو گانے کی آواز میں اذان کہتا ہے۔

ف: گانے کی آواز کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے الفاظ بگاڑے جائیں۔ مثلاً لفظ اللّٰہ کے ہمزہ کو کھینچ کر آللّٰہ کہا جائے اس لیے کہ اس میں استفہام کا معنیٰ پیدا ہوجاتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ میں شک اور استفہام کیسا۔ ایسے ہی اکبر کے بجائے اکبار یعنی بار کو کھینچ کر کہا جائے، اس لیے کہ اکبار شیطان کا نام ہے وغیرہ۔

مسئلہ: اذان کے کلمات اور اس کی اجابت ہر اس شخص پر واجب ہے جو اذان کے کلمات سنتا ہے اگرچہ جنب یا حائضہ ہو، بشرطیکہ وہ پیشاب پاخانہ نہ پھر رہا ہو۔ اسی طرح جماع کرتے ہوئے بھی یہ کلمات نہ کہے۔

مسئلہ: تاج الشریعۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اذان کی اجابت سنّت ہے۔

مسئلہ: امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجابتِ اذان مستحب ہے۔

اذان میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت ضعیف حدیث[۱] سے ثابت ہے کہ انگوٹھے اور شہادت کی انگلیوں کو چوم کر آنکھوں پر لگایا جائے جب مؤذن کہے اشھد ان محمد رسول اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لیے کہ یہ حدیثِ مرفوع سے ثابت نہیں لیکن محدثین کا اتفاق ہے کہ صرف ترغیب و ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: حیّ علی الصّلوٰۃ کے وقت لاحول ولا قوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم پڑھے، یعنی اذان سننے والا یہی کلمات پڑھے اور حی الفلاح کے وقت کہے ماشاء اللّٰہ کان وما لم یشأ لم یکن اور الصلوٰۃ خیر من النوم (صبح کی اذان کے وقت) کے جواب میں کہے صدقت و بالخیر نطقت۔ اور قد قامت الصلوٰۃ کے وقت کہے اقامھا اللّٰہ و ادامھا، اور اس کے بعد فعلی طور پر مکبر کا جواب

---

[۱] ضعیف احادیث سے مستحبات ثابت کیے جاتے ہیں اور انگوٹھے چومنا بھی مستحب ہے۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

دے نہ کہ قولی یعنی نماز کی نیت کرکے نماز میں شروع ہوجائے۔

حدیث شریف حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مردوں اور عورتوں کی صفوں میں کھڑے ہوکر فرمایا:

یا معشر النساء اذا سمعتن اذان هذا الحبشی و اقامة فقلن کما یقول فان لکن بقل حرف الف درجة۔	اے عورتو! جب تم اس حبشی (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کی اذان اور اقامت سنو تو تم بھی اس کے کلمات کو ساتھ پڑھتی جاؤ، اس کے ایک حرف کے عوض بہشت میں ہزار درجات نصیب ہونگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

هذا فی النساء فما للرجال۔	یہ تو عورتوں کے لیے ہوا اگر وہی کلمات مرد موذن کے ساتھ دہرائیں تو ان کو کتنا ثواب ملے گا۔

تو آپ نے فرمایا:

ضعفان یا عمر۔ (اے عمر! عورتوں کے ثواب سے دُگنا)

تفسیر صوفیانہ حضرت شیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وُہ کلام اور وہ جواب جو مؤذن کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر۔ تو اس وقت اگر عظمتِ الٰہی اور اس کی کبریائی کے پردے اُٹھ جائیں اور بوقتِ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدانیت کے جلوے منکشف ہوجائیں و اشھد ان محمد رسول اللہ کے وقت حقانیت کے حجابات دُور ہوجائیں اور حی علی الصلوٰۃ و الفلاح پر طالب کی مطلوب کی طرف طلب کا ظہور ہو اور اللہ اکبر اللہ اکبر ذات کے جلوے نظر آجائیں تو پھر زہے قسمت۔

فوائدِ اذان (۱) اگر مسافر کے جانے کے بعد اذان دی جائے تو واپسی تک باامان رہے گا۔

(۲) نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت پڑھی جائے تو وہ بچہ اُمّ الصبیان سے محفوظ رہے گا۔

(۳) کسی کو بھی مرض لاحق ہو تو بھی مسطورہ بالا طریق سے اذان و اقامت کہی جائے تو بھی صحت و عافیت حاصل ہوگی۔

(۴) آگ لگ جائے ،

(۵) سیلاب آ جائے ،

(۶) سردی کا حملہ ہو،

(۷) کوئی خوف لاحق ہو ، اذان کہی جائے تو امن وسلامتی نصیب ہوتی ہے ۔ (کذا فی اسرار المحمدیہ)

فائدہ صوفیانہ اذان میں درحقیقت دعوت الی اللہ کی طرف اشارہ ہے اور موذن حقیقت میں وہ ہو جو وارث محمدی ہے وہ اہلِ غفلت اور اہلِ حجاب کو مقامِ قرب اور محلِ خطاب کی طرف بلاتا ہے جو استماعِ حق سے محروم ہے وہ الٹا داعیِ حق سے بوجہ جہالت وضلالت کے اور اس کی دعوت سے استہزاء کرتا ہے اور حق کی طرف کان لگاتا ہے تو دعوتِ حق کو قبول کر کے حضرت عزت تک پہنچ جاتا ہے اور اسے لذتِ شہودِ جمال کا ادراک پالیتا ہے ، پھر وہ اسرار وصال سے سرشار ہو جاتا ہے ؎

جوانا سر متاب از پند پیراں
کہ رائے پیرت از بختِ جواں بہ

ترجمہ : اے جوان! بوڑھوں کی نصیحت سے منہ نہ پھیر اس لیے کہ بختِ جواں سے بوڑھے کی رائے بہتر ہوتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ، آپ کا دین کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا ، اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب جو میرے اُوپر نازل ہوئی اور دیگر سب کتابیں جو مجھ پر پہلے نازل ہوئیں یعنی حضرت ابراہیم واسمٰعیل و اسحٰق ویعقوب اور اُن کی تمام اولاد اور جو کچھ موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اجمعین کو احکام دئے گئے اور علاوہ ازاں دوسرے وُہ تمام انبیاء علیہم السلام کہ جنہیں کتابیں دی گئیں ان سب پر میرا ایمان ہے ہم کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور سب پر ایمان رکھتے ہیں ۔ جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے دنیا و آخرت میں کمزور اور پُراز شر و رونق کوئی دین نہیں دیکھا ۔ اس پر یہی آیت نازل ہوئی ۔ یعنی آپ فاسق وفاجر یہودیوں سے فرمائیے ۔

هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ کیا تم عیب لگاتے ہو ۔ نقم منہ سے ہے ۔ یعنی جب کوئی کسی کو عیب لگائے یا اس سے کراہت کرے اور اس پر انکار کرے ۔ تنقمون ای ما تعیبون و ما تنکرون من دیننا یعنی جتنا تم ہمارے دین پر عیب لگاتے ہو اور اس سے انکار کرتے ہو اس کی کوئی وجہ بھی نہیں

اِلَّآ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ سوائے اس کے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں ۔ یہ تنقمون کا مفعول لہ اور اس کا مفعول بہ محذوف ہے جو کہ الدین تھا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا اور جو کچھ ہمارے اوپر نازل کیا گیا اس سے قرآن مجید مراد ہے وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل کیا گیا یعنی تورات و انجیل اور باقی تمام آسمانی کتابیں وَاَکۡثَرَکُمۡ فٰسِقُوۡنَ اور بہت سے تم میں سے فاسق ہیں ۔ اس کا عطف اٰمَنَّا پر ہے ۔ یعنی اکثر تمہارے سرکش اور مذکورہ امور پر ایمان نہ رکھتے ہوئے خارج از اسلام ہیں، یہاں تک کہ انہیں کہا جائے کہ اگر تم ہماری کتاب کی تصدیق اپنی کتاب سے کر لو تو پھر لامحالہ ایمان لاؤ ۔

سوال : اُن کے اکثر کو فاسق کہا گیا حالانکہ وہ سب کے سب فاسق تھے ۔

جواب : چونکہ اکثر ان میں تمرد و فساد میں یکتا تھے اور دوسرے ان کے تابعدار تھے ۔

ف : بعض کہتے ہیں اس کا عطف اٰمَنَّا پر ہے اور مفعول بہ ہے ۔ لیکن یہ بات نہیں کہ وہ دونوں معطوفوں سے مستثنیٰ ہے بلکہ اس کا استثنائ ہے جو ان کو مستلزم ہے یعنی مخالفت سے مستثنیٰ ہے گویا انہیں کہا گیا کہ تم ہم سے پہلے اس لیے کراہت کرتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمہاری مخالفت کی ہم مومن ہیں اور تم خارج از ایمان ہو ۔

قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُکُمۡ یہ یہودیوں کو خطاب ہے بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِکَ اس سے منقوم ہے (جس سے نفرت و کراہت کی گئی) یعنی ایمان، اور منقوم منہم یعنی مؤمنین مراد ہیں ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہودیوں کو فرمایئے کہ "کیا بتا دوں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے حقیقۃً بدتر درجہ میں ہیں، نہ کہ وہ بدتر ہے جسے تم نے سمجھ رکھا ہے یعنی دینِ اسلام ۔ اگرچہ وہ تمہارے کہنے سے بُرا نہیں ہو سکتا لیکن تم نے اسے بُرا سمجھ رکھا ہے یہ تمہاری غلطی ہے ۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شر یہاں پر افضل التفضیل کے معنیٰ میں نہیں بلکہ اس سے مطلق شر مراد ہے اس لیے کہ دینِ اسلام میں تو شر نہیں ۔ ورنہ معنیٰ یوں ہوگا کہ دین شر ہے (معاذ اللہ) اور اس کا بالمقابل زیادہ شر ۔

مَثُوۡبَۃً عِنۡدَ اللّٰہِ درجہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں، یعنی وہ جزاء اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت اور اس کے حکم میں ہے ۔

ف : مثوبۃً کا اطلاق خیر سے مخصوص ہے جیسے عقوبۃً شر سے اختصاص رکھتی ہے ۔

سوال : یہاں تو شر مراد ہے پھر اسے عقوبۃ کہنا تھا مثوبۃ کیوں کہا گیا ؟

جواب : تہکم کی بنا پر ہے جیسے منافقین کو بِشِّرِ کہا گیا مثوبۃً شر سے تمیز ہونے کی وجہ سے

منصوب ہے۔

مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ اور اس کا مضاف بھی محذوف ہے جو ذٰلك کا مشار الیہ ہے، یعنی لفظ دین محذوف ہے اور اس کا مضاف بھی محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:

دین من لعنہ اللہ الخ

اس سے یہود مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت سے دُور فرما دیا اور اُن کے کفر کی وجہ سے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور جبکہ انہیں واضح طور پر آیات کا علم ہو گیا ہے پھر بھی معاصی میں منہمک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں دھتکارا۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ اور ان میں داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا اس لیے داؤد علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی، جب انہوں نے ہفتہ کے متعلق حد سے تجاوز کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال سمجھا اور ان میں بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں خنزیر کی صورت میں تبدیل ہوئے جبکہ انھوں نے مائدہ نازل شدہ سے کھا کر نافرمانی کی (اس کی تفصیل گزر چکی ہے) باوجودیکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ بھی کیا تاہم کفر پر تُلے رہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن سے ناراض ہو کر اُن کی شکلیں تبدیل کر دیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ دونوں مسخ ہفتہ والوں میں واقع ہوئے اس لیے نوجوانوں کی شکلیں بندروں کی اور بوڑھوں کی خنزیروں کی سی ہو گئیں۔

اعجوبہ جب یہ آیت اُتری تو مسلمانوں نے یہودیوں سے کہا: اے بندروں اور خنزیروں والو! تمہارا کیا حال ہے؟ اس سے ان کی گردنیں شرم کے مارے جُھک گئیں اور سخت رُسوا ہوئے۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اس کا عطف مَن کے صلہ پر ہے یعنی اور عبد کی ضمیر مستتر، مَن موصولہ کی طرف راجع ہے، یعنی وہ شیطان کے پُجاری ہیں کہ اس نے ہی انھیں ان امور پر ابھارا۔

اُولٰٓئِكَ یہی لوگ جن کے قبائح وفضائح بیان کیے گئے ہیں شَرٌّ مَّكَانًا ان کا ٹھکانا بہت بُرا ہے۔ اُن کا ٹھکانا زیادہ بُرا اس لیے بتایا تاکہ انہیں اپنے کرتُوتوں کا علم ہو جائے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ان کا دین بہت بُرا تھا اس لیے انھیں یہ سخت سزا اسی وجہ سے ملی۔

وَاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بھکے۔ اس کا عطف

شر پر ہے اس کے معنیٰ میں پختگی پیدا کرنے کے لیے ہے یعنی وہ سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں اور حق سے بعید، اس لیے کہ اگر وہ بُرے نہ ہوتے اور حق سے بعید تر نہ ہوتے تو وہ اس بُرے دین کو نہ اپناتے۔

ف : دونوں مقام پہ شر افعل التفضیل نہیں بلکہ مطلق شر کے معنیٰ میں ہے اس لیے کہ یہ دین اتنا بعید از حق اور بُرا تھا کہ اس کا کوئی اور بالمقابل نہ تھا کہ جس سے اس کی اصل شرارت و گمراہی کا مقابلہ کرایا جا سکے۔

قاعدہ ہر گروہ اپنے بنائے ہوئے قوانین پر خوش ہوتا ہے اور اپنے سے غیروں کے دین کو بُرا سمجھتا اور اس سے کراہت و نفرت کرتا ہے لیکن دینِ حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

سچے مومن کی علامت ہے کہ وہ مومن سے محبت کرتا ہے اس لیے کہ اہلِ ایمان سے محبت کرنا اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ شریفہ سے ہے۔

اولیاءِ کرام کے فضائل حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو نہ انبیاء (علیہم السلام) ہیں نہ ہی شہداء۔ لیکن قیامت میں ان کے درجات کو دیکھ کر انبیاء اور شہدائے رشک کریں گے۔ عرض کی گئی: حضور! وہ کون حضرات ہوں گے ہمیں بھی ان کا تعارف کروائیے اور اُن کے اعمال بھی بتائیے (تاکہ ہم بھی اس زمرہ میں شامل ہو سکیں) یا کم از کم ان سے محبت تو کریں۔ آپ نے فرمایا: وہ ہیں جو رشتہ داری اور مال و دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کریں گے، بخدا اُن کے چہرے انوار سے چمکیلے ہوں گے اور نور کے منبروں پر بیٹھیں گے اُس دن جبکہ اور لوگ خوفزدہ ہوں گے انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم سے مر رہے ہونگے وہ ہر قسم کے غم سے محفوظ ہوں گے۔

اولیاءِ کرام کی علامات حضرت عبداللہ سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پُوچھا گیا کہ اولیاء کرام کی کوئی علامت بھی ہے جس سے ہم انہیں پہچان سکیں کہ واقعی یہ اولیاء اللہ ہیں۔ فرمایا: اُن کا کلام نرم اور خلق حسن میں یکتا اور چہرے پر بشاشت ٹپکتی ہے اور وہ سخاوت کرتے ہیں اور ہر ایک سے شفقت سے پیش آتے ہیں اور ہر ایک کا عذر قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنمای
ورخود از گوہر جمشید و فریدوں باشی

ترجمہ: شاہی کا طالب ہے توذاتی جوہر دکھا پھر خود بخود تو جمشید بھی ہے اور فریدوں بھی۔

ف: حضرت الشیخ الشہیر بافندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے دور میں پیرامیوں اور ہماوتیوں میں اسی طرح پھران کا سید بخاری کے مریدوں کا آپس میں جھگڑا اور بغض وعداوت رہتی ہے حالانکہ اہلِ حق کی نشانی تو یہ ہے کہ دل میں کسی کے متعلق بغض وعداوت نہ ہو اس لیے کہ ہم آدم تا ایندم یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک کسی سے کسی کے متعلق بغض وعداوت منقول نہیں، نہ انبیاء علیہم السلام کی آپس میں اور نہ اولیاءِ کرام کے متعلق ایک دوسرے سے، حالانکہ اُن کے دور میں بیک وقت تین تین چار چار نبی مختلف علاقوں میں نبوت کا پیغام سناتے رہے۔ اسی طرح ان کے تابعداروں میں سے کسی ایک کی دوسرے پر طعن و تشنیع کی روایت منقول نہیں۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں می نگنجد درو کین کس

ترجمہ: دل مہر ومحبت یار کا گھر ہے اسی لیے اس میں کسی کے کینے کی جگہ نہیں۔

فائدہ صوفیانہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ دل تین طرح کے ہیں:

(۱) دنیا میں شہوات کے گرد گھومنے والا۔

(۲) عقبےٰ میں کرامات کا طواف کرنے والا۔

(۳) سدرۃ المنتہیٰ میں مناجات کے گرد چکر لگانے والا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

غلام ہمت رنداں بے سر و پایم
کہ ہر دو کون نیرزد بہ پیش شاں یک کاہ

ترجمہ: بے سروپا رندوں کی ہمت کا میں غلام ہوں کہ دونوں جہان ان کے آگے گھاس کے تنکے کی قیمت بھی نہیں۔

سبق: عاقل کو ضروری ہے کہ وہ توحید میں مشغول رہے تاکہ نفس اور اس کی خواہشات کی تاریکیوں اور شیطان اور اس کے وساوس سے محفوظ ہو جائے۔

حکایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھ کر فرمایا: اگر تُو اپنے آپ کو تین چیزوں سے بچائے گا تو شیطان کے شر سے بچ جائے گا:

(۱) لقلق (۲) قبقب (۳) ذبذب

ف: (۱) لقلق زبانی جمع نرخ۔
(۲) قبقب پیٹ پرستی۔
(۳) ذبذب فرج کی خرابیاں۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور جب وہ تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔

شانِ نزول یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ایمان و اخلاص کا اظہار کیا اور کفر و ضلال چھپائے رکھا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ف: یہ خطاب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور صیغہ جمع محض تعظیم کی خاطر ہے یا یہ خطاب آپ کو اور آپ کے ساتھیوں (صحابہ کرام) کو ہے یعنی یہودی آپ کے پاس حاضر ہو کر اسلام ظاہر کرتے ہیں۔

وَقَدْ اور یہ قد حالیہ ہے یعنی اُن کا حال یہ ہے کہ **دَّخَلُوْا** وہ داخل تھے درانحالیکہ متلبس تھے **بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا** کفر کے ساتھ، یعنی آتے وقت بھی کافر تھے اور درانحالیکہ وہ آپ سے فارغ ہو کر نکلے تو بھی کافر تھے۔ **بِهٖ** یعنی درانحالیکہ وہ کفر سے متلبس تھے، جیسے وہ آپ کی حاضری کے وقت کافر تھے۔ آپ کی تقریر ان پر کسی قسم کی اثر انداز نہیں ہوئی **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ** اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو چھپا رہے ہیں یعنی وہ کفر کو چھپا رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔

ف: افعل التفضیل کے صیغہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی منافقت سے باخبر تھے جیسا کہ ان کی منافقت کے علامات بتاتے تھے۔ لیکن آپ صرف اس انتظار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی منافقت کے اظہار کا کب حکم فرماتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) نیست بازی با ممیز خاصہ او — کہ بود تمیز عقلش غیب گو
(۲) ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل — می نبندد پردہ بر اہلِ دوَل

ترجمہ: (۱) ان کے خواص باتمیز کے مقابلہ میں یہ کون ہیں کہ وہ بھی اپنی عقل کی تمیز سے عقل کی بات کر سکیں۔
(۲) کوئی جادو کوئی مکر و فریب اہل دوَل (دین والے) کے سامنے کوئی پردہ نہیں ڈال سکتے۔

وَتَرٰى اس سے رؤیت بصری مراد ہے **كَثِيْرًا مِّنْهُمْ** اے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم آپ ان یہودیوں اور منافقوں میں بہتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا حال یہ ہوا کہ **يُسَارِعُوْنَ فِي**

الْاِثْمِ گناہ میں دوڑتے ہیں ۔ اس سے جھوٹ مطلق مراد ہے ۔

سوال : سارعۃ کا صلہ علیٰ آتا ہے یہاں فی کیوں لایا گیا ؟

جواب : تاکہ دلالت ہو کہ وہ ایسی غلطی میں بہت زیادہ منہمک تھے اور یہ اُن کی عادت ثانوی بن چکی تھی ۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ کذب وغیرہ سے موصوف نہیں تھے ، اب سے ہی اس کا ارتکاب کرنے لگے ۔

جواب : اس سے ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف جانا مراد ہے ، جیسے دوسری جگہ اہلِ ایمان کیلئے فرمایا : اولٰئك یسارعون فی الخیرات ۔ اس کا وُہ معنیٰ نہیں جو سوال میں مذکور ہوا کہ وہ ایسی غلطیوں سے پہلے فارغ تھے ، پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے ، جیسے دوسرے مقام پر یہی محاورہ قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے ، کما قال تعالیٰ : و سارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم و جنۃ ۔

وَالْعُدْوَانِ اس سے ظلم مراد ہے جس میں دوسرے پر تعدی کی جائے وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ اور ان کی حرام خوری لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بے شک بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں ۔ یعنی اُن کے وہ اعمال بہت بُرے ہیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں ۔

قاعدہ : کان مضارع پر داخل ہو تو اس میں استمرار کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے ۔ یعنی ماضی کے مستقبل پر داخل ہونے سے ماضی استمراری بنتی ہے ۔

لَوْلَا یہ حرف تخصیص ہے يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ اُنہیں کیوں نہیں روکتے اُن کے پادری اور درویش ۔ ربّانیین ربّانی کی جمع ہے ۔ زاہد عارف و اصل اور جو بہت بڑے عالم باعمل مقبول الناس اور مقبولِ خدا کو کہا جاتا ہے ۔ لیکن یہاں اُن کے پادری اور درویش مراد ہیں عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ گناہ کی بات اور جھوٹ کہنے سے ۔ مثلاً انہوں نے کہا اٰمنّا ۔ حالانکہ انہوں نے جھوٹ کہا اس لیے کہ وُہ مومن نہیں تھے وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ اور حرام کھانے سے حالانکہ انہیں علم تھا کہ یہ حرام خوری ہے ۔ اور وہ پادری اور درویش انہیں یہ حرام کھاتے ہوئے دیکھتے تھے ۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ بیشک بہت ہی بُرے کام کر رہے ہیں ۔ یہ پہلے لبئس ما کانوا یعملون سے زیادہ بلیغ ہے اس لیے صنع عمل سے قوی تر ہے کیونکہ عمل اس وقت صنع سے موصوف ہوتا ہے جب بندہ اس عمل میں ماہر اور راسخ ہو جائے اور اسے اس کا پورے طور کمال حاصل ہو ۔

نکتہ : اثم و عدوان اور اکلِ حرام کو ذنب غیر راسخ اور نہی عن المنکر کے ترک کو ذنب راسخ کہا گیا معلوم ہوتا ہے کہ نہی عن المنکر کا ترک عند اللہ بہت بڑا جرم ہے ۔

سبق : اس سے ان علماء کو سبق لینا چاہیئے جو نہی عن المنکر میں چشم پوشی کرتے بلکہ تکاسل و تکاہل کرتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) گرت نہی منکر بر آید ز دست — نشاید چو بے دست و پایاں نشست

(۲) چو دست و زبانرا نماند مجال — بہمت نمایند مردے رجال

ترجمہ : (۱) اگر تجھ سے ہاتھ سے نہی عن المنکر ہو سکتی ہے تو بے دست و پا کی طرح نہ بیٹھا رہ۔

(۲) اگر دست و پا سے کام نہ بنے تو پھر اولیاء اللہ کی دعاؤں سے کام بنتا ہے۔

ف : حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عوام کو چند ایک غلط کار آدمیوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔ لیکن جب ان کے گناہوں سے چشم پوشی کی جائے اور انہیں منکرات سے نہ روکا جائے تو پھر سب کے سب عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔

نکتہ : اگر مشایخ اور باعمل علماء کو نہی عن المنکر کے ترک کا خوف نہ ہوتا تو وہ کبھی دعوتِ خلق الی الحق کو سرانجام نہ دیتے اس لیے کہ وُہ مشاہدۂ حق میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ وہ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سالک جب واصل بحقیقۃ ہوتا ہے تو یار سے خلقِ خدا کی رہبری کا حکم دیا جاتا ہے یا وہ پھر وصال میں مستغرق ہو جاتا ہے جیسے سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کہ وہ خلقِ خدا کی رہبری سے بے نیاز تھے۔ لیکن یاد رہے کہ خلقِ خدا کی رہبری انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے اس لیے کہ ہر نبی (علیہ السلام) کو خلق کی رہبری کے لیے مبعوث فرمایا گیا ورنہ وہ بھی اسی طرح وصال میں مستغرق رہتے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) ہین بمگذار اے شفا رنجور را — تو زخشم کور عصا بے کور را

(۲) نے تو گفتنی قائد اعمی براہ — صد ثواب و اجر یابد از الٰہ

(۳) ہر کہ او چہل گام کورے را کشد — کشت آمرزیدہ و یابد رشد

(۴) پس بکش تو زین جہان بے قرار — جوق کورانرا قطار اندر قطار

(۵) کار ہادی این بود تو ہادیٔ — ماتم آخر زمانرا شادیٔ

(۶) ہین روان کن اے امام المتقین — این خیال اندیشگانرا تا یقین

(۷) خیز در دم تو بصور سہمناک — تا ہزاران مردہ بر روید ز خاک

ترجمہ: (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ اے محبوب! آپ بیماروں اور رنجوروں کی شفاء اور نابیناؤں کو راہ پر کھڑا کرنے کی ہمت فرمائیے۔

(۲) اس لیے کہ اس جیسا اجر و ثواب اور کوئی نہیں۔

(۳) جو شخص نابینا کو فقط چالیس قدم لے کر چلے گا اس کے تمام گناہ بخش دئے جائینگے۔ اور اللہ تعالیٰ سے خصوصی انعام پائے گا۔

(۴) اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہادیٔ دوجہاں ہیں بلکہ مردہ عالم کی جان۔

(۵) آپ ایسے کام کیجئے کہ آخری زمانے کے غم بھی شادی بن جائیں۔

(۶) اے امام المتقین! ان گمان میں رہنے والوں کو یقین تک پہنچا دیجئے۔

(۷) اس لیے آپ صور سہمناک بن کر اس کام میں لگ جائیے تاکہ ہزاروں بے جانوں کو جان نصیب ہو۔

ف: اہلِ حقیقت اسی طرح ہر غرض سے پاک علماء سوائے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے اور کوئی کام نہیں کرتے اس لیے وہ اقوال و افعال میں محفوظ ہوتے ہیں۔

حکایت ایک زاہد تابعی نے مروان بن حکم خلیفہ کے سرود توڑ ڈالے انہیں مروان کے نوکر بادشاہ کے پاس گرفتار کر کے لے آئے۔ مروان نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ اسے شیر کے آگے ڈال دو تاکہ وہ اسے پھاڑ کھائے۔ حسب الحکم انہیں شیر کی رہائش گاہ میں لایا گیا انہوں نے جاتے ہی نوافل شروع کر دئے۔ شیر نے اُٹھ کر نماز پڑھنے والے درویش کو چاٹنا شروع کر دیا، اس مردِ خدا کو ذرا بھی خطرہ نہ ہوا۔ رات ایسے ہی گزر گئی، صبح کو مروان نے پوچھا: اس درویش سے کیا کیا گیا؟ نوکروں نے کہا: ہم نے آپ کے حکم سے اسے شیر کے آگے ڈال دیا گیا۔ مروان نے کہا: جاؤ دیکھو اسے شیر نے پھاڑ کھایا ہوگا۔ نوکر وہاں پہنچے دیکھا کہ شیر تو اس مردِ خدا کا غلام بن گیا ہے۔ متعجب ہو کر مروان کو جا کر سنایا۔ مروان نے کہا: اُس درویش کو لاؤ۔ درویش تشریف لائے تو مروان نے اُن سے کہا: آپ کو شیر سے ذرّہ بھر بھی خوف نہ ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟ درویش نے فرمایا کہ میں ایک فکر میں پڑ گیا تھا، نہ اس سے فرصت ملی نہ خوف کا خیال آیا۔ مروان نے پوچھا: وہ کون سا فکر تھا؟ درویش نے کہا: میں نماز میں کھڑا تھا کہ شیر نے مجھے چاٹنا شروع کیا مجھے مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ شیر کا لعاب پاک ہے یا پلید۔ اسی فکر میں صبح ہو گئی۔ مروان متعجب ہوا اور کہا: چھوڑ دو اس درویش کو۔ (کذا فی نصاب الاحتساب)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ (اور کہا یہودیوں نے)

شانِ نزول مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہود بہت خوشحال اور نہایت دولت مند تھے۔ جب انہوں نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکذیب و مخالفت کی تو ان کی روزی کم ہوگئی اس وقت فنحاص یہودی نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہے (یعنی معاذ اللہ وہ رزق دینے اور خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ اس کے اس قول پر کسی یہودی نے منع نہ کیا بلکہ راضی رہے اسی لیے یہ سب کا مقولہ قرار دیا گیا) یہ آیت اس کے حق میں نازل ہوئی۔

يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، یعنی قبض کیا اور روکا ہوا ہے عطا سے۔

ف: غل الید اور بسط الید مجازاً بخل اور جود پر بولے جاتے ہیں۔ ان میں نہ ہاتھ مقصود ہوتا ہے نہ ہی اس کا بڑھانا گھٹانا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

ولا تجعل يدك مغلولة الٰى عنقك ۔ یعنی اسے خرچ کرنے سے مت روک۔

غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھ باندھے جائیں۔ ان پر بد دعا کی گئی کہ وہ تا قیامت بخل اور امساک میں مبتلا رہیں۔ یعنی ان کے ہاتھ خرچ کرنے سے رک جائیں اور وہ دائمی طور پر بخیل رہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے عالمِ دنیا میں یہودیوں سے بڑھ کر اور کوئی قوم بخیل نہیں۔ **وَلُعِنُوْا** اور وہ ملعون ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارے گئے اور دُور ہٹائے گئے **بِمَا قَالُوْا** اس کہی ہوئی بات کی وجہ سے یعنی اُن کے ملعون ہونے کا سبب اُن کا اپنا کہا ہوا کلمہ ہے اور اس میں انہیں بد دعا کی گئی اور اُمت کو سبق دیا گیا ہے کہ تم بھی اگر ایسے کرو گے تو ان کی طرح ذلیل و خوار ہو گے۔ اگر یہی توجیہ نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ کا عجز ثابت ہوتا ہے کہ بد دعا تو وہ کرتا ہے جو عاجز اور کمزور ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے عجز و انکسار کا گمان بھی کفر ہے تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ تعلیم کے لیے ایسے کہا گیا ہے۔ **بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ** بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کشادہ ہیں۔ یعنی اس کی وہ شان نہیں جو یہودیوں نے سمجھی بلکہ وہ تو بڑا سخی اور صاحبِ فضلِ عظیم ہے اور احسانِ عمیم کا مالک ہے۔

سوال: یداہ میں تثنیہ ہے اور تم نے تثنیہ کا معنیٰ ترک کر کے دُوسرا معنیٰ کیا ہے۔

جواب: صیغۂ تثنیہ سے مبالغہ مطلوب ہے۔ اسے تثنیہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ بہت بڑا سخی وہی ہوتا ہے جو دونوں ہاتھوں سے مال لٹائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے پاک ہے اس لیے یہ آیت بھی متشابہات میں سے ہے اس کا اپنی لبساط کے مطابق یہی معنیٰ کیا گیا کہ سخاوت میں یکتا ہے۔

مسئلہ: ید بھی سمع و بصر اور وجہ کی طرح ایک صفت ہے اور اسے دو ہاتھوں سے تعبیر کرنے میں

صفت جمالی و جلالی کی طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے :
کلتا یدہ یمین (اس کے دونوں ہاتھ یمین (دائیں یعنی برکت والے) ہیں)

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ : زمین اس کا دسترخوان عام ہے اس دسترخوان پر دشمن و دوست برابر ہیں ۔

یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ جیسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے خرچ کرنے میں مختارِ کُل ہے ، جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے تھوڑا دے ۔ اُس کی مشیت و حکمت کے جیسے تقاضے ہوتے ہیں ویسے عطا یا پھر کمی کی جاتی ہے جن کے گناہوں کی شامت کے لیے تقاضائے حکمت ہوتا ہے تو اُن کے گناہوں اور غلطیوں کی وجہ سے اُن کے رزق میں کمی کردی جاتی ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے :

(۱) چونکہ کردی تیرس ایمن مباش ... زانکہ تخمست و برویاند خدااش
(۲) چندگاہے او بپوشاند کہ تا ... آیدت زان بدپشیمان و حیا
(۳) بارہا پوشد پئے اظہار فضل ... بازگیرد از پئے اظہار عدل
(۴) تاکہ این ہردو صفت ظاہر شود ... آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ : (۱) جب بُرائی کرلی ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر بے غم نہ ہو ، یہ وہ بیج ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی اگائے گا ۔

(۲) کتنا عرصہ تیرے گناہ پوشیدہ رکھے گا تاکہ تجھے اس سے پریشانی ہو اور حیا آئے ۔
(۳) اکثر دفعہ فضل و کرم کے اظہار پر تیرے گناہ پوشیدہ کرتا ہے پھر پکڑتا ہے تو عدل کے اظہار پر ۔
(۴) تاکہ اس کی یہ دو صفتیں ظاہر ہوں تاکہ وہ خوشخبری سنانے والی ہو اور اس سے ڈرنے والی ۔

وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ اس سے ان کے پادری لیڈر مراد ہیں لیزیدن کا مفعول اول ہے مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ یہ لیزیدن کا مفعول ثانی ہے ۔

اب آیت کا معنیٰ یوں ہُوا اے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وُہ بہتوں کو شرارت اور کفر میں بڑھاتا ہے ، اُن کے کفر میں اضافہ سے شدت و غلو مراد ہے یا اس کی کمی بیشی بایں معنیٰ ہے کہ جُونہی کوئی آیت اترتی ہے وہ اس سے کفر کرتے ہیں پھر اسی قدر ان کی شرارت اور فساد بڑھ جاتا ہے جیسے تندرست انسان کو غذا فائدہ پہنچاتی ہے لیکن اسی غذا سے بیماری بھی بڑھ جاتی ہے ۔

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ اور ڈال دی ہے اُن یہودیوں کے مابین بُغض و عداوت کہ اُن میں بعض جبریہ ہیں اور بعض قدریہ اور بعض مرجئہ اور بعض مشبّہ۔

ف : جبریہ وہ ہیں جو انسان کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں انسان کا کوئی فعل بھی اپنا نہیں اور کسی قسم کا اختیار نہیں۔ اس کی مثال ڈھیلے کی ہے کہ وہ خود متحرک نہیں ہوتا جب تک کہ اسے کوئی حرکت نہ دے۔

قدریہ کہتے کہ ہر انسان اپنے فعل کا آپ خالق ہے۔ ان کے نزدیک کفر اور گناہ کا اللہ تعالےٰ کی تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔

مرجئہ کہتے ہیں کہ کبائر کے مرتکب کو کچھ نہیں کہا جا سکتا اسے معافی ملے گی یا سزا پائے گا، اسے قیامت کے حساب وکتاب سے خود معلوم ہو جائیگا۔

مشبّہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں یعنی مخلوق کی طرح اس کے اعضاء وغیرہ اور شکل وصورت کے قائل ہیں۔

اَلْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ یعنی ان کو اپنے دین میں مختلف بنا کر ایک دوسرے کے بُغض و عداوت میں مبتلا فرمائے گا۔ چنانچہ فرمایا:

تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى۔ نہ ان کے آپس میں دل جمع ہو سکتے ہیں اور نہ باتوں میں موافقت کر سکتے ہیں۔

اور یہ جملہ ابتدائیہ اور ایک وہم کے ازالہ کے لیے لایا گیا ہے وہ وہم یہ ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ اپنی شرارت اور کفر و فساد میں مجتمع ہو کر اہل اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے ازالہ میں فرمایا کہ ان کا آپس میں مجتمع ہونا ناممکن ہے۔

ف : عداوت بُغض سے اخص ہے کہ ہر عدو کو بُغض والا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر بُغض والے کو عدو نہیں کہا جا سکتا۔

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ تا قیامت۔ یہ القینا کے متعلق ہے كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ یعنی جب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شر انگیزی اور جنگجوئی کا ارادہ کرتے اَطْفَاَهَا اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے یعنی اس ارادہ سے باز رکھتا ہے اور ان کی آپس میں خانہ جنگی پیدا کر دیتا ہے کہ آپس میں لڑتے مرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکتے۔ مثنوی شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ

علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہُوئے فرمایا : ؎

(۱) ہرکہ در مکر تو دارد دل گرد گردنش را من زنم شاد شو
(۲) بر سر کوریش کو ریہا نہم او شکر پندارد و زہرش دہم
(۳) چیست خود آلاجق آں ترکمان پیش پائے نرہ پیلانِ جہان
(۴) آں چراغ اُو بہ پیش صرصرم خود چہ باشد ای مہین پیغمبرم

ترجمہ : (۱) جو تمہارے ساتھ دھوکا کے لیے دل کو گرد رکھتا ہے میں اس کی گردن اڑاؤں گا تم خوش رہو۔
(۲) اس کے غلط ارادوں پر بوجھ ڈالوں گا جسے وہ شکر سمجھے گا حالانکہ اسے زہر دوں گا۔
(۳) وہ کیا ہے اس پر تو اللہ تعالیٰ کا قہر ہے، بکری کے بچّے کی ہاتھی کے آگے کیا وقعت۔
(۴) وہ تو آندھی کے سامنے ایک دیا ہے ذلیل آدمی کا میرے پیغمبر سے مقابلہ کیسا۔

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اور زمین پر فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں کہ اسلام اور اہلِ اسلام کو پچھاڑ دیں اور ان کے مابین ایسا شر پھیلائیں تاکہ ان کی آپس میں پھوٹ پڑ جائے۔ فساداً مفعول لہ ہے یا مصدر کا مفعول مطلق۔ دراصل عبارت یُوں ہے : یسعون للفساد یا یسعون سعی فساد۔ **وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ** اور اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں کرتا اس لیے اُن کے شر اور فساد کے تمام منصوبے خاک میں ملا کر الٹا انہیں مصائب اور آلام میں مبتلا فرماتا ہے۔

فائدہ صُوفیانہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو اس کی خساست طبع اور رکاکت نظر و عقل کے سپرد فرماتا ہے تو اس سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے یعنی بُرے اقوال اور گندے افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہودیوں نے کہا ید اللہ مغلولۃ۔ مثنوی شریف نے کیا خوب فرمایا : ؎

در زمین گر نیشکر ور خود نے است
ترجمان ہر زمین نبت وے است

ترجمہ : زمین پر گنّا ہے یا نَے، یہ سب بیج کے ترجمان ہیں۔

قاعدہ عارفانہ حاسدین اللہ کے فضل و کرم والوں پر حسد کرتے ہیں لیکن انہیں ان کا حسد شرارت و فساد میں لے ڈوبتا ہے اس لیے کہ بہت سے لوگوں کے مصائب

دوسروں کے لیے فوائد بن جاتے ہیں، اور ایک کے فوائد دوسرے کے لیے مصائب بنتے ہیں۔

حکایت حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سید بخاری کے مرید ہمارے ساتھ حسد کرنے لگے یہاں تک کہ ہمیں قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ چنانچہ عملیات کے طور اسماء قہریہ (سیفی) پڑھنے شروع کر دئے اس کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر میرے لیے جامع مسجد سید بخاری کے نزدیک پانی کا ایک گہرا گڑھا کھودا اور اس کے ساتھ ایک تنگ راستہ گزرنے کے لیے چھوڑ رکھا، اس لیے کہ میری آمد و رفت زیادہ تر وہاں سے ہوتی تھی میں تو وہاں سے بفضلہ تعالیٰ بسلامت گزر گیا لیکن بخاری صاحب کے بے شمار مریدین اس میں ڈوب کر مر گئے (یہ انہیں حسد کی وجہ سے ہوا) اس کے باوجود میں نے ان کے ساتھ انتقامی کارروائی نہیں کی تھی اور مجھے اُن سے خطرہ بھی نہیں تھا باوجودیکہ اٹھارہ ہزار جہان اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میرے قبضۂ تصرف میں دے ہوئے تھے اگرچہ میں بظاہر درویش و فقیر اور تنگ دست ہوں۔

حکایت حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے حضرت شمس الدین تبریزی کے بعد حضرت صلاح الدین کے ہاں اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا ذکر و فکر کی مجلس گرم کر دی۔ مولانا کے مریدوں کو حسد پیدا ہوا اور ارادہ کیا کہ حضرت صلاح الدین کو شہید کر دیں۔ حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ کو معلوم ہوا تو حضرت صلاح الدین کے ہاں اپنے صاحبزادہ سلطان ولد کو بھیجا تاکہ انہیں صورتِ حال سے آگاہ کریں۔ حضرت صلاح الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمان کو زمین پر دے مارنے کی طاقت بخشی ہے لیکن اس کے باوجود میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم ان کی اصلاح فرمائے۔ چنانچہ انہوں نے دُعا کی اور صاحبزادہ سلطان ولد نے آمین کہی۔ اُن کی دُعا کی برکت یہ ہوئی کہ وہ لوگ جو حضرت صلاح الدین کی شہادت پر تُلے ہوئے تھے۔ سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے بلکہ اپنی غلطی کی معافی چاہی۔

اے اللہ! اپنے اولیاء و اصفیاء کے صدقے گندے اوصاف اور بُرے اخلاق سے پاک اور صاف فرما اس لیے کہ تُو ہی قادر و خالق ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اٰمَنُوْا اگر اہلِ کتاب اُن پر ایمان لائیں کہ جن پر ایمان لانا واجب ہے وَاتَّقَوْا معاصی سے بچ جائیں بالخصوص کذب اور حرام خوری وغیرہ سے لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ تو ہم اُن کے گناہ معاف کر دیں گے یعنی ہم انہیں معاف کر کے اُن کے گناہوں پر پردہ ڈالیں گے اس سے انہیں عذاب سے نجات دینا مراد ہے وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ اور ضرور ہم انہیں نعمت والے باغات میں داخل کریں گے یعنی دائمی طور انہی باغات میں انہیں دکھا جائیگا اس میں اشارہ ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے پر بہت بڑا اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور

تنبیہ ہوگئی کہ اسلام سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں خواہ وُہ گناہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہلِ کتاب بہشت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ اسلام قبول نہ کریں وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اور اگر وُہ قائم رکھتے توراۃ و انجیل کو یعنی ان کے مضامین پر عمل کرتے۔ مثلاً ان میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور اللہ تعالیٰ کے تمام معاہدوں کا ایفاء کرو۔

ف: اقامۃ الشئی اس کے تمام حقوق اور اس کے احکام کی رعایت کرنے کو کہا جاتا ہے، جیسے اقامۃ الصلوٰۃ سے بھی یہی معنیٰ مطلوب ہے۔

وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور جو کچھ اُن کے رب کی طرف سے اُن پر اُترا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے کہ اس نے اُن کی کتابوں کی تصدیق فرمائی۔

ف: اس سے اُن کے اس فاسد ظن کی تردید مطلوب ہے جو کہا کرتے کہ قرآن مجید ہمارے لیے نہیں بلکہ صرف مسلمانوں کے لیے اترا ہے۔

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ تو وہ رزق کھاتے اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے سے یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی وسعت ہوجاتی کہ آسمان و زمین کے برکات سے انہیں نوازا جاتا، بارش نازل کرکے اور انگوریاں اُگا کر۔ اس میں تنبیہ ہے کہ انہیں جو تنگی پریشانی یا معاش کی تنگی ہُوئی وہ ان کی اپنی شامتِ اعمال تھی نہ کہ اس کریم نے اپنی طرف سے کچھ کمی فرمائی۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) ہین مراقب باش گر دل بایدت — کز پئے ہر فعل چیزے زایدت

(۲) این بلا از کودنے آید ترا — کہ نہ کردی فہم نکتہ و رمز ہا

ترجمہ: (۱) ہوشیار رہو اگر تیرے پاس دل ہے تیرے ہی عمل سے پیش آتا ہے جو کچھ آتا ہے۔

(۲) یہ تجھے تیری بے وقوفی سے پیش آیا ہے جو تُو نے اس نکتہ اور رمز کو نہ سمجھا۔

اس تقریر پر سوال پیدا ہوا کہ وہ سب کے سب ایمان و تقویٰ اور اقامت سے عاری تھے یا ان میں کوئی نیک بھی تھے اس کے جواب میں فرمایا مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ان میں بعض اعتدال پسند تھے یعنی ایک ایسا گروہ تھا کہ دینی امور میں نہ کوتاہی کرنے والے تھے اور نہ غلو کرنے والے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے دو ساتھی جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے۔ یہودیت سے اسلام سے

نوازے گئے۔

حلِ لغات : الاقتصاد لغت میں اعتدال فی العمل کو کہا جاتا ہے کہ جس میں نہ زیادتی ہو نہ کمی۔
وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ اور بہت لوگوں سے درج کہا جا سکتا ہے کہ **سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ** بہت ہی بُرے کام کر رہے تھے مقام و محل کے اعتبار سے تعجب کے طور پر کہا گیا ہے یعنی ان کے مندرج کتنے ہی بُرے تھے :

(۱) عناد

(۲) مکابرہ

(۳) تحریف الحق

(۴) اعراض عن الحق

ف : آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ و طہارت اور نیک اعمال وسعتِ رزق کا سبب ہیں اور اس سے ہی دنیا و آخرت کے امور کامیابی و کامرانی سے سرانجام پاتے ہیں۔

حکایت حضرت عبد اللہ قلانسی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک سفر کے لیے کشتی پر سوار ہونا پڑا۔ دریا میں مخالف ہوا چلی جس سے تمام کشتی والے دعاؤں اور منتیں ماننے میں مصروف ہو گئے۔ مجھے دیکھا کہ میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔ مجھے انہوں نے کہا کہ آپ بھی دُعا کیجئے اور کوئی منّت مانئے۔ میں نے کہا مجھے کوئی خطرہ ہی نہیں یک سرد و گوشں ہوں، میرا اس میں کچھ نہیں بگڑتا۔ انہوں نے بہت مجبور کیا تو میں نے منت مانی کہ اگر ہم نے یہاں سے نجات پائی تو میں ہاتھی کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ انہوں نے کہا یہ قسم کون سی اچھی ہے، جب ہاتھی کا گوشت کوئی کھاتا ہی نہیں پھر اس قسم سے فائدہ ہی کیا۔ میں نے کہا میرے دل میں یہی خیال گزرا ہے۔ چنانچہ چند آدمیوں کے ساتھ نجات ملی کہ دریا کے کنارے پہنچا دئے گئے۔ چند روز ایسے ہی گزر گئے۔ ہم بھوک سے بڑا حال ہو رہے تھے کہ اچانک ہاتھی کا ایک بچہ مل گیا جسے وُہ ذبح کر کے کھانے لگے۔ مجھے کھانے کے لیے کہا، میں نے کہا میں اپنی قسم کو توڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے بہت مجبور کیا گیا کہ اب مجبوری ہے اور مجبوری کے وقت قسم توڑ دینی چاہئے مگر میں نے ان کی ایک نہ مانی۔ انہوں نے ہاتھی کے بچّے کا گوشت خوب کھایا اور میں نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا۔ بالآخر وہ سب گوشت کھا کر سو گئے۔ اس بچّے کی ماں (ہتھنی) آئی اور دیکھا کہ اس کے بچّے کو کھا لیا گیا ہے وہ اس کی ہڈیاں دیکھ کر بہت مغموم ہوئی اور سونے والی جماعت سے اپنے بچّے کے گوشت کی بُو سونگھنے لگی، جس جس نے وہ گوشت کھایا تھا وہ اس کے سُونگھنے سے مر گیا۔ چنانچہ اس نے مجھے بھی سُونگھا لیکن مجھ میں اس نے گوشت کی بُو نہ پائی تو مجھے کچھ نہ کہا، اس طرح سے میں بچ گیا۔ اس نے مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور مجھے ایسی جگہ لے گئی جہاں انسانوں کی آبادی تھی، میں وہاں صبح کی

نماز میں جا ملا اور وہاں کے لوگوں کو یہ واقعہ بتایا۔ انہوں نے مجھے خوب کھلایا پلایا اور میرے حالات سُن کر متعجب ہوئے اور کہا کہ جہاں کی تم بات کرتے ہو وُہ یہاں سے آٹھ دنوں کا سفر ہے تم نے ایک رات میں اتنا سفر کیسے طے کر لیا۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے وہی ہتھنی تیز رفتاری سے یہاں پہنچا گئی ہے۔

سبق اس حکایت سے سبق ملا کہ تقویٰ اور عہد و پیمان کے ایفا کرنے میں کتنی برکتیں ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے انسان کی دین و دنیا سُدھر سکتے ہیں، صرف دنیا کی شہوت رانی سے کئی مصائب و مشکلات درپیش ہوتے ہیں بلکہ یہی شہوت انسان کے لیے ایک بڑا جال ہے کہ جس میں پھنس کر کئی مصائب و آلام کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ یُوں کہئے کہ اس سے انسان ہلاکت کے گڑھے میں مرمٹتا ہے جیسے ہاتھی کے بچے کو کھانے والوں کا حشر ہوا۔

چیونٹی اور بھِڑ کا قصّہ ایک دفعہ بھِڑ نے دیکھا کہ چیونٹی بہزار حیلہ اور دُکھ درد اٹھا کر اپنا دانہ لے کر اپنے بل میں پہنچی۔ بھِڑ نے چیونٹی سے کہا: اس رزق سے تو موت اچھی، چل کر دیکھ میرا حال کیسا بلند و بالا ہے کہ ہر قسم کے کھانے اور پینے کے اسباب موجود ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں ہمارے جیسے طعام وغیرہ بادشاہوں کو نصیب ہوں گے۔ ہم خود بادشاہ ہیں۔ یہ کہہ کر مغرور بھِڑ اُڑ کر قصاب کی دُکان پر گوشت سے چمٹا۔ قصاب کے ہاں بڑا چھُرا تھا ایک ہی وار سے بھِڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ چیونٹی دوڑ کر اسے اٹھا لے گئی، تو بھِڑ نے اسے کہا مجھے وہاں نہ لے جا جہاں میرا جی نہیں چاہتا۔ چیونٹی نے جواب دیا وہ وقت گزر گیا جب تو اپنی من مانی کرتا تھا اب تو تُو میری غذا ہے میری مرضی میں جہاں چاہوں لے جاؤں، تم اسے چاہو یا نہ چاہو، اس لیے کہ حرص و ہوا کے پرستار کی یہی سزا ہے جو تجھے ملی۔

تفسیر صوفیانہ لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم میں اشارہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے سے مواہب رحمانی ہوں گے اور وہی نصیب ہوگا جو کسی باعمل انسان کو ملنا چاہیئے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جو اپنے علم پر عمل اور طریق حق میں محنت کرتا ہے تو اسے اذواق و مشاہدات کے مراتب نصیب ہوتے ہیں بلکہ اسے دو جنتیں ملتی ہیں، ایک عمل سے دوسری فضل سے۔ اور یہی معنوی رزق مقبول ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) ایں دہاں بستی دہانے باز شد   کہ خورندہ لقمہاے راز شد

(۲) گر ز شیر و دیو تن را وا بری   در ختام او بے نعمت خوری

ترجمہ: (۱) یہ منہ باندھے گا تو دیگر منہ کھلے گا جو کہ وہ اسرار کے لقمے کھانے والا ہوگا۔

(۲) اگر شیر اور دیو کو مٹائے گا تو اس کے ترک پر بہترین نعمتیں پائے گا۔

اے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہماری مدد فرما۔ (آمین)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَهْلَ
الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ
رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا
تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَ
النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا
جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْۤا
اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ
مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ
ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ
اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ
الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا
مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ع

ترجمہ: اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے۔ اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا
کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے، بے شک اللہ کافروں کو راہ نہیں
دیتا تم فرما دو اے کتابیو! تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف
تمہارے رب کے پاس سے اترا اور بیشک اے محبوب وہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے

اترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر کی اور ترقی ہوگی تو تم کافروں کا کچھ غم نہ کھاؤ بے شک وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اسی طرح یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی ان میں جو کوئی سچے دل سے اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول وہ بات لے کر آیا جو اُن کے نفس کی خواہش نہ تھی ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہیں اور اس گمان میں ہیں کہ کوئی سزا نہ ہوگی تو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر ان میں بہتیرے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب اور تمہارا رب بے شک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا، اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا، تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے اور اللہ بخشنے والا مہربان مسیح بن مریم نہیں مگر ایک رسول، اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم کیسی صاف نشانیاں ان کے لیے بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہارے نقصان کا مالک نہ نفع کا، اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے، تم فرماؤ اے کتاب والو! اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ اے رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! پہنچا دیجئے مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ تمام وہ جو آپ کی طرف آپ کے رب سے نازل کیا گیا یعنی اسی قدر جو بندوں کی ضروریات سے متعلق ہے اس کی تبلیغ فرمایئے۔

وہابیہ کے ایک وہم کا ازالہ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ اس سے وہ اسرار مجوبہ مراد ہیں کہ جن کا افشاء ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ — میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

وسلم وعائین من العلم فاما احدھما	علم کے دو برتن یاد کئے ایک کو تو میں نے
فقد بثثتہ واما الاٰخر لو بثثتہ	بیان کردیا، اگر دوسرے کو بیان کردوں تو
لقطع ھذا الحلقوم۔	میرا حلق کاٹ دیا جائے۔

دیوبندیوں اور وہابیوں کو دوسرا جواب تحقیقی جواب یہ ہے کہ جو امور شریعت سے متعلق ہیں انہیں عام تبلیغ کا حکم ہے اور جو حقیقت و معرفت سے متعلق ہیں وہ خواص کو بتانے کے ہیں اس لیے کہ دونوں کے لیے اہل کی ضرورت ہے اور وہ مبلغ کے ہاں امانت کے طور ہیں، امانت اس کے سپرد کی جاتی ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ کسی خوف سے اگر آپ نے انہیں نہ پہنچایا فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ تو آپ نے تبلیغ کا حق ادا نہ کیا اس لیے کہ اُن کے بعض کا چھپانا گویا تمام کو چھپانا ہے اور رسالت کے پیغامات زبان سے بیان کرنے سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ خوفِ جان ہو تب بھی انہیں پہنچانا لازم ہیں خوفِ جان سے اُن کا ترک جائز نہیں۔

مسئلہ: اس قاعدہ سے ہم نے طلاق و عتاق کے مسائل کو مرتب کیا ہے کہ انہیں جب زبان سے ادا کیا جائے تو واقع ہو جاتے ہیں اس لیے اُن کا تعلق زبان سے ہے نہ کہ دل سے اگرچہ اکراہ و اجبار سے بھی ہوں کیونکہ اکراہ و اجبار زبان کے فعل کو مانع نہیں بنا بریں زبان پر لانے سے طلاق و عتاق واقع ہو جائیں گے۔ (کذا فی التیسیر)

وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے امان حاصل تھی تاکہ آپ بلا خوف و حذر تبلیغ فرما سکیں۔

حدیث شریف مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو یہودیوں نے آپ کو کہا کہ ہم تعداد میں بہت زیادہ اور بڑے طاقت ور ہیں اگر آپ اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے اور اگر ہمارے کہنے سے باز آجائیں تو ہم آپ کو بہت سا مال دیں گے اُن کے اس خوف دلانے پر آپ اپنی حفاظت کے لیے مہاجرین و انصار کے سو آدمی رات کو ساتھ رکھتے جو آپ پر پہرہ دیتے۔ اگر کہیں باہر جانا ہوتا تو اتنے ہی آدمی آپ کے ساتھ ہوتے کہ خدانخواستہ کہیں یہودی آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا دیں۔ تب یہ آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی تو آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہود وغیرہ کے گزند سے محفوظ فرمائے گا۔ اس لیے آپ نے مہاجرین سے فرمایا کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ اب یہود وغیرہ سے اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا۔ چنانچہ اس ارشادِ گرامی کے بعد آپ اول شب کو یا صبح کو مدینہ طیبہ کی وادیوں میں جہاں چاہتے چلے جاتے۔

سوال: آپ کا چہرۂ مبارک زخمی ہوا اور دانت مبارک بھی شہید ہوئے، اس وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت

کہاں گئی تھی ؟

جواب : یہ حکم اس سے بعد کو نازل ہُوا یا قتل وغیرہ کی حفاظت کا وعدہ مراد ہے ۔ علاوہ ازیں ایسے رنج ومحن انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام پہ وارد ہوا کرتے ہیں ۔

ف : کرمانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو بیماریاں اور دُکھ درد چند وجوہ سے لاحق ہُوتے :

(۱) انہیں اجرِ عظیم حاصل ہو ۔

(۲) معلوم ہو کہ وہ بھی بشر ہیں اُن پر بھی دنیا کے دُکھ درد وارد ہوتے ہیں اور ان کے اجسام بھی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ بھی مخلوق ہیں (خدا یا خدا کا جزء نہیں) تاکہ کوئی ان کے معجزات دیکھ کر کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائے (کہ وہ خدا کے شریک وغیرہ ہیں) ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ۔ اس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محفوظ ہونے کی علّت بتانا مطلوب ہے یعنی آپ کی ضرر رسانی کی قدرت اس لیے حاصل نہیں کہ وہ کافر ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ (۱) آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اس قوم کو اپنے حضور میں جگہ نہیں دیتا جو انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کریں اور ان کے پیغاماتِ رسالت کو قبول نہ کریں جس کی وجہ سے وہ قرآنی اسرار و رموز سے محروم ہوئے یا جو لوگ اولیاء کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اُن کی ولایت سے استفادہ نہیں کرتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جناب تک پہنچنے سے محروم رہتے ہیں یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا اور اس کا یہ طریقہ تبدیل ہونے کا نہیں ۔ (وہابیوں دیوبندیوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے)

(۲) آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ارشاداتِ گرامی کی تعمیل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کے تمام نقصانات سے محفوظ فرما دیتا ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہجرت کے دن غار میں قیام فرمانا ۔ ایسے ہی ان لوگوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شفیع اور وسیلہ جلیلہ مانتا اور بناتا ہے ۔

حکایت و معجزہ مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارضِ روم میں لشکر سے بھٹک گئے اور لشکر کو تلاش کر رہے تھے کہ ایک شیر سے واسطہ پڑ گیا جس نے آپ کو پھاڑ کھانے کے لیے حملہ کیا تو آپ نے فرمایا : اے ابوالحارث ! میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میں اپنے لشکر سے بھٹک گیا ہوں اور اسے تلاش کر رہا ہوں ۔ شیر اُن کی

یہ بات سنتے ہی دُم ہلاتے ہُوئے حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب کھڑا ہوگیا اور راستہ دکھانے کے لیے لشکر کی طرف انہیں لے چلا، یہاں تک کہ لشکر تک پہنچا کر لوٹا۔

حکایتِ بوستانِ سعدی قدس سرہٗ : حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :

(۱) یکی دیدم از عرصۂ رود بار — کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
(۲) چناں ہول ازاں حال برمن نشست — کہ ترسیدنم پائے رفتن ببست
(۳) تبسم کناں دست برلب گرفت — کہ سعدی مدار انچہ آید شگفت
(۴) تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ
(۵) محالست چوں دوست دارد ترا — کہ در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ : (۱) میں رود بار کے جنگل میں جا رہا تھا ، دیکھا کہ ایک نوجوان شیر پر سوار ہے۔
(۲) اور شیر کو گدھے کی طرح بھگاتا جا رہا ہے فرماتے ہیں کہ یہ حال دیکھتے ہی مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا اور چلنے سے پاؤں رہ گئے۔
(۳) نوجوان میرا حال دیکھ کر ہنسا اور فرمایا کہ اے سعدی ! آپ تعجب کیوں کرتے ہیں۔
(۴) تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سر نہ پھیر، تیرے حکم سے کوئی شے سر نہ پھیرے گی۔
(۵) جب تجھے دوست رکھتا ہے تو محال ہے کہ وہ تجھے دشمن کے قبضہ میں دے۔

معجزۂ نبوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ سے فراغت پاکر آرام کے لیے ایک وادی میں نزولِ اجلال فرمایا۔ ہر صحابی اپنی پسند کی جگہ دیکھ کر درختوں کے نیچے سو گیا۔ آپ بھی اپنی تلوار درخت سے لٹکا کر آرام فرما گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا۔ جب ہم بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک اعرابی کھڑا ہے آپ نے ہمیں اس کی داستان سنائی کہ میں سو رہا تھا اس نے میری تلوار درخت پر لٹکی ہوئی کو اٹھا لیا تو میں جاگ اٹھا اور تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور مجھ پر حملہ کرنے والا تھا اور کہا کہ مجھ سے تمہیں کون بچائے گا ؟ آپ نے فرمایا ، میں نے کہا "مجھے میرا اللہ تعالیٰ بچائے گا۔" میرے اس کہنے پر اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور میں نے تلوار اٹھا کر کہا اب تم بتاؤ کہ تمہیں کون مجھ سے بچائے گا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ مجھے گرفتار کیجئے لیکن اپنی شان کے مطابق۔ میں نے کہا کیا تم کلمۂ شہادت نہیں پڑھتے۔ اس نے کہا کلمہ تو نہیں پڑھتا البتہ آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ زندگی بھر

نہ آپ سے لڑوں گا نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا ۔ (دوسری روایات میں ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا)

سبق: اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل اور استقامت اور واللہ یعصمک من الناس کی تصدیق اور برائی کے بدلے احسان کا سبق ملا ۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک رحمہ اللہ)

تفسیر عالمانہ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے یہود و نصاریٰ سے یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ اے اہل کتاب! تم کچھ نہیں ہو، یعنی تمہارے دین کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے ۔ جب اس کی یہ صورت ہے تو اس کے متعلق کہا جائے کہ وہ کوئی شے نہیں اس لیے کہ اس کا باطل و فاسد ہونا ظاہر و واضح ہے حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ یہاں تک وہ تورات و انجیل کو قائم کریں ۔ قائم کرنے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کے لائے ہوئے احکام پر یقین کریں اس لیے کہ تمام سماوی کتابوں میں اللہ تعالےٰ نے لکھ دیا تھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں جبکہ آپ کی نبوت پر معجزات اور براہین بھی موجود ہیں اُن سے ہر ذی فہم انسان کو یقین ہو جاتا کہ آپ کی طاعت بجا لانا واجب ہے یا اقامتِ توراۃ و انجیل سے اُن کے اصولوں اور مسائل کی پابندی مراد ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے منسوخ نہیں ہوئے وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور وہ جو اُن کے ہاں ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا یعنی قرآن مجید ۔

سوال: قرآن مجید کو نزول کے لیے ان کی طرف کیوں کیا گیا؟

جواب: چونکہ قرآن مجید کی دعوت عام ہے جس میں وہ بھی شامل ہیں ان کا خصوصیت سے نام اس لیے لیا گیا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید ہمارے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ بنی اسرائیل کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے ۔

وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ اور ان میں بہتوں کو بڑھاتا ہے ۔ اس سے ان کے پادری اور لیڈر مراد ہیں مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وہ جو آپ پر (آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے) نازل ہوا ۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے ۔ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا یعنی ان کی شرارت اور کفر کو بڑھاتا ہے، اس سے ان کی شرارت اور وہ کفر مراد ہے جو اُن میں پہلے پایا جاتا تھا اور یہ لیزیدن کا مفعول ثانی ہے فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ قوم کافرین پر غم نہ کھائیے یعنی تبلیغ کرتے ہوئے اُن کی شرارت اور کفر سے غم نہ کھائیے اس لیے کہ اس کا نقصان اُن پر لوٹے گا ۔ مومنین کی تبلیغ آپ کے لیے کافی ہے جبکہ وہ آپ سے

استفادہ اور استفاضہ کر رہے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ دین کی حقیقت ظاہری و باطنی احکام کا نام ہے اور پھر ان کے اعمال سے مزیّن ہونا اس کا ظاہر کہلاتا ہے اور احوال سے مزیّن ہونا دین کا باطن ہوتا ہے اور یہ دو مقدموں اور چار نتائج سے متصور ہو سکتا ہے ،

(۱) مقدمہ جذبۂ الٰہیہ

(۲) تربیت شیخ کامل

اور نتائج اربعہ یہ ہیں ،

(۱) دنیا اور اس کے جمیع متعلقات سے اعراض کرنا ۔

(۲) سچی طلب سے حق کی طرف متوجہ ہونا ۔ یہ جذبہ الٰہیہ کے نتائج ہیں ۔

(۳) اخلاق ذمیمہ سے نفس کا تزکیہ

(۴) اخلاق الٰہیہ سے قلب کا تصفیہ ۔ یہ قوت نبوت کی استمداد سے شیخ کامل کی تربیت کے نتائج سے ہے۔

ف : قوم کافرون سے اہل انکار مراد ہیں جنہیں ظاہر دین سے تعلق ہو اور انھیں ظاہر کے سوا اور کوئی معلومات نہ ہوں اور سمجھتے ہیں کہ دین صرف ظاہر کا نام ہے حالانکہ اُن کی یہ بات غلط ہے اس لیے کہ ہر ظاہر کے لیے باطن ہوتا ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

فائدہ ہر ظاہری خود باطنست
ہمچو نفع اندر دواہا کامنست

ترجمہ :(۱) ہر ظاہر شے کے باطن میں ایک فائدہ پوشیدہ ہے جیسے دواؤں میں نفع چُھپا ہوا ہے۔

؎

(۱) ہیچ خطاطے نویسد خط بفن ۔۔۔ بہر عین خط نہ بہر خواندن

(۲) کند بینش می نبیند غیر ایں ۔۔۔ عقل او بے سیر چوں نبت زمین

(۳) نبت راچہ خواندہ چہ ناخواندہ ۔۔۔ ہست پائے او بگل درماندہ

(۴) گر سرش جنبد بسیر بادرو ۔۔۔ تو بسر جنبانیش غرہ مشو

(۵) آں سرش گوید سمعنا اے صبا ۔۔۔ پائے او گوید عصینا خلّنا

ترجمہ :(۱) کوئی کاتب فن سے کچھ لکھتا ہے ، وہ خط لکھے ہوئے کو معلوم کرنے کیلئے

نہ کہ صرف پڑھنے کے لیے۔

(۲) وہ اندرونی معانی کے لیے ہے نہ کہ اس کے ظاہر پر اسے عقل سے سمجھا جاتا ہے جیسے بیج زمین کے اندر رہے۔

(۳) انگوری کو ہر لکھا پڑھا اور ان پڑھ سمجھتا ہے کہ اس کے پاؤں مٹی کے اندر ہیں۔

(۴) اور اس کا سر ہلتا ہے تو ہوا کی سیر سے یعنی ہوا اس کا سر ہلا رہی ہے تو اسکے سرہانے سے دھوکا نہ کھا (کہ وہ

(۵) اس کا سر کہتا ہے کہ اے صبا! ہم تیرے فرمانبردار ہیں جڑ کہتی ہے ہم تیرے نافرمان ہیں ہمیں چھوڑے رکھ۔

سبق: انکار کی برانگیختگی حسد سے ہوتی ہے، جیسے یہود و نصارٰی سے ہوا۔ سالک پر لازم ہے کہ نفس کو ایسی گندی بیماری (حسد) سے پاک کرے۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد پر نزع طاری تھی آپ اس کے پاس تشریف لے گئے، اس کے سرہانے بیٹھے اور سورۂ یٰسین پڑھنا شروع کر دی۔ شاگرد نے نزع کی حالت میں عرض کی: استاد جی اسے مت پڑھیے۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کی تو شاگرد نے کہا میں ابھی نہیں پڑھتا اس لیے کہ اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا۔ حضرت فضیل گھر لوٹے اور شاگرد کی اس غلطی پر چالیس روز روتے رہے اور اس غم سے گھر سے باہر نہ نکلے چالیسویں روز خواب میں دیکھا کہ اس کے شاگرد کو جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حضرت فضیل نے اسے فرمایا: کمبخت کون سی نحوست سے جہنم کے مستحق ہو گیا حالانکہ تو میرا شاگرد تھا، تجھ سے اتنی امید نہ تھی۔ عرض کی: مجھ سے تین گناہ سرزد ہوئے:

(۱) چغلخوری کہ میں اپنے دوستوں کو کچھ کہتا اور آپ کو کچھ۔

(۲) حسد کہ میں ہمیشہ اپنے ہمجولیوں سے حسد کرتا رہا۔

(۳) مجھے ایک بیماری تھی میں نے کسی ڈاکٹر (طبیب) سے علاج پوچھا تو اس نے کہا سال میں ایک دفعہ شراب پی لیا کر، ورنہ یہ بیماری تجھے ہرگز نہ چھوڑے گی۔ چنانچہ اس طبیب کے کہنے پر میں سال میں ایک مرتبہ شراب پی لیا کرتا تھا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی باتوں سے پناہ مانگتے ہیں جن کی ہمیں طاقت نہیں۔ (منہاج العابدین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو صرف زبانی ایمان رکھتے ہیں یعنی منافقین وَالَّذِیْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہیں یعنی یہودیت میں داخل ہیں

وَالصّٰبِئُوْنَ اور وہ لوگ کہ جن کے دل بہل کی طرف مائل ہوئے، یہ بھی نصاریٰ کا ایک گروہ تھا انہیں سائحون کہا جاتا۔ اُن کی عادت تھی کہ وُہ آدھے سر میں حلقہ باندھتے تھے۔ ان کا تفصیلی بیان سورۃ بقرہ میں گزرا ہے وَالنَّصٰرٰی یہ نصرانی کی جمع ہے اور اس کا عطف الذین ھادوا پر ہے اور صابئون مرفوع مبتدا، اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یہ جملہ ہو کر الذین آمنوا الخ پر معطوف ہے۔ اب عبارت یُوں ہوئی ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصٰرٰی۔ اُن کا حکم یُوں ہے اور صابئون کا حکم بھی انہی کی طرح ہے۔

سوال: الصابئون کا عطف ماقبل پر کیوں نہیں بلکہ اسے اس کی خبر محذوف مان کر مستقل جملہ مانا گیا اور پھر ابھی پہلا جملہ نامکمل ہے۔ اس کے درمیان میں لا کر اسے نیت میں مؤخر سمجھا گیا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ مذکورہ بالا جمیع گمراہ فرقوں میں اس گمراہ تر فرقہ کی توبہ قبول ہو سکتی ہے تو دوسروں کی توبہ بھی قبول ہو جائے گی۔ جب صابئین کے گناہ بخشے جا سکتے ہیں اور صحیح مومن کے عمل قبول تو دوسروں کے بطریق اولیٰ قبول ہوں گے۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ مذکورہ بالا فرقوں میں مبدأ و معاد پر جو بھی خالص ایمان لائے وَعَمِلَ صَالِحًا اور ایمان کے مقتضیٰ پر نیک عمل کریں۔ مَن محلاً مرفوع مبتدا اور اس کی خبر فلا خوف الخ ہے یہ دونوں آپس میں مل کر انّ کی خبر فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ پس اُن پر کوئی خوف نہیں جبکہ کفار عذاب سے ڈریں گے وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اور نہ وُہ غم کھائیں گے جبکہ قصوروار لوگ اپنی ضائع کردہ عمر پر پشیمان ہوں گے اور انہیں ملال ہوگا کہ ثواب ضائع ہوا۔ یعنی افسوس کریں گے کہ ہائے ثواب حاصل نہ کر سکے۔

ف: اس سے تضییع عمر و تفویت ثواب کا دائمی انتفاء مراد ہے نہ کہ ان دونوں کے انتفاء دوامی کا بیان مطلوب ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں بھی مومنین سے آخرت میں خوف و حُزن کی نفی مراد ہے۔ چنانچہ آیت تتنزل علیهم الملٰئکة ان لا تخافوا ولا تحزنوا سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آخرت میں اہلِ ایمان کو بھی خوف و حزن ہوگا۔ چنانچہ آیت یوم ترونها تذھل کل مرضعة عما ارضعت الخ اور یوم یفر المرء من اخیه و اُمّه و ابیه کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں لوگ پاؤں اور جسم سے ننگے قبروں سے اٹھیں گے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یہ کیسے ہوگا کہ اس وقت مرد اور عورتیں ایسے ننگے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تجھے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی یاد نہیں کہ لکل امرء منهم شان یغنیه۔

سوال : پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ بعض آیات میں مومنین کے لیے خوف و حُزن کی نفی ہے اور بعض میں اثبات۔
جواب : چونکہ اہلِ ایمان کو تھوڑی دیر کے لیے خوف وحُزن ہوگا اس کے بعد زائل ہوکر دائمی خوشی اور راحت و فرحت ہوگی۔ اس لیے اُن کے عارضی خوف وحزن کی نفی کی گئی اور جہاں کا بیان ہے وہاں وہی عارضی خوف و حُزن مراد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) ہر کہ ترسد مرد را ایمن کنند — مر دل ترسندہ را ساکن کنند
(۲) لا تخافوا ہست نزل خائفاں — ہست در خوراز برائے خائف آں
(۳) آنکہ خوفش نیست چوں گوئے مترس — درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ : (۱) جو ڈرتا ہے اسے بے غم بنا دیتے ہیں ڈرنے والے دل کو تسلی بخشتے ہیں۔
(۲) ڈرنے والوں کی مہمانی لا تخافوا (نہ ڈرو) ہے اور ڈرنے والے کے لیے یہی لائق ہے۔
(۳) جسے ڈر نہیں اسے کیوں کہتے ہو کہ ڈرتا رہ ، اسے درس کیوں دیتے ہو وہ بے وقوف درس کے لائق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ والوں کو آنے والی گھڑیوں میں کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ قرآن پاک کے ظاہر باطن کے عامل ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ شدید ریاضتوں اور مجاہدوں اور ترکِ دنیا میں نفسوں کی مخالفتوں اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مٹانے میں غمگین ہوتے ہیں اور نہ رنج و آلام اور محنتوں اور مصیبتوں اور آفتوں کے نزول سے ملال کرتے ہیں اس لیے کہ وہ تقلید (سوء) سے نجات یافتہ اور تحقیق پر فائز المرام ہوتے ہیں اس لیے ان سے تکالیف کی مشقت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہوتے ہیں۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلبی مرض کا علاج کرے یعنی اوصافِ رذیلہ اور منافقت سے بچے اور اہلِ حق کے قُرب کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔
روحانی نسخے : حضرت ابراہیم خواص قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بیمار قلب کا پانچ چیزوں سے علاج کیا جائے :
(۱) تدبر کے ساتھ تلاوتِ قرآن ،
(۲) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا ،
(۳) شب کے نوافل ،
(۴) بوقتِ سحر اللہ تعالیٰ کے حضور میں آہ وزاری ،

(۵) صحبتِ صالحین -

عجیب التاثیر روحانی نسخہ حضرت الشیخ الشہیر بالهدائی قدس سرہٗ نے فرمایا اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقی مصلح اللہ تعالیٰ ہے لیکن روحانی بیماری جتنی ذکرِ الٰہی سے کٹتی ہے کسی اور عمل سے نہیں کٹ سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب۔

علاماتِ قیامت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائیگا اور قرآن کی صرف رسم رہ جائے گی، مساجد بظاہر بڑی آباد ہوں گی لیکن ذکر اللہ سے ویران۔ اس زمانہ کے علماء شریر ترین ہوں گے انہیں سے فتنہ خارج ہوگا اور انہی کی طرف لوٹے گا۔ حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) علم چندانکہ بیشتر خوانی   چوں عمل در تو نیست نادانی

(۲) نہ محقق بود نہ دانشمند   چارپایے برو کتابے چند

(۳) آں تہی مغز را چہ علم و خبر   کہ برد ہیزمست و یا دفتر

ترجمہ: (۱) علم کتنا ہی زیادہ پڑھو عمل نہ ہو تو تم نادان ہو۔

(۲) وہ نہ محقق ہے نہ دانشمند وہ تو جانور ہے اس پر چند کتابیں لاد دی گئی ہیں۔

(۳) وہ خالی مغز ہے اس کے لیے علم و خبر کی کیا خبر کہ اس پر لکڑیاں لاد دی گئی ہیں یا کتابیں۔

فائدہ صوفیانہ جمیع علوم کا نچوڑ معرفتِ الٰہی ہے اس کے ماسوا اگر اچھے علوم ہوں تو سبحان اللہ ورنہ وبالِ علم کا حصول فی نفسہ اچھا ہے لیکن علم سے اصل مقصد عمل ہے۔ صرف علم پڑھنا اور اس پر عمل نہ کرنا بالکل بے سود ہے۔ مستحقِ مبارک وہ انسان ہے جسے علم کے ساتھ نیک عمل کی توفیق نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا یعنی بخدا ہم نے اُن سے توحید اور تمام شرائع واحکام کا وعدہ لیا جو ان پر فرض تھے اور انہیں تورات میں بتا دئے تھے وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا اور ہم نے ان کے ہاں پیغمبر بھیجے اور وہ پیغمبر بھی بہت کثرت میں تھے، یہ نہیں کہ چند ایک، اور وہ تھے بھی بڑی شان والے تاکہ انہیں اُن کے امورِ دینیہ کی یاد دہانی کرائیں اور دین کی باتیں بتائیں كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ سو جب ان کے ہاں رسول ایسی باتیں لائے جو اُن کے نفس نہیں چاہتے تھے۔ اس شرط کا جواب محذوف ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ پیغمبرانِ عظام تشریف لائے تو انہوں نے کیا کیا؟ اس کے

جواب میں فرمایا کہ جب رُسل کرام علیہم السلام اُن کے ہاں وہ شرعی احکام اور مشقت طلب ارشادات لائے جو ان کے نفسوں کے خلاف تھے تو بنی اسرائیل نے اُن کی نافرمانی کی۔ پھر سوال ہوا کہ انہوں نے کس طرف نافرمانی کی۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ فَرِيقًا كَذَّبُوا انبیاء علیہم السلام کے ایک گروہ کی انہوں نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ علاوہ ازیں ان کے کئی قسم کے آزار درپے ہوئے۔ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ اور ایک گروہ کو انہوں نے شہید کر ڈالا، یعنی دوسرے گروہ کے ساتھ نہ صرف تکذیب پر اکتفاء کیا بلکہ ان کے درپے قتل ہوئے جیسے زکریا اور یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے ساتھ ہوا کہ انہیں شہید کر دیا گیا وَحَسِبُوٓا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ اور ان کا گمان تھا یعنی بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ انبیاء علیہم السلام کے قتل اور تکذیب سے ان پر عذاب اور بلا نہیں ہوگی۔ اور ان کے گمان کی وجہ ان کا عقیدہ تھا اور وہ قائل تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محب ہیں، اس لیے عذاب میں مبتلا نہ ہوں گے اگرچہ دل سے مانتے تھے کہ وہ خطاکار اور انبیاء علیہم السلام کے قتل اور ان کی تکذیب میں غلطی پر ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ ہمیں عذاب اس لیے نہیں ہوگا کہ ہمارے آباء واسلاف کی نبوت ہمیں عذاب سے بچائے گی اگر ہم قتل وتکذیب کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں فَعَمُوا اس کا عطف حسبوا پر ہے اور فاء مابعد کی ماقبل پر ترتیب کی دلالت کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے پھر شرارت وفساد کے فنون میں منہمک ہو کر اندھے ہوئے باوجودیکہ انہیں انبیاء علیہم السلام نے معاملہ ظاہرہ کی رہبری فرمائی اور انہیں سیدھے اور واضح راستے بیان فرمائے لیکن پھر بھی اندھے ہو گئے۔ یعنی وہ اس اندھے جیسے کام کرتے جو راستہ کو نہیں دیکھ سکتا وَصَمُّوا وہ حق جو انبیاء علیہم السلام نے انہیں بتایا اس کے سننے سے بہرے ہوئے یعنی اس بہرے جیسا معاملہ کیا جو کچھ نہیں سنتا اس لیے انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کیا اور ان کی تکذیب بھی کی۔

ف : حضرت مولانا ابوسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں بنی اسرائیل کے فسادات کے فسادِ اول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے پہلی تورات کے احکام کی خلاف ورزی کی اور محارم کا ارتکاب کیا، حضرت شعیب علیہ السلام کو شہید کر ڈالا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو قید کر دیا۔

ثُمَّ تَابَ اللَّهُ پھر سچے دل سے اِن کرتوتوں سے باز آ گئے۔ یہ اس وقت ہوا جبکہ ایک مدت مدید اور عرصہ طویل بابل میں بخت نصر کے ظلم وقہر کا نشان بنے رہے اور نہایت ذلت وخواری سے اس کے ہاتھوں قید وبند کی صعوبتوں کا شکار رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو ان کے حال پر رحم آیا تو فارس کے ایک بہت بڑے بادشاہ کو بیت المقدس کی تعمیر کے لیے متوجہ فرمایا۔ اس نے بیت المال کو اپنے قبضہ میں لے کر دوبارہ تعمیر کیا اور بنی اسرائیل کے باقی لوگوں کو بخت نصر کی قید سے چھڑا کر انہیں ان کے وطن لوٹایا۔ پھر جتنے نبی اِدھر اُدھر

تتر بتر ہو گئے تھے یکجا جمع ہو گئے اور تیس سال میں بیت المقدس بہتر سے بہتر تعمیر کیا اور بنی اسرائیل کی حالت سدھر ہو گئی اور عرصہ دراز تک نہایت ہی پُر وقار زندگی گزاری۔ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا پھر ان کی شومیِ قسمت کہ حسبِ سابق اندھے بہرے ہوئے ۔ اس میں ان کے فسادات کے دوسرے دور کی طرف اشارہ ہے جبکہ انہوں نے زکریا علیہ السلام اور یحیٰی علیہ السلام کو شہید کیا اور عیسٰی علیہ السلام کو شہید کرنے کا بھی ارادہ کیا (لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمان پر اٹھا لیا) كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ یہ عَمُوْا وَصَمُّوْا کی ضمیر هُم سے بدل ہے ۔

ف : حضرت حدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کثیرمنھم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب کی بار سب کے سب کافر نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے بعض سے کفر سرزد ہوا ۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا :

لیسوا سواء من اھل الکتٰب امۃ قائمۃ ۔

اور فرمایا :

منھم امۃ مقتصد واللہ بصیر بما یعملون ۔

اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب جانتا ہے اسی لیے انہیں ان کے اعمال کے مطابق سزا دے گا۔
مذکورہ بالا بیان کے بعد اب بتائیں کہ ان کے خیالی پروگرام کی کیا وقعت ہے جبکہ انہیں معلوم ہے کہ ایک دفعہ اُن سے غلطیاں ہوئیں تو اُن پر بخت نصر کو مسلط کر دیا گیا ۔ اُس نے بیت المقدس پر قبضہ جمایا اور ان کے چالیس ہزار تورات کے قاریوں کو تہِ تیغ کیا اور باقیوں کو قید کر کے جیل میں ٹھونس دیا اور وہ عرصۂ دراز تک جیل کی کال کوٹھڑیوں میں ذلت وخواری کی زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسی حالت میں دل سے سچی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ذلت وخواری سے بچا یا ، جیسا کہ ابھی بیان ہوا ۔ ایک عرصہ تک سکون اور وقار کی زندگی بسر کی لیکن بدبختوں سے پھر وہی غلطیاں سرزد ہونے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے فارس کے بادشاہوں کو ان پر مسلط کر دیا ۔ بادشاہ بابل نے ان پر قبضہ کر کے بڑے عرصے تک انہیں ذلیل وخوار کیا ۔

حکایت منقول ہے کہ ایک جرنیل کا ان کی قربان گاہوں سے گزر ہوا ، دیکھا کہ ایک خون کا چشمہ ابل رہا ہے اُن سے پُوچھا یہ کیا ماجرا ہے ۔ انہوں نے کہا یہ خون ہماری اُن قربانیوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوئیں ۔ لیکن اس کا دل نہیں مان رہا تھا اور کہا کہ تم غلط کہتے ہو جب تک صحیح بات نہیں کہو گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا ۔ چنانچہ ہزاروں جانیں اسی کشمکش میں چلی گئیں ۔ پھر پوچھا تو وہی انکار ۔ اس نے کہا میں تو تمہارا ایک بچہ بھی نشانی کے لیے باقی نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ سچ نہیں کہو گے ۔ جب بنی اسرائیل نے

دیکھا کہ یہ ہرگز نہیں چھوڑتا تب صاف بتایا کہ یحیٰی علیہ السلام کا بدلہ لیا ہے اس کے بعد اُس فوج کے جرنیل نے حضرت یحیٰی علیہ السلام سے عرض کی :

"اے اللہ کے پیغمبر یحیٰی علیہ السلام میرے اور آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ کی وجہ سے آپ کی قوم سے بہت کچھ بدلہ لیا گیا ہے فلہذا اب آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے خونِ اقدس کو روک گئے ورنہ میں آپ کے تمام دشمنوں کو تہِ تیغ کر دُوں گا۔" اس کے بعد آپ کا خُون رک گیا۔

تفسیر صوفیانہ انسان کے نفس کا مقتضٰی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان اور اس کی نعمتوں کا کفران کرکے بُھلا دینا اور انسان کفرانِ نعمت کرے بھی کیوں جبکہ اسے معلوم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے کرم اور اُس کے لطف کے دریا میں غوطہ زن رہتا ہے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی بڑی نعمتیں یہ ہیں :

(۱) ارسالِ رُسل
(۲) توضیح السبل
(۳) بارشوں کا نزول
(۴) کھیتوں کا حصول
(۵) صحتِ بدن
(۶) قوتِ قلب
(۷) موانع کا اندفاع
(۸) اسباب کی موافقت وغیرہ۔

حکایت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پائی گئی۔ اس کے فص (نگینہ) پر دیکھا گیا کہ اس پر دو شیر ایک دوسرے کو چاٹ رہے ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بخت نصر نے بنی اسرائیل اور ان کے بچّوں کو قتل کرنا شروع کیا تو دانیال علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے انہیں جیتے ہی جنگل میں ڈال دیا کہ کہیں بخت نصر کے قتل سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کے لیے شیر مقرر کر دیا اور دُودھ پلانے کے لیے لبوۃ (شیرنی) کو اور پھر یہ دونوں انہیں پیار سے چاٹتے بھی تھے۔ جب دانیال علیہ السلام بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی انگوٹھی ایسی تیار فرمائی کہ درمیان میں اپنی تصویر[1] اور

---

[1] پہلی شریعتوں میں تصویر کشی جائز تھی، ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں ناجائز بلکہ حرام ہے۔ تفصیل کے لیے فقیر اویسی کا رسالہ "السوء التعزیر" دیکھئے۔

اطراف میں دو شیر چاٹتے ہوئے دکھائے گئے اور وہ ہر وقت اپنی انگوٹھی دیکھا کرتے تھے اور فرماتے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد آتی ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ آخرت کا راستہ طے کرتے ہوئے مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ حقوق کی ادائیگی میں جد و جہد کرے۔

رُوحانی نسخہ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص آخرت کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے اسے نفس کو چہار رنگہ موت سے مارنا لازمی ہے:

(۱) سفید
(۲) سرخ
(۳) سیاہ
(۴) سبز

(۱) سفید موت سے بھوک،
(۲) سیاہ موت سے لوگوں کی مذمت سے بچنا،
(۳) سرخ موت سے نفس کی مخالفت،
(۴) سبز موت سے مصائب و آلام کا برداشت کرنا مراد ہے۔

سبق: جو شخص ان باتوں سے بے خبر ہے وہ لامحالہ گمراہ ہوتا ہے اسے کبھی صراطِ مستقیم نصیب نہیں ہوتا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) کور را ہر گام باشد ترس چاہ — با ہزاراں ترس می آید براہ
(۲) مرد بینا دیدہ عرض راہ را — پس بداند او مغاک و چاہ را

---

(۳) ماہیاں را بحر نگذارد بروں — خاکیاں را بحر نگذارد دروں
(۴) اصل ماہی آب و حیواں از گلست — حیلہ و تدبیر اینجا باطلست
(۵) قفل زفتست و کشایندہ خدا — دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ: (۱) اندھے کو ہر قدم پر کنوئیں کا خوف ہے، ہزاروں بار خوف کھا کر راستہ طے کرتا ہے۔
(۲) آنکھوں والا راہ کے آگے دیکھتا ہے کہ گڑھا ہے یا کنواں۔

(۳) مچھلیوں کو دریا باہر نہیں پھینکتا، خاکیوں کو دریا اپنے اندر نہیں آنے دیتا۔

(۴) مچھلی کا اصل پانی اور دیگر جانوروں کا مٹی۔ یہاں حیلہ و تدبیر باطل ہے۔

(۵) تالہ بند ہو تو اللہ تعالیٰ اسے کھولتا ہے، تسلیم و رضا کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔

رُوحانی بیماری اور اس کا علاج گناہ نسیان کا سبب ہے اور اس سے ہی بندہ بصیرت کھو بیٹھتا ہے اور اس سے حقیقی بہرہ بنتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر نہیں ٹلتی، اس لیے انسان پر لازم ہے کہ جتنی زندگی ہوا و ہوس میں گزاری اس پر گریہ و زاری کرے اور جتنا وقت شہوت رانی میں گزارا اس پر سخت افسوس کا اظہار کرے ورنہ اسے راہِ حق نصیب نہ ہوگا نہ اس کی طلب سے کوئی حصہ۔ اے اللہ! تُو ہی ہادی ہے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ وہی مسیح بن مریم ہے۔

شانِ نزول نجران کے عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی، اُن کے جو رؤسا اور عاقب تھے ان سب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے۔ اس کی اور اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے حالانکہ وہ ایسی باتوں سے بلند و بالا ہے۔ اس فرقے کا نام یعقوبیہ تھا۔ ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

وَقَالَ الْمَسِيحُ جب انہوں نے یہ کہا تو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہ میرا رب ہے وَرَبَّكُمْ اور تمہارا رب ہے۔ یعنی اس لیے کہ میں ایک عبد تمہاری طرح کا پالا ہوا ہوں اس لیے تم میرے اور اپنے خالق کی عبادت کرو اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے کہ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہراتا ہے یا اس کے کسی فعل اور صفت میں کسی کو مختص کرتا ہے فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام فرمائی ہے اس میں اسے ہرگز داخل نہیں ہونے دے گا۔ جیسے محرم علیہ محرم تک نہیں پہنچ سکتا اور وہ بہشت صرف موحدین کے لیے تیار کی گئی ہے وَمَاْوٰىهُ النَّارُ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ اور شرک کرنے والے ظالمین کے لیے مِنْ اَنْصَارٍ کوئی بھی مددگار نہیں کہ انہیں جہنم سے بچا کر ان کی مدد کر سکے غلبہ پا کر شفاعت کر کے۔ یہ عیسٰے علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے۔

ربط: یعقوبیہ کے عقیدہ کے بعد اب نصاریٰ نسطوریہ اور ملکانیہ فرقہ کا عقیدہ بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ

فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ بیشک کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تینوں کا تیسرا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تینوں معبودوں میں سے ایک ہے اور معبود ہونا ان تینوں میں مشترک ہے یعنی وہ تین معبود ہیں :

۱۔ اللہ تعالیٰ

۲۔ عیسٰے علیہ السلام

۳۔ بی بی مریم علیہا السلام۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ حالانکہ معبود صرف ایک ہے یعنی واجب الوجود اور مستحق العبادۃ صرف ایک ذات ہے جو جمیع موجودات کا خالق ہے اور معبود ہونا صرف اسے لائق ہے جو وحدانیت سے موصوف اور قبولِ شرک سے بلند و بالا ہو وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ اور اگر وہ اپنے اس غلط عقیدہ سے باز نہ آئے یعنی عقیدہ یعقوبیہ کا ہو یا نسطوریہ و ملکانیہ کا، اسے انہوں نے ترک نہ کیا لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ البتہ پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ان سے کفر کیا، یعنی دراصل لَيَمَسَّنَّهُمْ ہونا چاہیے تھا لیکن ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے تاکہ ان کے کفر پر شہادت مضبوط ہو جائے مِن بیانیہ ہے الذین اسم موصول سے حال ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب، یعنی ایک شدید قسم کا عذاب کہ جس کا دل پر گہرا اثر پڑے گا اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ کیا وہ اپنی غلطیوں پر اصرار کرتے ہوئے اپنے گندے اور ٹیڑھے عقائد سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ یہ ہمزہ استفہام انکاری ہے واقعہ کے انکار استبعاد کے لیے ہے نہ کہ وقوع کے انکار کے لیے ان کی غلطیوں کے اصرار پر تعجب اور انہیں توبہ پر برانگیختہ کرنے کے لیے وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ اس کی توحید کا اقرار اور جتنی غلط باتیں اس سے منسوب کیں ان سے استغفار کریں وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی حال یہ ہے کہ وہ بہت بڑی مغفرت والا ہے جو اُن کی استغفار پر انہیں بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے انہیں نوازتا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ مسیح بن مریم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ان سے پہلے پیغمبرانِ عظام علیہ السلام گزرے ہیں یعنی وہ صرف رسالت پر مقصور ہیں رسالت کے منصب سے ایک قدم آگے نہیں اٹھاتے تھے۔ دوسرے رسل کرام علیٰ نبینا علیہم السلام کی طرح اپنے مناصب و مراتب سے نہیں ہٹے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے چند معجزات و خصوصیات سے دوسرے پیغمبران علیہم السلام کی طرح انہیں بھی معجزات و خصوصیات سے نوازا۔ مثلاً عیسٰے علیہ السلام کے ذریعے مُردوں کو زندہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے عصا کو اژدہا بنا کر دوڑایا حالانکہ یہ بڑی زیادہ تعجب کی

بات ہے اور عیسٰی علیہ السلام کو صرف باپ کے بغیر پیدا کیا اور آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمایا حالانکہ یہ بات اس سے زیادہ عجیب وغریب ہے (پھر موسٰی اور آدم علیہ السلام سے تمہارا عقیدہ عیسٰے علیہ السلام کی طرح کیوں نہیں اور مذکورہ بالا معجزات ان پیغمبر کا اظہار صرف مظاہر کی حیثیت سے تھا ورنہ حقیقی فعل تو اللہ تعالیٰ کا تھا) وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ اور عیسٰے علیہ السلام کی والدہ محترمہ بھی دوسری ان عورتوں کی طرح صدق وصفائی پر مداومت رکھتی تھیں مخلوق کے ساتھ بھی سچی بات بولتی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی معاملہ صحیح اور درست رکھتی تھیں۔ ان سے ایسی باتیں سرزد نہیں ہوتی تھیں جو ان کی عبودیت اور طاعت الٰہی کے منافع ہو گا نَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ وہ دونوں طعام کھاتے تھے یعنی وہ دوسرے لوگوں کی طرح طعام کی ضرورت رکھتے تھے اور جو طعام کے بغیر زندگی نہ بسر کر سکے وہ کس طرح معبود ہو سکتا ہے اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ دیکھیے ہم انہیں کیسے آیات بیان کرتے ہیں یعنی ایسے روشن دلائل انہیں دکھانے ہیں جن سے انہیں یقین ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں سراسر غلط اور جھوٹ ہے اگر یہ دلائل و براہین پہاڑ سن لیں تو پھٹ جائیں ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ پھر دیکھئے یہ کہاں پھرتے جا رہے ہیں یعنی نہ حق کو سنتے ہیں نہ اس میں غور اور فکر کرتے ہیں۔

ف: لفظ ثُمَّ دو تعجبوں کے درمیان واقع ہو کر ان کے مابین تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے یعنی اگر ہمارا آیات کا بیان کرنا بھی عجیب ہے لیکن ان کا ان سے انکار کرنا عجیب تر ہے جبکہ اُن کے سامنے ایسے روشن دلائل و براہین کھل کر آ گئے ہیں کہ اگر غور و فکر کریں تو انہیں انکار کرنے کی گنجائش بھی نہ ہو۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نصارٰی اور ان لوگوں کو فرمائیے جو نصارٰی کے طریقہ پر غیر اللہ کو معبود ٹھہراتے ہیں اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا کیا تم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع۔ اس سے عیسٰی علیہ السلام مراد ہیں۔

سوال: یہی تو ہم کہتے ہیں کہ نبی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ (وہابی)

جواب: یہاں اُن کی ذاتی ملکیت کی نفی ہے ورنہ بہت سے امور کے باذن اللہ مالک تھے یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مثل مصائب اور بلائیں نازل کرنے کے مالک نہیں تھے اور نہ ہی اس کی طرح صحت و سلامت اور وسعت بخشنے کی ملکیت رکھتے تھے (اس لیے کہ وہ معبود نہیں تھے ورنہ بحیثیت نبی علیہ السلام بہت سے مُردوں کو زندہ کیا اور نابیناؤں کو بینا کیا وغیرہ)

سوال: یہاں عیسٰے علیہ السلام کیسے مراد لیا جا سکتا ہے جبکہ لفظ ما واقع ہوا ہے اور وہ غیر ذوی العقول

کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

جواب : اُن کی اصل اور ذاتی لحاظ کو مدِّ نظر رکھ کر کہ جب وہ پیدا ہوئے اس وقت بظاہر ان میں عمل تھی اور نہ ہی بعد نبوت کے حاصل کردہ فضائل (بالفعل) تھے (اگرچہ بالقوۃ ان میں سب کچھ باذنہٖ تعالیٰ تھا) اس بنا پر اُن پر لفظ ما کا اطلاق ہوا اور ظاہر ہے کہ جس میں مذکورہ بالا اوصاف (ذاتی طور پر) نہیں تو پھر وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ اور اللہ تعالیٰ ان کی تمام باتوں کو خوب سنتا جانتا ہے خواہ وہ صرف اقوال ہیں یا عقائد، اس لیے ان کو انہیں اقوال و عقائد کی جزا دے گا۔ اگر اچھے ہیں تو نیک جزا ورنہ سخت سزا، یہ جملہ تعبدون کے فاعل سے حال ہے۔ قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ اے پیارے حبیب علیہ السلام! فرمایئے اے اہلِ کتاب! ناحق دین میں باطل غلو نہ کرو کہ عیسٰے علیہ السلام کو حد سے نہ بڑھاؤ یعنی نصارٰی کی طرح اُن کے لیے اُلوہیت کا دعوٰی نہ کرو یا انہیں ان کی شان سے نہ گھٹاؤ کہ یہودیوں کی طرح سرے سے اُن کے لیے رشد و ہدایت نہ مانو وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ اور جو تم سے پہلے گمراہ لوگ گزرے ہیں اُن کی خواہشات کی تابعداری نہ کرو۔ اس سے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے جو گمراہ لوگوں کے لیڈر اور امام گزرے ہیں ان کی تابعداری کی نفی مراد ہے وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا اور انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا یعنی اپنے ان تابعداروں کو جو ان کی بدعات اور گمراہیوں کی اتباع کرتے تھے وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ اور وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہوئے یعنی حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد اُن کی تکذیب اور ان پر بغاوت اور حسد کر کے ان کے سیدھے راستے یعنی اسلام سے منہ موڑا۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت شیخ نجم الدین نے اپنی تاویلات میں لکھا ہے کہ جب نصارٰی کا طریق حق پر قدم فعل سے چلنے کا اور نظر عقل سے انبیاء علیہم السلام کے احوال دیکھنے کا ارادہ ہوا تو شبہات کی وادیوں میں بھٹکنے لگے اور ہلاکت کے جنگلوں میں تباہ و برباد ہوئے، حالانکہ جناب قدس ادراکِ عقول سے وراء الوراء ہے اور وہاں تک عقل کو رسائی کہاں۔ اسی طرح اس سالک کا بھی وہی حال ہے جو اُن کے نقشِ قدم پر چلتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو عقل کی آنکھ سے دیکھا تو انہیں خیال آیا کہ باپ کے بغیر پیدا ہونا عقل کے قانون کے خلاف ہے اور ان کا اس طرح سے پیدا ہونا دلالت کرتا ہے کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں، چنانچہ عیسٰی علیہ السلام کی ابنیت پر انہیں دلائل بھی عقل نے سمجھا دیے کہ وہ مٹی کے گارے سے پرندہ بنا لیتے ہیں اور مادر زاد اندھوں کو بینائی بخشتے ہیں اور برص والے کو شفا یاب فرماتے ہیں اور مُردوں کو زندہ کرتے ہیں جو کچھ گھروں میں کھا کر یا ذخیرہ کر کے آتے ہیں اس کا تمام حال

سنا دیتے ہیں۔ عقل انہیں سمجھاتی کہ یہ کام خدا کرتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں تو اس کے بیٹے ضرور ہیں، اس لیے کہ یہ قدرتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور وہ قدرتیں وہ خود ظاہر کرے ورنہ اس کا بیٹا یہ کام کر سکتا ہے اس لئے کہ الولد سر لابیہ بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے۔

نصاریٰ کی دوسری تقریر بعض مفسرین کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے سمجھا کہ عیسےٰ علیہ السلام تزکیۂ نفس کر کے ناسُوتی رنگ سے نکل کر لاہوتی ہو گئے اس اللہ تعالیٰ کی ذات نے عیسےٰ علیہ السلام کی ناسُوتیت کو فنا کر کے اپنی ذات ان میں جذب فرما دی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا تو عیسےٰ علیہ السلام خدا ہو گیا (نعوذ باللہ)۔ اللہ تعالیٰ ان کے گندے خیالات سے بلند و بالا ہے۔

اہلِ اسلام کا تصورِ تصوّف حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اُمت چونکہ طریقِ حق پر بموافق اتباع نبوی اقدام بمدباتِ الوہیت سے چلتے ہیں بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان سے استدلالات براہین وصالی، اور وصول کی کلفت معاف فرما دی۔ جیسا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ جب انہوں نے ظاہری علوم کی کتابیں پانی میں ڈال دیں تو پھر ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

نعم الدلیل انتم ولکن اشتغالی بالدلیل بعد الوصول الی المدلول محال۔	بے شک تم بہترین دلیل ہو لیکن اب میں اپنے محبوب کا وصال پا چکا ہوں اس لیے اب دلیل سے مشغول ہونا اچھا نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) چوں شدی بر بامہائے آسماں	سرد باشد جست وجوئے نردباں
(۲) آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی	جہل باشد بر نہادن صیقلی
(۳) پیش سلطاں خوش نشستہ در قبول	جہل باشد جستن نامہ و رسول

ترجمہ: (۱) جب تم آسمان کی چھت پر پہنچ جاؤ تو پھر سیڑھی کی جستجو نہیں رہتی۔
(۲) جب آئینہ صاف و شفاف ہو تو پھر صفائی کے لیے اس پر مصقلہ رکھنا جہالت ہے۔
(۳) بادشاہ کے حضور میں مقبول بن کر بیٹھنے کے بعد کسی کی سفارش کا خط یا قاصد تلاش کرنا بُری بات ہے۔

جب یہ حضرات اللہ تعالیٰ ذوالجلال کی بارگاہ کے پردوں کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو انہیں صفاتِ جمال کے انوار کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ حضرتِ انسان وہی تو ہے جس نے تمام مخلوقاتِ حق

لے جانے میں بازی جیتی۔

ف: امانت سے نورِ الوہیت کا فیض مراد ہے جو انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ہمیں نصیب ہوا۔ اس کمال کے حصول میں حسنِ تقویم سے یہی حضرات انبیاء علیہم السلام مخصوص ہیں اور انہیں وہ کمالات حاصل ہوئے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ یہی وجہ ہے عیسٰے علیہ السلام نے انہیں فیض خالقیہ ومحبتیہ سے تزکیۂ نفس فرمایا کہ وہ اس قابل ہوگئے کہ مٹی کے گارے سے پرندہ بناتے پھر اس پر پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگ جاتا اور وہ مادرزاد اندھے کو بینا کر دیتے اور برص والے کو درست کر دیتے اور مردوں کو اللہ تعالٰے کے حکم سے زندہ کرتے۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اِن امور کا صدور اُن سے ہونا اور وہ خالقیت کی صفت کے مظہر تھے۔ اس کی مثال اس شیشے کی ہے جس میں سورج سے فیض پانے کی استعداد ہے اسے اگر سورج کے سامنے رکھا جائے تو اس کے اندر سورج کا فیض پہنچتا ہے یعنی اس کی گرمی اس کے اندر آجاتی ہے پھر اُس کے مقابل جو شئے بھی آجائیگی اُسے وہ جلا کر راکھ کر دے گا صرف اُس نور کی وجہ سے جو اسے سورج سے نصیب ہوا، ورنہ اس کا تو اپنا کچھ نہیں بلکہ اُس سُورج کا فیض حاصل کرنے کی استعداد تھی بنا بریں اس میں سورج کی صفات پہنچیں تو پھر اس شیشے نے وہ نور آگے پہنچایا۔

یہ مضمون سمجھ میں آجائے تو اِن شاء اللہ یہ عقیدہ مضبوط ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیائے کبار رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامات میں بھی قدرتِ ایزدی کام کر رہی ہوتی ہے اور ان سے قوتِ ایزدی کا ظہور ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ مقام مستقل طور پر نصیب ہوتا ہے اور اولیاء کرام کو ان کے طفیل اور ان کی اتباع میں۔

ازالۂ توہم حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی نے فرمایا کہ میں نے اپنا بشریت کا جامہ اتار پھینکا جیسے سانپ اپنی کھال اتارتا ہے پھر اپنے آپ کو دیکھا تو میں ذاتِ حق ہوں۔ اس کے متعلق حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان جب شہوات وخواہشات کو مٹاتا ہے تو اس میں سوائے ذاتِ حق کے کسی اور خیال اور تصور کا گزر نہیں ہوتا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کے قلب میں اللہ تعالٰے کے جلال وجمال کے سوا اور کچھ نہ ہو اور وہ اس میں مستغرق ہوجائے تو ایسا ہوتا ہے کہ گویا وہی ذاتِ حق ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ بندہ خدا ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: سبحانی ما اعظم شانی (میں سبحان ہوں اور میرا کتنا بلند شان ہے)

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ حضرت بسطامی قدس سرہٗ کو جب ذاتِ حق کا مشاہدہ ہوا اور صفاتِ

ذاتِ حق سے تجلیات حاصل ہُوئیں تو اپنے آپ کو دیکھ کر کہا سبحانی ۔ اور جب عام مخلوق سے اپنے اندر زائد استعداد اور پھر انوار و تجلیات کے موارد مشاہدہ فرمائے تو کہا ما اعظم شانی ۔ ورنہ وُہ خوب جانتے تھے کہ ذاتِ اقدس سے انہیں کیا نسبت ہے اور اس کے علوِ شان کو کون پہنچ سکتا ہے ۔

اناالحق کی تشریح بعض صوفیہ کرام نے کہا اناالحق (میں حق ہوں) کا یہی مطلب ہے کہ یہ کلمہ مجازاً کہا گیا ہے، جیسے شاعر نے کہا ، ع

انا من اھوی و من اھوی انا

(میں وہی ہوں جسے چاہتا ہُوں اور جسے چاہتا ہوں وہی میں ہُوں)

یہ مجاز بھی محمول ہے ، یہ نہیں کہ حقیقۃً وہ وہی ہوگیا ہے یہ اس لیے کہ وُہ اپنی عشق کی داستان سناتا ہوا کہتا ہے کہ میں اس کی محبت میں اتنا مستغرق ہوں کہ اب گویا وہی مَیں ہوں بطور مجاز کے اتحاد تصوری اتحاد لفظی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ کوئی جُرم کی بات نہیں بلکہ عرف اور شرع کے عین مطابق ہے ۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابوالقاسم جرجانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفات کا مظہر سالک بنتا ہے ۔ یہ اس وقت اسے نصیب ہوتا ہے جب وہ سلوک میں راسخ قدم ہو کر سرِ مُو بھی کمی نہ کرے ۔

سوال : تصوف میں وصول (وصال) کسے کہتے ہیں ؟

جواب : یہی سلوک کا دوسرا نام ہے اور سلوک یہی ہے کہ انسان اپنے اخلاق اعمال معارف کو مہذب بنائے اور یہ اس وقت نصیب ہو سکتا ہے جبکہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کی صفائی میں مشغول ہو اور اس کی یہ مشغولی اللہ تعالیٰ کی کریمی سے حاصل کر سکتا ہے ظاہر کی صفائی سے باطن کا تصفیہ نصیب ہوتا ہے جس سے وہ وصول (وصال) کی استعداد کے لائق ہو جاتا ہے اس سے اس کے لیے حق کے جلوے منکشف ہونے لگتے ہیں ۔ پھر وُہ پورا مستغرق باللہ ہو جاتا ہے اب اُسے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کچھ نظر نہیں آتا اور نہ ہی وہ ماسوی اللہ کی خبر رکھتا ہے اب اس کا ہر سانس اللہ تعالیٰ کے مشاہدات میں نکلتا ہے ۔ اس کا مشغلہ ذاتِ حق کے ساتھ ہوتا ہے یہاں تک کہ اب وہ اپنے سے بھی سروکار نہیں رکھتا اب ہر وقت اپنی ظاہری باطنی تعمیر میں لگا رہتا ہے اب اس کا ہر کام صفائی ہی صفائی سے متعلق ہو جاتا ہے اور یہ اس کے ابتدائی مراحل ہیں اور ان کے جملہ مشاغل کی انتہا یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ اپنے نفس سے بشریت کا جامہ اتار کر پھینک دیتا ہے اور تجرید پا کر ذاتِ حق کے صفات کا نمونہ بن جاتا ہے ۔ اس کو

(باقی بر صفحہ ۳۳۰)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ
مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ
لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ وَلَوْ كَانُوْا
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
فٰسِقُوْنَ ○ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

ترجمہ : لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں داؤد اور عیسٰی بن مریم کی زبان پر یہ بدلہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کا جو بُری بات کرتے آپس میں ایک دوسرے کو نہ روکتے، ضرور بہت ہی بُرے کام کرتے تھے، ان میں تم بہت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، کیا ہی بُری چیز اپنے لیے خود آگے بھیجی یہ کہ اللہ کا ان پر غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور ان نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں تو بہتیرے فاسق ہیں ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم نصارٰی ہیں یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے ۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

اصطلاحِ تصوف میں سلوک کہا جاتا ہے ؎

(۱) کارگاہ گنج حق در نیستیست   غرۂ ہستی چہ دانی نیست چیست

---

(۲) آب کوزہ چوں در آب جو شود   محو گردد در وے و جو او شود

ترجمہ : (۱) گنج حق کا معاملہ نہایت پوشیدہ ہے وہاں ہستی کا دھوکا کھانے والے نے کیا معلوم کیا کہ نیست کیا ہے ۔

(۲) کوزے کا پانی جب نہر میں چلا جائے گا تو وہ اس میں محو ہو جائے گا پھر یونہی ہو گا کہ وہ بھی نہر کا عین ہے۔

تفسیرِ عالمانہ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ملعون ہوئے کافر درانحالیکہ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وہ بنی اسرائیل سے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مردود اور دُور ہوئے عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ داوٗد علیہ السلام کی زبان اقدس سے۔ یہ لُعِنُوْا سے متعلق ہے اور اس سے اہلِ ایلہ مراد ہیں جبکہ انہوں نے سنیچر کے مسئلہ میں تجاوز کیا تو حضرت داوٗد علیہ السلام نے دعا کی؛

اللهم العنهم و اجعلهم آيـة و مثل لخلقك۔	اے اللہ تعالیٰ! انہیں لعنتی بنا دے اور اپنی مخلوق کے لیے عبرت اور مثال قائم فرما۔

پس حضرت داوٗد علیہ السلام کی دعا سے وہ لوگ بندر بن گئے وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور عیسےٰ بن مریم علیٰ نبینا علیہما السلام کی زبان سے بھی کفار یعنی اصحابِ مائدہ ملعون ہوئے جبکہ انہوں نے مائدہ سے کھایا بھی اور مل کر بھی رہے تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا فرمائی؛

اللهم العنهم كما لعنت اصحاب السبت و اجعلهم اٰية۔	اے اللہ تعالیٰ! انہیں سنیچر والوں کی طرح لعنتی بنا دے اور انہیں اپنی مخلوق کے لیے مثال بنا۔

چنانچہ وہ اسی وقت خنزیر کی شکلوں میں مسخ ہوئے، وہ اس وقت پانچ ہزار مرد تھے ان میں نہ کوئی عورت تھی نہ کوئی لڑکا۔

اس کے بعد سوال پیدا ہوا کہ ان مذکورہ لوگوں کو اتنی بڑی سزا کیوں ملی؟ تو ان کے جواب میں فرمایا بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرتے تھے اپنی غلطیوں کے ارتکاب سے وہ مسخ کے مستحق ہوئے۔ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہ روکتے تھے ان کی برائیوں کو دیکھ کر نہی عن المنکر کا فریضہ نہ ادا کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر رکھی تھی لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ بُرا ہے وُہ عمل جو انہوں نے کیا اس لیے کہ اس برائی کی سزا قیامت میں پائیں گے قسم سے مؤکد کر کے ان کے عمل پر انہیں تعجب دلایا گیا ہے تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ تم ان کو اکثر دیکھو گے یعنی اہلِ کتاب میں سے جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی جبکہ وہ مشرکینِ مکہ کی طرف گئے تاکہ اتحاد کر کے

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں ۔ یہاں رؤیت بصری مراد ہے یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کافروں سے دوستی کرتے ہیں یہ کثیرًا سے حال ہے اس لیے کہ وہ موصوف ہے (ورنہ اس میں ذوالحال بننے کی صلاحیت نہیں، کیونکہ نکرہ ہے) اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اہل کتاب مشرکین سے دوستی کرتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مومنین سے بُغض وعداوت کی وجہ سے لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ بہت بُرا عمل ہے جو اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیج رہے ہیں اس لیے کہ قیامت میں اس بُرے عمل کا نتیجہ انہیں بھگتنا ہوگا اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور وُہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ۔ یہ مخصوص بالذم اور اس کا مضاف محذوف ہے اصل عبارت یوُں ہے موجب سخط اللہ والخلود فی العذاب اس لیے کہ سخط کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور باری تعالیٰ کو مخصوص بالذم سے موصوف کرنا قبیح ہے بلکہ مخصوص بالذم وہ امور ہیں جو اُس کے غضب کا مُوجب ہیں وَلَوْ کَانُوْا اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جو مشرکین سے دوستی جوڑتے ہیں یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِیِّ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے نبیوں پر بھی ایمان لاتے ہوں وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں یعنی اگرچہ ان کا تورات وانجیل پر بھی ایمان ہو مَا اتَّخَذُوْهُمْ ان مشرکین کو نہیں بنایا اَوْلِیَآءَ دوست، اس لئے کہ مشرکین کی دوستی کی تحریم سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی حرام تھی اور اُن کی کتابوں میں ان کی دوستی کی تحریم صراحۃً موجود تھی ۔ اس بناء پر انہیں ایمان ہوتا تو انہیں روکتا کہ ان بے دینوں مشرکوں سے دوستی نہ کرو وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ لیکن اُن کے بہت سے فاسق ہیں دین وایمان اور انبیاء علیہم السلام اور کتابوں سے خارج ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں چند امور واضح ہوئے ؛

(۱) صرف انسان کامل ہی خلافت کے حق کا مستحق ہے اور وہی حق کے صفاتِ لطف وقہر کا مظہر ہے وہ قبول کرلیں تو سمجھو ذاتِ حق نے قبول کرلیا ۔ اُنہوں نے جسے رَد کیا تو گویا اللہ تعالیٰ کے حضور سے دھتکارا گیا ۔ اُن کا مردود اللہ تعالیٰ کا مردود ہے اُن کا مقبول اللہ تعالےٰ کا مقبول ومحبوب ہے جسے وُہ دھتکار دیں سمجھو کہ درگاہِ حق سے مارا گیا، جس پر اُن کی نگاہِ کرم ہوگئی گویا اللہ کا لطف وکرم ہوگیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔

اور فرمایا ؛ هوالذی یصلی علیکم ۔

غور کیجئے کہ لعنت کا صدور تو داوٗد و عیسےٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی زبانِ اقدس سے ہو رہا تھا لیکن حقیقۃً لعنت من جانب اللہ تھی ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ،

کما لعنّا اصحٰب السبت ۔

اس سے وہی لوگ مراد ہیں جن پر داوٗد علیہ السلام نے لعنت کی تھی ۔ یہاں بھی اس لیے تصریح فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگرچہ لعنت کا صدور داوٗد علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے ہو رہا ہے لیکن حقیقۃً لعنت اللہ تعالیٰ سے ہی ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؛ ؎

(۱) این نکردی تو کہ من کردم یقین ۔۔۔ اے صفاتت در صفات ما دفین

(۲) مارمیتَ اذ رمیت گشتۂ ۔۔۔ خویشتن در موجِ کف ہشتۂ

ترجمہ :(۱) یہ تُو نے نہیں کیا یقیناً میں نے کیا ہے کیونکہ بڑی صفات میری صفات میں گُم ہیں ۔

(۲) مارمیتَ اِذ رمیت یعنی من تو شُدم تُو من شدی والا معاملہ ہے ، تم موجِ دریا میں جھاگ کی طرح ہو ۔

اور دُوسری جگہ فرمایا : ؎

(۱) کہ ترا از تو بکُل خالی کند ۔۔۔ تو شوی پست او سخن عالی کند

(۲) گرچہ قرآں از لبِ پیغمبر است ۔۔۔ ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر ست

ترجمہ : (۱) تجھے خودی سے کُلی طور پر خالی کرنا ہے تو نیچے ہوگا اس کی بات عالی ہو گی ۔

(۲) اگرچہ قرآن پیغمبر علیہ السلام کے لبِ اطہر سے سُنا گیا ، لیکن جو کہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں وہ کافر ہے ۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بُرائی کا نام منکر رکھا ہے اس لیے کہ گناہ اجنبیت پیدا کرتا ہے ، جیسے طاعت کو معروف کہا جاتا ہے اس لیے کہ نیکی عرفان پیدا کرتی ہے اور بُرے فعل کے اقدام کو معصیت کہتے ہیں اور پھر اسے بار بار کرنا کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے اور یہی کفر دل کی سیاہی کا سبب بنتا ہے جو دل کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے ، برائیوں سے روکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یحشر یوم القیامۃ اناس من امتی ۔۔۔ میری امت میں سے بعض لوگ حشر ر

من قبورهم الی اللہ تعالیٰ علی صورۃ القردۃ والخنازیر بما داھنوا اھل المعاصی وکفوا عن نھیھم وھم یستطیعون۔

بندروں کی شکلوں میں قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو زندگی بھر اہلِ معصیت سے یاری دوستی جوڑتے تھے اور انہیں برائیوں سے نہیں روکتے تھے حالانکہ ان میں اہلِ معصیت کو برائی سے روکنے کی طاقت بھی تھی۔

ف : بُرے لوگوں سے بُرائی روکنے کے لیے مقابلہ کرنا اور دعوت الی اللہ دینا پسندیدہ بزرگوں کا کام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) ہر کسے کو از صف دین سرکش است — میرود سُوئے صفے کان واپس است
(۲) تو ز گفتار تعالوا کم مکن — کیمیائے پس شگرفست آن سخن
(۳) گر مسی گردد ز گفتارت نفیر — کیمیا را ہیچ از وے وامگیر
(۴) این زمان گر بست نفس ساحرش — گفت تو سودش دہد در آخرش
(۵) قل تعالوا قل تعالوا اے غلام — ہین کہ ان اللہ یدعو بالسلام

ترجمہ : (۱) جو دین کی صف سے روگردان ہے وہ جہاں جائے گا بے مراد لوٹے گا۔
(۲) تعالوا (آؤ) کے قول سے کم نہ کر، کیمیا کی طرح شگرف کے پیچھے ہے یہ سخن۔
(۳) اگر کوئی تانبہ تیری گفتار سے نفرت کرے اس سے کیمیا کیا حاصل ہوگا۔
(۴) اس گھڑی اگر اسے ساحر نے بند کر دیا بالآخر اسے وہ نفع ضرور دے گا۔
(۵) اے عزیز! اسے بار بار کہتا رہ آجا، کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی تو سلامتی کی دعوت دیتا ہے۔

(۳) مومن و کافر برابر نہیں، یعنی ایک جنس نہیں، اس لیے کہ کافر سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے کیونکہ دشمنوں کی محبت دوستوں کی عداوت کا سبب بنتی ہے۔

سبق مومن کامل پر واجب ہے کہ وہ کفار کی محبت اور دوستی اور اُن کی صحبت سے دُور بھاگے اور فجار اور اہلِ بدعت اور خواہشات کے شکاریوں اور اہلِ غفلت اور منکروں سے علیحدگی اختیار کرے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) میل مجنوں پیش آن لیلیٰ رواں — میل ناقہ پس طفلش دواں
(۲) گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم — ما دو ضد پس ہمرہ نالائقیم

(۳) نیستت بروفق من مهـــر ومہار — گرد باید از تو صحبت اختیار

(۴) جان زہجر عرش اندر فاقــۂ — تن زعشق خار بن چون ناقــۂ

(۵) جان کشاید سوے بالا بالہــا — درزدہ تن در زمین چنگالہــا

ترجمہ :(۱) مجنون کا میلان لیلیٰ کے پیچھے لیکن اونٹنی کا میلان اپنے بچے کے پیچھے ۔

(۲) کہا اے اونٹنی جب ہم دونوں عاشق ہیں ہم دو ضد ہیں اس کے باوجود ایک راہ پر چل رہے ہیں بہت بڑے نالائق ہیں ۔

(۳) میرے موافق نہ محبت ہے نہ مہار، ورنہ تجھ سے صحبت کا ترک لازم ۔

(۴) جان تو ہجر کی وجہ سے بھوکی ہے لیکن جسم ناقہ کی طرح عشق میں خستہ حال ہے ۔

(۵) جان تو بلندی کی طرف پرواز چاہتی ہے لیکن جسم نے زمین پہ پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ہر غیر جنس سے بچائیو ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ لَتَجِدَنَّ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم البتہ ضرور پاؤ گے اَشَدَّ النَّاسِ وجدان کا مفعول اول ہے لوگوں سے سخت تر عَدَاوَةً ازروئے عداوت یہ تمیز ہے لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا یہ عداوت سے متعلق ہے یعنی اہلِ ایمان کی دشمنی کے لیے الْیَھُوْدَ یہود کو، یہ وجدان کا مفعول ثانی ہے وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اور وہ لوگ جو مشرک ہیں، اس سے عرب کے مشرک مراد ہیں ۔ اس کا عطف الیہود پر ہے وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی اور اہلِ ایمان کی محبت کے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ ھم نصاریٰ ہیں ۔ اس کی ترکیب سابقہ جملہ کی طرح ہے ۔

ف : یہود اور مشرکین کی دشمنی معاد کے انکار کی وجہ سے ہے اس لیے کہ انہیں اخلاقِ مذمومہ کے معدن سے بہت زیادہ محبت ہے یعنی دنیا سے اس لیے کہ جسے دنیا سے زیادہ محبت ہو تو وہ دنیا کی خاطر دین کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے ۔ پھر ہر برائی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جاتا ہے ۔ اس وجہ سے جو بھی دینی دنیوی مراتب میں بلند و بالا ہوا اس سے اس کی دشمنی و عداوت لازماً ہوتی ہے اور سخت تر ۔ اور نصاریٰ کی اہلِ ایمان سے محبت اس لیے ہے کہ اُن کے اصول دین میں شامل ہے کہ وہ دنیا سے روگردانی کرتے رہتے ہیں اور زیادہ تر وقت عبادت میں بسر کرتے ہیں ۔ طلب ریاست اور تکبر و ترفع سے دُور رہتے ہیں ۔ اور قاعدہ ہے کہ جو ایسے اوصاف سے موصوف ہو وہ نہ لوگوں کو ایذا دیتا ہے اور نہ ہی اُن سے حسد کرتا ہے بلکہ طلبِ حق میں رقیق القلب اور نرم خُو رہتا ہے حالانکہ نصاریٰ کفر میں یہودیوں سے بڑھ کر ہیں

اس لیے نصارٰی کا کفر اُلوہیت کے متعلق ہے اور یہودیوں کا نبوت میں ہے۔

سوال : تم نے کہا کہ یہود الوہیت کے گستاخ نہیں حالانکہ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ۔

جواب : تمام یہودیوں نے نہیں بلکہ ان کے ایک گروہ نے ایسے کہا اُن پر لعنت اور اظہارِ ناراضگی صرف ان کی دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اس کی حدیث شریف سے بھی تائید ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

ف : امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں تمام نصارٰی بھی مراد نہیں اس لیے کہ اُن میں اکثر ایسے ہیں جنہیں مسلمانوں سے دشمنی یہودیوں کی دشمنی سے کم نہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیا جائے یا انہیں قید کیا جائے یا کم از کم انہیں ذلیل و خوار کیا جائے اور ان کی مساجد کو فنا کر دیا جائے اور اُن کے قرآن مجید کو فنا کر دیا جائے، اس بنا پر نہ وہ مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں نہ ہی ان کی عزت و عظمت کے خواہاں ہیں، بلکہ یہ آیت صرف نصرانیوں کے لیے ہے جن کے متعلق نازل ہوئی یعنی حضرت نجاشی اور ان کے ساتھی اس لیے حضرت نجاشی حبشہ کا بادشاہ نصرانی تھا۔ جب اسلام کا ظہور نہیں ہُوا تو وہ نصرانیت کا پیروکار تھا۔ پھر مسلمان ہو گیا بلکہ اس کے تمام ساتھی بھی مسلمان ہو گئے۔ ان کا اسلام لانا فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ اس کا وصال فتح مکہ سے بھی پہلے ہوا۔

ف : مفسرین فرماتے ہیں کہ قریشیوں نے اعلان کیا تھا کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے کے لیے کون ہمارا ساتھ دیتا ہے، اس پر ہر قبیلہ کے لوگوں نے لبیک کہہ کر ان کو ایذا دینا، روزی تنگ کرنا اپنا معمول بنا لیا۔ بہت سے مسلمان سخت مصائب اور ظلم و ستم کا نشانہ بنے لیکن اللہ تعالیٰ نے بہتوں کو بچایا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احساس ہوا کہ اس طرح سے ظلم ہوتا رہا تو اسلام کی اشاعت مشکل ہو جائے گی اس وقت جہاد کا حکم ابھی نہیں ہُوا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ حبشہ کی طرف چلے جاؤ اور فرمایا وہاں کا بادشاہ نہایت نیک ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی وہ ظلم کا روادار ہے فلھذا تم اُس کے ملک میں ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ بہت سے مسلمان وہاں سے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے سہولتیں پیدا فرمائیں اور اسے غلبہ عطا فرمایا۔ حضرت نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔

یاد رہے کہ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، جیسے قیصر روم کے بادشاہ کا کسریٰ فارس کے بادشاہ کا لقب ہوتا اور اصحمہ بالمھملتین حبشہ کی لغت میں بمعنے عطیہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا ارشادِ گرامی سُن کر ابتدا میں پوشیدہ طور گیارہ صحابہ نے مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور اُن کے ساتھ چار عورتیں بھی تھیں۔ مردوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر دریائی سفر سے کشتی والے کو نصف دینار دے کر کشتی پر سوار ہو کر حبشہ پہنچے۔ یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے پانچویں سال رجب شریف میں ہوا۔ اس کو ہجرتِ اولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قافلہ کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ پہنچے پھر تو پے در پے مسلمان حبشہ پہنچنے لگے۔ اس دفعہ مجموعی طور عورتوں اور بچوں کے سوا بیاسی مردوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

سعدیا حُبِّ وطن گرچہ حدیثست صحیح

نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی! اگرچہ حب الوطنی کی حدیث صحیح ہے سختی میں اس لیے مرتے رہنا کہ یہ میری پیدائش کی جگہ ہے۔

جب قریشِ مکہ کو مسلمانوں کی ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے عمرو بن العاص اور اس کے ساتھی کو بہت تحائف دے کر نجاشی اور اس کے ارکانِ دولت کی طرف پیغام بھیجا کہ مسلمانوں کو پناہ نہ دیجئے بلکہ انہیں واپس ہمارے ہاں بھیج دیجئے لیکن اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کا یہ ارادہ پُورا نہ فرمایا اور مسلمانوں کو محفوظ فرما لیا۔ جب عمرو بن العاص اور اس کا ساتھی نجاشی سے ناامید ہو کر لوٹے تو مسلمانوں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا اور انہیں ایک بہترین رہائش مل گئی اور اعلیٰ ہمسائیگی نصیب ہُوئی یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ترقی عطا فرمائی۔ یہ ہجرت کے چھٹے سال کی بات ہے۔

بی بی اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عقدِ نکاح کا واقعہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نجاشی کو خط بھیجا۔ آپ کا یہ نامہ مبارک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ لے گئے۔ آپ نے اس میں لکھا کہ حضرت ام حبیبہ بنتِ ابی سفیان کا نکاح ہمارے ساتھ کر دیں۔ اس کی وجہ یہ ہُوئی کہ حضرت بی بی صاحبہ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں لیکن وُہ چند روز کے بعد فوت ہو گیا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جب نجاشی کے ہاں پہنچا تو اس نے اپنی لونڈی ابرہہ نامی کے ذریعہ بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ السلام کا پیغامِ نکاح پہنچایا۔ بی بی صاحبہ نے خوشی میں ابرہہ کو اپنا ہار انعام میں دے دیا اور فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھجوا دو کہ میرا وکیلِ نکاح حضرت خالد بن سعید بن العاص

(رضی اللہ عنہ) حاضر ہو رہا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بی بی صاحبہ سے خالد بن سعید نے چار سو دینار مہر کے عوض کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت نجاشی وکیل مقرر ہوا۔ پھر چار سو دینار نزہتہ کو دے کر بھیجا کہ بی بی صاحبہ کے حوالے کرے۔ بی بی صاحبہ نے پھر اُس لونڈی کو پچاس دینار دینے چاہے نزہتہ نے لینے سے انکار کر دیا اس لیے کہ اسے بادشاہ نے رول دیا تھا کہ اب بی بی صاحبہ سے کچھ نہ لینا۔ چنانچہ یہی معذرت بی بی صاحبہ سے کی اور ساتھ ہی عرض کیا کہ جب آپ حضور علیہ السلام کے حضور میں پہنچیں تو میرا اسلام بارگاہِ رسالت میں پیش کر دینا۔ جب عقد نکاح ہوگیا تو نجاشی نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ بی بی صاحبہ کے پاس عود و عنبر لے جائیں۔ چنانچہ بی بی صاحبہ یہ عود و عنبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں اپنے ساتھ لے گئیں اور آپ اس کے ہاں یہ اشیاء دیکھتے رہتے تھے انہیں ایسی چیزوں سے منع نہ فرمایا۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ مجھے نجاشی نے ساز و سامان دیا اور ہمیں دو کشتیوں میں بٹھا کر مدینہ طیبہ بھجوایا گیا۔ ہمارے ساتھ دو ملاح تھے جو کشتیوں کو آرام سے حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف لائے۔ جہاں تک دریائی راستہ تھا کشتیوں میں کیا پھر پیدل سفر کر کے ہم مدینہ طیبہ پہنچے لیکن حضور علیہ السلام خیبر میں تشریف لے گئے تھے۔ ہمارے ساتھ جتنے لوگ تھے ان میں سے بہت سے حضور علیہ السلام کی محبت میں خیبر چلے گئے اور میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہی، یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے مجھ سے نجاشی کے متعلق پوچھا تو میں نے سارا حال سنا کر نزہتہ لونڈی کا سلام عرض کیا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

عسی اللہ ان یجعل بینکم و بین الذین عادیتم منھم مودۃ۔	عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کرے گا۔

اس سے ابوسفیان سے محبت پیدا کرنا اور مودّت و محبّت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عقد مبارک مراد ہے۔ جب حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو بی بی اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا علم ہوا تو کہا:

ذالك الفحل لا یقرع انفه۔ (اس نر کی ناک ٹھوکنے کی نہیں)

یعنی اب تعلقات مزید مستحکم ہوگئے۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا ادری انا یفتح خیبر اسرّ ام بقدوم جعفر۔	مجھے معلوم نہیں کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) کے تشریف لانے سے۔

(حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حبشہ سے تشریف لائے تھے)

نجاشی کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جب اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس واپس آئے تو اصحمہ نے اپنے شہزادے ازہر بن اصحمہ بن الحر کو حبشہ سے چھ آدمیوں کے ساتھ بھیج کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لکھا:

یا رسول اللہ اشهد انك رسول الله صادقا ومصدقا وقد بايعتك وبايعتك بابن عمك واسلمت لله رب العالمين وقد بعثت ابني ازهر وان شئت ان اٰتيك بنفسي فعلت والسلام عليك يا رسول الله۔

یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے صادق و مصدق رسول ہیں، چنانچہ میں آپ کی بیعت قبول کرتا ہوں اور آپ کے چچا زاد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ رب العالمین کی توحید پر ایمان لاتا ہوں۔ ابھی میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اگر آپ کا ارشادِ گرامی ہو تو میں خود بھی حاضر ہونے کو تیار ہوں والسلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

آیت کا شانِ نزول

حضرت نجاشی کا صاحبزادہ کشتی پر سوار ہوا اس کے ساتھ اور دوست بھی تھے۔ جب کشتی دریا کے وسط میں پہنچی تو ڈوب گئی وہ سب غرق ہو گئے (اس لیے کہ وہ لوگ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد روانہ ہوئے تھے) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پہلے ہی پہنچ چکے تھے اُن کے ساتھ ستر آدمی تھے اُن کا لباس اُون کا تھا ان میں باسٹھ[62] حبشی اور آٹھ[8] شامی تھے ان میں بحیرا راہب بھی تھا۔ آپ نے جب اُن کے سامنے سورۂ یٰسٓ شریف پڑھی تو قرآن سن کر وہ رو پڑے اور ایمان لے آئے اور کہا کہ اس کلام کو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب انجیل سے مشابہت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ولتجدن اقربهم مودة للذين اٰمنوا الذين قالوا انا نصارٰى۔ یعنی نجاشی کا وفد جو جعفر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حبشہ سے حاضر ہوا تھا اس وفد میں ستر آدمی تھے اور سب کے سب گرجوں میں رہ کر عبادت کرنے والے تھے۔

ذٰلِكَ یعنی ان کا مومنین سے محبت کے زیادہ قریب ہونا اس لیے ہے کہ **بِاَنَّ مِنْهُمْ** کہ اُن میں **قِسِّيْسِيْنَ** علماء نصارٰی اور ان کے عباد اور رؤسا ہیں۔ مبالغہ کا صیغہ ہے تقسس الشیٔ سے مشتق ہے کہ جب کوئی کسی کے پیچھے چلے اور اسے رات کو تلاش کرے۔ بطور مبالغہ کے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا کہ وہ اپنے علم کے تابع ہو کر عبادت میں لگے رہتے۔ (قالہ الراغب)

ف : اور قطرب نے فرمایا کہ لغتِ روم میں قسیس عالم کو کہتے ہیں۔

ف : حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نصارٰی نے جب انجیل کو ضائع کر کے اپنے مَن گھڑت مسائل اس میں شامل کر دیئے تو ان میں ایک ایسا آدمی بچ گیا جو اصلی انجیل کا عالم اور دینِ حق کا طالب تھا اس کا نام قسیسین تھا، اس بناء پر جو بھی اس کے مذہب و دین پر ہوتا اسے قسیس کہا جاتا۔

وَرُهْبَانًا یہ راھب کی ہے جیسے راکب کی جمع رکبان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا واحد و جمع دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

حلِ لغات : الرھب بمعنے ڈر۔ دل میں خوف رکھ کر گرجا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ پھر اس کا نکرہ ہونا کثرت پر دلالت کرتا ہے اور یہی اعتبار قسیسین میں بھی ضروری ہے اس لیے کہ یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کی جنس اہلِ ایمان سے محبت کرتی ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ افراد کثیرہ جب جنس خصلت سے موصوف ہوں تو ان میں گمان ہوتا ہے کہ وہ جنس بھی اس صفت سے موصوف ہو ورنہ بہت سے یہودی ہدایت پہ تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا :

من اھل الکتٰب امۃ قائمۃ یتلون اٰیات اللہ اناء الّیل وھم یسجدون الخ

لیکن چونکہ وہ بکثرت نہیں بلکہ معدود دے چند تھے اس لیے یہ حکم نصارٰی کی طرح ان کی طرف منسوب نہیں ہوا۔

وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ اور بیشک وہ تکبر نہیں کرتے۔ اس کا عطف منھم پر ہے، یعنی تحقیق یہ ہے کہ قبولِ حق سے جب اسے سمجھ چکے ہیں تو یہود کی طرح روگردانی اور تکبّر نہیں کرتے بلکہ متواضع رہتے ہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ تواضع اور علم و عمل کی جد و جہد اور شہوات سے رُوگردانی بہت اچھا عمل ہے اگرچہ کافر میں بھی ہو۔

ف : (صاحبِ رُوح البیان علامہ اسمٰعیل حقّی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میرے شیخ کے سامنے بعض بے دینوں کی مروّت کا ذکر ہُوا تو آپ نے یہ فرمایا کہ یہ ازلی سعادت کی علامت ہے کہ وہ اس مروّت کے طفیل دولتِ ایمان و توحید سے نوازا جائے اور اس کا انجام بخیر ہو۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
روزے کہ رخت جان بجہان دگر کشیم

ترجمہ : کوئی کام کرجائیں ورنہ شرمساری ہوگی جب اس جہان کا سامانِ سفر باندھیں گے۔

فہرست تفسیر فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان پارہ نمبر ۶